مجدّدین اُمّتِ محمدیہ

اور

اُن کے تجدیدی کارنامے

مجدّدین امت محمدیّہ

اور ان کے تجدیدی کارنامے

نام کتاب:	مجددین امت محمدیہ اوران کے تجدیدی کارنامے
سابقہ اشاعتیں:	2005ء،2008ء
اشاعت ھذا(انڈیا):	2017ء
تعداد:	1000
مطبع:	فضل عمر پرنٹنگ پریس قادیان
ناشر	نظارت نشرواشاعت قادیان
	ضلع: گورداسپور، پنجاب،انڈیا،143516

Name of the Book:	**MUJADEDEEN UMMAT-E-MUHAMMADIYA AUR UN KE TAJDEEDI KARNAAME**
Previous editions:	2005,2008
Present edition India:	2017
Quantity:	1000
Printed at:	Fazl-e-Umar Printing Press Qadian
Published by:	Nazarat Nashr-o-Isha,at Qadian
	Dist; Gurdaspur, Punjab, India, 143516

ISBN: 81-7912-100-3

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
1	فہرست مضامین الف تاء	اے
2	بارہ بُرج	بی
3	وجہ تصنیف	سی
4	پیش لفظ	ڈی
5	انتساب	ای
6	عرض حال (از مولانا سلطان محمود انور صاحب)	I
7	چمن اسلام کے مالی (از مکرم عبدالسمیع خان صاحب)	VII
8	دیباچہ (مکرم مولانا دوست محمد شاہد صاحب)	IX
9	حفاظت اسلام کا ذریعہ سلسلہ مجددین (مکرم حافظ مظفر احمد صاحب)	XIII
10	تجدید کیا ہے	1
11	اصطلاحی معنی	1
12	تجدید دین سے مراد	3
13	مجدد کب پیدا ہوتے ہیں	4
14	مجددین کے آنے کا ثبوت قرآن وحدیث سے	5
15	ہر زمانہ میں مصلح آتے ہیں	7
16	مجددین موسوی کے بعد مجددین محمدی کی ضرورت	7
17	ضرورت مجددین	8
18	دین کی تازگی کیلئے مجددین کی ضرورت	11
19	خداتعالیٰ کی صفت کلیم کا ثبوت مجددین کی آمد سے ملتا ہے	12

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
13	مجددین کے ذریعہ زندہ خدا کا ظہور	20
13	حدیث مجددین	21
13	صحت حدیث	22
14	حدیث کا مطلب اور حکمت	23
17	سلسلۂ مجددین اور اسلام کی امتیازی خصوصیت	24
21	مجدد کے آنے کا وقت	25
22	صدی کا سر	26
23	کیا ہر صدی کے سر پر مجدد کا آنا ضروری ہے؟	27
23	علاماتِ مجددین	28
24	مجدد کی خصوصیات	29
27	کیا مجدد کیلئے دعویٰ لازمی ہے	30
28	مَنْ یُّجَدِّدُ	31
28	الائمۃ من القریش سے مراد	32
29	کیا مجدد پر ایمان لانا ضروری ہے	33
30	مجددین کی تعیین	34
32	فہرست مجددین امت محمدیہ	35
33	حوالہ جات	36
36	پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ	37
39	ولادت ونسب	38
39	خلافت سے قبل	39
40	بشارت	40

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
41	سریر آرائے خلافت ہونے کے بعد	40
42	وفات	41
43	تجدید دین	41
44	تدوین حدیث	41
45	شریعت اسلامیہ وسنت نبوی کا نفاذ	42
46	پابندیٔ نماز	43
47	زکوٰۃ	43
48	شراب پر پابندی	44
49	باغ فدک	44
50	روزہ	44
51	خلافت کی اصلاح	44
52	بیت المال کی اصلاح	45
53	محاصل کی اصلاح	46
54	جیل خانے کی اصلاح	46
55	بدعات ورسومات کا استیصال	47
56	مذہبی اصلاح	48
57	معاصرین کی گواہی	49
58	اشاعت اسلام	49
59	حوالہ جات	51
60	دوسری صدی کے مجدد حضرت امام شافعیؒ	53
61	ولادت نام ونسب	54

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
62	مختصر حالات زندگی	54
63	وفات	54
64	بشارت نبوی	54
65	دوسری صدی کے مجدد	55
66	اس زمانہ کے حالات	55
67	امام شافعی کی یگانہ روزگار شخصیت	56
68	خداداد صلاحیتوں کے مالک	57
69	عباسی عصر میں آپ کا فاضلانہ مقام	57
70	فضائل مناقب	58
71	طریق اجتہاد	59
72	شافعی مسلک	59
73	تجدیدی کارنامے	60
74	علوم دینیہ کی اشاعت	60
75	امام شافعیؒ اور قرآن	61
76	امام شافعیؒ اور علم حدیث	61
77	اصلاح علوم حدیث	63
78	سلسلۃ الذہب	65
79	فقہ اور امام شافعیؒ	65
80	اختلافی مسائل میں امام صاحب کا مسلک	66
81	امام شافعیؒ اور علم کلام	68
82	قیاس، استحسان اور امام شافعیؒ	69

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
83	متفرق	
84	امام شافعیؒ کے اقوال مختلفہ	70
85	تصنیفات	71
86	اصول تصنیف	71
87	حوالہ جات	73
88	تیسری صدی کے مجدد حضرت ابوالحسن اشعریؒ	75
89	ولادت وابتدائی حالات	76
90	وفات/ اعتزالی دور	77
91	اعتزال سے علیحدگی	77
92	تجدیدی کارنامے	78
93	معتزلہ سے اختلاف	80
94	تصانیف	80
95	کتب کی اقسام	81
96	حوالہ جات	83
97	چوتھی صدی کے مجدد حضرت ابوبکر باقلانیؒ	84
98	ولادت وتعارف	85
99	اس زمانے کے مسائل	85
100	وفات	86
101	تجدیدی کارنامے	86
102	تصنیفی کام	87
103	حوالہ جات	89

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
104	پانچویں صدی کے مجدد حضرت امام غزالیؒ	90
105	حالات زندگی	91
106	امام غزالیؒ کے متعلق ارشادات حضرت مسیح موعودؑ	94
107	حضرت امام غزالیؒ کے زمانہ کے پیرزادے اور فقراء	95
108	وفات	96
109	حوالہ جات	97
110	چھٹی صدی کے مجدد حضرت سیّد عبدالقادر جیلانیؒ	98
111	ولادت و نام و نسب	99
112	حالات زمانہ	99
113	عظیم روحانی مقام	100
114	عظمت کردار	103
115	دیدار رسول اور علم لدنی	105
116	تجدیدی کارنامے	105
117	شکستہ دلوں کیلئے موجب راحت	106
118	تعلیمات	107
119	قبولیت دعا	108
120	راست گوئی	108
121	تصانیف	109
122	وفات	110
123	آپ کی سیرت بزبان حضرت مسیح پاکؑ	110
124	آپ کا نفس بڑا مطہر تھا	110

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
111	خدا کے مقرب	125
112	فتوح الغیب سوانح شیخ عبدالقادرؒ	126
112	فتوح الغیب کی تعریف	127
112	سیّدعبدالقادر جیلانیؒ نہایت حسین تھے	128
113	عشق الٰہی کا خاصہ	129
113	سیّدعبدالقادر جیلانیؒ کی فضیلت	130
114	حضرت شیخ عبدالقادرؒ کا مقام انعام	131
114	حضرت شیخ عبدالقادرؒ کی کتب توحید سے بھری ہوئی ہیں	132
115	میری روح سیّدعبدالقادر جیلانیؒ کی روح سے مناسبت رکھتی ہے	133
115	اندرونی تبلیغ اور اصلاح	134
116	اظہار علی الحق	135
118	بیرونی تبلیغ	136
120	حوالہ جات	137
123	ساتویں صدی کے مجدد حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ	138
124	ولادت نام ونسب	139
124	ابتدائی حالات	140
124	وفات	141
125	باخدا انسان۔روحانی مقام	142
125	حالاتِ زندگی	143
126	دیدارِ رسول اور بعثت	144
126	شخصیت وعظمت	145
127	ریاضت	146

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
147	اخلاق حسنہ	127
148	تعلیمات	128
149	تجدیدی کارنامے	128
150	تصانیف	130
151	فنافی الرسول	130
152	حوالہ جات	132
153	ساتویں صدی کے ایک اور مجدد حضرت امام ابن تیمیہؒ	133
154	ولادت نام ونسب۔مختصر حالاتِ زندگی	134
155	وفات ونماز جنازہ	135
156	مناقب	135
157	اس دور کی حالت زار	136
158	تجدیدی کارنامے	137
159	رسومات اور بدعقائد کے خلاف جہاد	138
160	مردہ پرستی کے خلاف جہاد	138
161	قبر پرستی کے خلاف جہاد	139
162	شراب نوشی	139
163	بدعات ومنکرات کا ازالہ	139
164	جیل خانے میں اصلاحی اقدام	140
165	ردّ فلسفہ	140
166	علوم شریعہ کا احیاء	141
167	علم تفسیر	142

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
168	سنت وحدیث کی ترویج	142
169	علم فقہ اور امام صاحب	142
170	دیگر فقہاء سے اختلاف	142
171	علم اصول فقہ	143
172	علم کلام	144
173	تصانیف	144
174	جذبہ جہاد	145
175	امام ابن تیمیہ نے تاتاریوں کے خلاف تلوار کیوں اٹھائی	145
176	کوہستانیوں کو تادیب وتبلیغ	148
177	ردّ عیسائیت	148
178	تجدید بذریعہ خطابت	148
179	تجدید بذریعہ تدریس وافتاء	150
180	حوالہ جات	151
181	آٹھویں صدی کے مجدد حضرت علامہ ابن حجر عسقلانیؒ	153
182	ولادت۔نام ونسب	154
183	حالات زندگی	154
184	وفات۔شخصیت وکردار	155
185	مسلمانوں کی حالت	157
186	تجدیدی کارنامے	157
187	تصانیف	158
188	حوالہ جات	160

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
189	نویں صدی کے مجدد حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ	161
190	تعارف	162
191	وفات	162
192	تجدید دین	162
193	تصنیفی تجدیدی کارنامے	162
194	علم تفسیر	163
195	علم حدیث	163
196	تصانیف	165
197	احمدیت اور جلال الدین سیوطیؒ	166
198	حوالہ جات	167
199	دسویں صدی کے مجدد علامہ شیخ محمد طاہر پٹنیؒ	168
200	حالاتِ زندگی	169
201	پیدائش	169
202	حضرت محمد طاہر گجراتیؒ کا مباہلہ	173
203	حوالہ جات	175
204	گیارہویں صدی کے مجدد حضرت شیخ احمد سرہندیؒ مجدد الف ثانی	176
205	ولادت۔ مختصر حالاتِ زندگی	177
206	بلند روحانی مقام	178
207	مسلمانوں کی حالت زار	179
208	دیگر حالات زمانہ	179
209	وفات	181

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
210	تجدیدی کارنامے	181
211	دعویٰ مجددیت	181
212	تعلیمات	183
213	اتباع سنت	183
214	حقوق العباد	184
215	وحدت الشہود	184
216	ردّ فلسفہ	185
217	بادشاہِ وقت کو تبلیغ	185
218	ایام اسیری میں تبلیغ	186
219	استقامت	187
220	آپ کی تبلیغ کا اثر	187
221	تصانیف	187
222	آپ کا جاری کردہ طریقہ مجددیہ	187
223	احمدیت اور حضرت مجدد الف ثانی	188
224	ارشادات حضرت مسیح موعودؑ درباره حضرت مجدد الف ثانی سرہندی	189
225	نبوت کی حقیقت	190
226	محدث کی تعریف	191
227	ہر نبی کے وقت ابتلاء آئے	191
228	سیّد احمد سرہندی کی پیشگوئی آخری احمد کے متعلق	191
229	ایک اور پیشگوئی	192
230	ایک پیشگوئی جو حرف بحرف پوری ہوئی	192

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
192	اورنگ زیب عالمگیر کا تذکرہ	231
194	حوالہ جات	232
196	بارہویں صدی کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ	233
197	ولادت وحالاتِ زندگی	234
197	شخصیت	235
198	حالاتِ زمانہ	236
200	دعویٰ مجددیت	237
201	تجدیدی کارنامے	238
201	آپ کا سب سے بڑا کارنامہ	239
202	ناسخ ومنسوخ	240
202	سنت وحدیث کی ترویج	241
206	بدعات کے خلاف جہاد	242
207	ردّ فلسفہ	243
207	تصانیف	244
207	تلقین جہاد	245
208	دعوت الی اللہ	246
209	امراء سے خطاب	247
209	فوجیوں سے خطاب	248
209	اہل صنعت وحرفت سے خطاب	249
209	پیرزادوں سے خطاب	250
210	عالمان دین سے خطاب	251

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
210	خشک زاہدوں اور کنج نشینوں سے خطاب	252
210	امت مسلمہ سے خطاب	253
211	احمدیت اور شاہ ولی اللہؒ	254
212	ختم نبوت	255
213	حوالہ جات	256
215	تیرھویں صدی کے مجدد حضرت سیّد احمد بریلوی شہیدؒ	257
216	ولادت وعہد طفولیت	258
216	مقصد حیات	259
216	عظمت کردار	260
217	فطرتی سعادت	261
217	اعلیٰ اخلاق	262
218	توحید الٰہی سے محبت	263
218	آپ کو شب قدر نصیب ہوئی	264
218	علم حقیقی سے مراد	265
219	تصانیف	266
219	تجدیدی کارنامے	267
219	دعویٰ مجددیت	268
220	دعوتِ اصلاح	269
221	متعدد دورہ جات	270
221	طریقہ محمدیہ کا قیام	271
222	بدعات کے خلاف جہاد	272

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
273	بیوہ سے نکاح ثانی کرنا	222
274	قبر پرستی کے خلاف تعلیم	223
275	دعوتِ ارشاد	224
276	تبت میں تبلیغ	224
277	ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں تبلیغ	225
278	کلکتہ میں تبلیغ	225
279	برما میں تبلیغ	226
280	آپ کی تجدید دین کا اثر	226
281	سفرحج اور احیائے اسلام	227
282	جہاد	228
283	انگریزوں سے جہاد کے بارہ میں جماعت احمدیہ اور سیّد صاحب ہم مسلک ہیں	229
284	استقامت	231
285	شہادت	232
286	حضرت مسیح موعودؑ کے ارشادات	233
287	سیّد صاحب کے شروع کردہ کام کا اتمام	233
288	اپنا بھائی	234
289	حضرت سیّد صاحب صرف ہندوستان کے مجدد تھے	234
290	سیّد احمد صاحب بریلویؒ بطور ارہاص	235
291	سیّد احمد بریلوی کا ساتھی مسیح موعودؑ کے چرنوں میں	235
292	سیّد صاحب غافلوں پر حجت تھے	235
293	سَلَامٌ عَلٰی اِلْیَاسِیْن	236

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
294	حوالہ جات	237
295	ایک نئی تحقیق	240
296	ایک خط	241
297	WALI SONGO	242
298	ایک خط	258
299	حضرت عثمان ڈان فودیو	259
300	حضرت عثمان ڈان فودیو کے متعلق ایک ارشاد	260
301	پیدائش	260
302	نسب نامہ	260
303	ابتدائی علم	260
304	مذہب ومسلک	261
305	اخلاق فاضلہ	261
306	حج بیت اللہ کا شرف	261
307	دعویٰ مجددیت	262
308	احیائے سنت وتجدید دین	262
309	ہجرت	263
310	امیر المومنین کا خطاب	264
311	شیخ عثمان ڈان فودیو مجدد زمانہ تھے	264
312	ظہور امام مہدی کے متعلق پیشگوئی	265
313	مہدی کی سچائی کی علامت سورج اور چاند گرہن	266
314	تصنیفات	266

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
315	وفات	266
316	علمی کارنامے	266
317	چودھویں صدی کے مجدد	267
318	حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے مجدد کے متعلق ایک سوال اور اس کا جواب	268
319	چودھویں صدی کے مجدد کے متعلق ہماری طرف سے ایک مثبت جواب	276
320	ساری دنیا کیلئے مجدد	271
321	فکر انگیز تحریر	271
322	حوالہ جات	273
323	چودھویں صدی کے مجدد اور امام مہدی	275
324	تعارف	276
325	مسیح اور مہدی	276
326	حاکم۔کاسر صلیب	277
327	مؤید اسلام	277
328	معلم قرآن	277
329	مسیح موعود نام کی مصلحت	278
330	مسیح موعود۔اس زمانہ میں خدا کا مامور	278
331	مثیل مسیح	279
332	مجدد وقت	280
333	جری اللہ فی حلل الانبیاء	280
334	امام الزمان	282
335	خلیفۃ اللہ	283

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
336	فرشتوں کا نزول اور کامیابی کی بشارت	283
337	آخری نور	283
338	عنایات الٰہی	284
339	دارالنجات کا دروازہ	286
340	قرآن کی خوبیاں	287
341	غلبہ دین	287
342	تعلیمات حقہ کی اشاعت	287
343	خوشخبری	288
344	موسیٰ کا طور	288
345	نور کے چشمے	288
346	صراطِ مستقیم	288
347	مسیح و مہدی کا مقام اور قرآن شریف	290
348	مسیح اور مہدی کا مقام اور احادیث	291
349	مسیح اور مہدی کا مقام اور علماء و بزرگان امت	292
350	حضرت محمد بن سیرینؒ	292
351	حضرت امام باقر علیہ السلام	292
352	حضرت امام عبدالرزاق کاشانی	292
353	عارف ربانی محبوب سبحانی سیّد عبدالکریم جیلانی	292
354	حضرت ملا عبدالرحمٰن جامی	293
355	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	293
356	شیخ محمد اکرم صابری	293

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
357	جناب امام بخش ناسخ	293
358	حضرت خواجہ فریدالدین	294
359	شیعہ مجتہد علامہ علی الحائری	294
360	شیعہ مجتہد سیّد محمد سبطین	294
361	قاری محمد طیب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند	294
362	حضرت مسیح موعودؑ کے کارنامے	296
363	زندہ خدا عطا کیا	296
364	قرآن مجید کا ارفع مقام	299
365	قرآن کریم کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ	302
366	ملائکہ کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ	318
367	انبیاء کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ	320
368	زندہ رسول	329
369	تمام آدم زادوں کیلئے ایک ہی رسول اور ایک ہی شفیع	329
370	ہمیشہ کیلئے جلال اور تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا نبی	329
371	بنی نوع انسان کا بے نظیر ہمدرد	330
372	نبی کریم کی فضیلت کل انبیاء پر میرے ایمان کا جزو اعظم	330
373	اعلیٰ درجہ کا جوانمرد نبی	330
374	اعلیٰ درجہ کا نور	331
375	جس کے عالی مقام کا انتہاء معلوم نہیں ہوسکتا	331
376	خدانما	331
377	سب سے افضل و اعلیٰ و اکمل و ارفع و اجلی و اصفیٰ نبی	332

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
378	مجدد اعظم- حضرت محمد ﷺ	332
379	ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں	333
380	انسان کامل اور کامل نبی	333
381	جس کے ساتھ ہم ....اس عالم گزران سے کوچ کریں گے	333
382	حقیقی دین	334
383	پاکیزہ اسلامی معاشرہ	335
384	پاکیزہ تبدیلیاں	336
385	اختلافی مسائل میں صحیح فیصلہ	339
386	وفات حضرت عیسیٰ علیہ السلام	339
387	روحانی خزائن	340
388	خدمت خلق	342
389	اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کے سامان	344
390	امن عامہ کا قیام	350
391	میں اُس کی طرف سے ہوں	353
393	علمی کارنامے (کتب کی فہرست)	354
393	حرفِ آخر	356
394	مراجع والمصادر	357

بارہ برج

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے سورۃ الحجر کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:-

''اس کے بعد کی آیات میں بروج کا ذکر فرمایا گیا ہے جو سورۃ البروج کی یاد دلاتا ہے ''اور ہم ہی اس کلام کی حفاظت کریں گے'' کے مضمون پر سے پردہ اٹھاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی غلامی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے لوگ مامور ہوتے رہیں گے جو قرآن کریم کی حفاظت کیلئے ہمہ وقت مستعد رہیں گے۔ یہاں بروج میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ جو مجددین رسول اللہ ﷺ کے بعد بارہ برجوں کے طور پر آتے رہے وہ بھی اسی کام پر مامور تھے۔

ترجمۃ القرآن حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ صفحہ 423

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھــو الـنــــــــــــاصــر

وجہ تصنیف

فروری 1998ء میں ایک مجلس سوال و جواب میں کسی احمدی دوست نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے سوال کیا کہ آیا جماعت میں مجددین اسلام کے حالات اکٹھے کتابی صورت میں جماعت نے شائع کئے ہیں۔ جواب میں ارشاد فرمایا کہ ’’نہیں‘‘۔ اس پر توجہ اس طرف مبذول ہوئی کہ اگر مجددین اُمت کے حالات اور کارنامے ایک کتاب میں جمع ہو جائیں تو مفید ہوگا۔

چنانچہ اس کارِ خیر کیلئے خاکسار (صفدر نذیر گولیکی) نے جب توجہ کی تو مکرم و محترم برادرم نصیر احمد انجم (مربی سلسلہ) استاذ جامعہ احمدیہ کا مقالہ اسی عنوان سے مل گیا جسے حالات کے مطابق مزین کر کے ہم ’’مجددین امت محمدیہ اور ان کے تجدیدی کارنامے‘‘ کے نام سے پیش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے مقبول عام بنادے۔ آمین

پیش لفظ

مسلم دنیا بالعموم خدا کی طرف سے ملنے پر عظیم تر انعام الٰہی مثلاً مصلحین کی آمد کے حوالے سے ایک طویل انتظار جو اَب مایوسی میں بدلتا نظر آتا ہے کا شکار ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ چونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آمدہ بڑے انعام کا انکار کرنے کی وجہ سے باقی انعامات بھی اللہ تعالیٰ نے چھین لیے ہیں۔ مجددین کا سلسلہ جو پہلی صدی کے سر پر شروع ہوا تھا وہ تیرھویں صدی تک آ کر بظاہر ان کی نظر میں ختم ہو گیا۔ اور پھر چودھویں صدی میں آنے والے مجدد کا انہوں نے انکار کر دیا۔ لیکن جماعت احمدیہ کے نزدیک خدا کے انعامات کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ پہلے بھی خدا کے نیک بندے رشد و ہدایت کے نام پر مامور ہوتے رہے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ رُشد و ہدایت کے اس چودہ سو سالہ طویل دور میں چند نابغہ روزگار ہستیوں کا ذکر جو مجدد بنا کر اصلاح خلق کی خاطر دُنیا میں آئیں ہماری اِس کتاب کا موضوع ہے۔

اس جگہ ہم نے تمام مجددین کے تفصیلی حالات خوف طوالت سے چھوڑ کر صرف ہر صدی کے چند مشہور و معروف مجددین کا تذکرہ کر دیا ہے۔ ان مجددین کے انتخاب میں ان کے تجدیدی کام کے لحاظ سے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا یہ ارشاد ملحوظ رکھا ہے کہ:-

> ”اللہ تعالیٰ ہر صدی پر ایک مجدد کو بھیجتا ہے جو دین کے اس حصے کو تازہ کرتا ہے جس پر کوئی آفت آئی ہو“۔ [1]

اسی طرح حضرت اقدسؑ نے جس جس مجدد کا ذکر خیر اپنی کتابوں میں فرمایا ہے اس سے بھی ہم نے تیرہ صدیوں کے مجددین کے انتخاب میں راہنمائی لی ہے۔ ان تمام امور کو مدنظر رکھنے کے باوجود بھی ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ مجددین کی یہ فہرست آخری اور حتمی ہے بلکہ جیسا کہ ہم نے کہا مجددین کو تیرہ کے عدد میں محدود نہیں کیا جاسکتا بلکہ کئی لحاظ سے ان کی کئی فہرستیں بن سکتی ہیں صرف بعض پہلوؤں

سے چند مشہور مجددین کا تعارف کروایا جارہا ہے۔

مزید برآں موضوع سے متعلقہ حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات، خلفاء مسیح پاکؑ کے ارشادات بھی حسب موقع پیش کیے ہیں تاکہ ان شخصیات کی اہمیت و مقام مزید واضح ہو جائے۔ اس کتاب کی تیاری میں مکرم مولانا عبدالستار خانصاحب سابق مربی سپین اور مکرم عثمان شاہد صاحب مربی سلسلہ نے بہت تعاون فرمایا جس کیلئے ہم تہہ دل سے مشکور ہیں۔

اس کے علاوہ درج ذیل اصحاب نے بھی معاونت فرمائی۔

۱۔ مکرم مشہود احمد ظفر صاحب مربی سلسلہ	۲۔ مکرم محمد احمد فہیم صاحب مربی سلسلہ
۳۔ مکرم رانا عمران اسلم صاحب	۴۔ مکرم ہمایوں طاہر صاحب
۵۔ مکرم لقمان احمد شاد صاحب	۶۔ مکرم وزیر خانصاحب
۷۔ مکرم محمد افضل متین صاحب	۸۔ مکرم بدرالزماں صاحب

اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور ہماری اس کوشش کو مفید ثمرات کی حامل بنائے۔ آمین

انتساب

ان نیک فطرت انسانوں کے نام جنھوں نے چودھویں صدی کے
مجدد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق قبول کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض حال

از محترم مولانا سلطان محمود انور صاحب ناظر خدمت درویشاں ربوہ

حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کے فرمودات میں سے تین ایسے فرمان ہیں جن کا اُمت کے مستقبل سے تعلق تھا اور جو کثرت اور تواتر کے ساتھ کتبِ احادیث میں محفوظ چلے آتے ہیں۔ ان تین اہم فرمانوں میں سے ایک فرمان اپنے اندر کھلے انتباہ کا رنگ رکھتا ہے اور دوسرے دو فرمان اُمت کے روشن مستقبل کی بابت دراصل دو عظیم بشارتیں ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا پہلا فرمان جو انتباہ پر مشتمل ہے وہ اس پس منظر سے اہمیت پکڑتا ہے کہ پاک محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے 23 سالہ عہد نبوت میں اپنا لمحہ لمحہ اُمت کی تعمیر اور قیام وحدت کیلئے وقف کر رکھا تھا۔ اور یہ وحدت امت کی جہاں بے مثل کیفیت تھی وہاں آنحضرت ﷺ مستقبل کے پیش نظر حسب ذیل انتباہ بھی امت کیلئے ضروری سمجھتے تھے۔ چنانچہ فرمایا:-

”عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال، قال رسول اللہ ﷺ تفرَّقت الیھُودُ عَلٰی اِحدیٰ وَ سَبعِینَ اَوِ اثنَتَینِ وَ سَبعِینَ فِرقَۃ وَالنَّصارٰی مِثلَ ذٰلِکَ و تَفتَرِقُ اُمتی عَلٰی ثَلاثٍ وَ سَبعِینَ فِرقَۃً“.

(ترمذی ابواب الایمان باب افتراق ھذہ الامۃ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہودی اکہتر یا بہتر فرقوں میں تقسیم ہوگئے تھے۔ اسی طرح نصاریٰ کا حال ہوا اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔

یہ فرمان بلاشبہ ایک انتباہ تھا۔ لیکن امت کے علماء اور چیدہ شخصیتوں نے امت واحدہ کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں کبھی تامل سے کام نہیں لیا۔ اور امت کے یہ ”مہربان“ ابھی ٹکڑے کرنے کا کھیل برابر کھیل رہے ہیں۔ سیّد الانبیاء ﷺ کو چونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے امت واحدہ کے عبرتناک مستقبل

کا علم دیا گیا تھا کہ بیرونی دشمن نہیں بلکہ امت کے اندرونی دشمن یعنی علماء، امت کی وحدت کو پارہ پارہ کردیں گے۔ اس لیے آنحضرتﷺ کی روح آستانہ الٰہی پہ مضطرب پڑی رہی جب تک کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس بشارت کا انکشاف نہ ہوگیا۔ بحوالہ ابوداؤد **کتاب الملاحم باب ما یذکر فی قرن المئة** روایت ہے۔

"عن ابی هریرة رضی الله عنه فِیۡمَا اَعۡلَمُ عَنۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ یَبۡعَثُ لِهٰذِهِ الۡاُمَّةِ عَلٰی رَأسِ کُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنۡ یُّجَدِّدُ لَهَا دِیۡنَهَا"۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس امت کیلئے ہر صدی کے سر پر ایسے لوگ کھڑے کرتا رہے گا جو اس امت کے دین کی تجدید کرتے رہیں گے۔

مقصد یہ پیش نظر تھا کہ فرقہ سازی چونکہ روزمرہ کے مسائل میں اپنی اپنی انا اور ہٹ دھرمی کے باعث ہوگی اس لیے جہاں سابقہ امتوں میں روزمرہ کے اختلافات کے تدارک کیلئے کوئی بالائی نظم ونسق نہ تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاکﷺ کی مناجات کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے اختلافات امت کے شر سے بچنے کیلئے بشارت دی کہ ہر صدی کے سر پر اللہ تعالیٰ کسی ایسے وجود کو کھڑا کردیا کرے گا جو ساتھ کے ساتھ حسب حالات وضرورت تجدید کا فریضہ ادا کرے۔ اس بشارت کے اندر حسب ذیل اہم نکات خصوصیت سے قابل توجہ ہیں۔

(۱) باوجود قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی موجودگی کے علمی اور عملی کام تخریب کاری کا کام نہیں روکے گا اس لئے جب ایک معین عرصہ گزرے گا تو اختلافات اور نفسانی توجیہات کے شر سے امت کی سوچ، فکر، عمل واتحاد اور یکجہتی کو بچانے کیلئے خود خدا تعالیٰ کی طرف سے اہتمام ہوا کرے گا اور مجدد کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعثت ہوگی۔ یہ سابقہ امتوں کے مقابل پر آنحضرتﷺ کی امت پر اضافی رحمت اور شفقت اور حفاظت کا اہتمام ہوگا۔

(۲) تجدید سے مراد یہ نہ ہوگی کہ کوئی مجدد نئے احکام یا ردّ وبدل یا نسخ وترمیم کرنے والا ہوگا۔ ایسا وجود شریعت محمدیہ کو قیامت تک مطلوب ودرکار نہیں اور تجدید سے مراد علماء سو کی ان چیرہ دستیوں اور غلط نیز بگڑی ہوئی سوچوں کے شر سے دین محمدی کو بچانا ہے اور مضر اثرات کو

مٹانا ہے۔

یہ دونوں باتیں **ان اللہ یبعث** کے اندر مضمر ہیں۔علاوہ ازیں یہ امور بھی **ان اللہ یبعث** میں موجود ہیں۔ کہ (ا) مجدد بھیجنے کا فیصلہ کرنا (ب) شخصیت کا تعین و انتخاب (ج) علاقہ وجگہ کہ کس ملک / شہر / ماحول میں مجدد کام کرے (ح) وقت کب مجدد کا متقاضی ہے (د) مجدد کی علمی فکری راہنمائی (ز) مجدد کے فرائض کی بجا آوری میں اس کی راہنمائی اور تائید وحفاظت (و) ایک یا ایک سے زائد مجدد مطلوب و درکار ہیں (ہ) مجدد کی مساعی کو مؤثر ونتیجہ خیز بنانا۔

یہ جملہ امور ایسے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی انسانی منصوبہ ان امور کو سر انجام نہیں دے سکتا۔اس لیے فرمایا گیا کہ **ان اللہ یبعث** کہ ایسی پر حکمت و با مقصد بعثت خدائے رحیم وقدیر کی بارگاہ سے ہی ہو سکتی ہے۔

(۳) **لھذہ الامۃ** کے الفاظ بھی اہم پہلو رکھتے ہیں۔

(ا) ''ل'' میں عربی زبان کے اعتبار سے یہ حقیقت بتائی گئی ہے کہ امت کے ''فائدہ'' کیلئے یہ اہتمام ہوا کرے گا۔اس کی ضرورت اس لیے محسوس فرمائی گئی کہ امت کی وحدت پارہ پارہ کرنے والے گروہ کبھی یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ ان کی موجودگی میں کوئی اصلاحی یا تعمیری فکر میدان میں آئے یہی وجہ ہے کہ جس قدر مجدّ دین امت کی اصلاح اور تجدید کیلئے وقتاً فوقتاً آتے رہے ہیں ان کی بلا استثناء مخالفت اور مزاحمت ہوتی آئی ہے۔

(ب) **لھذہ الامۃ** میں کسی معین گروہ، فرقہ یا طبقہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔اگرچہ امت کی وحدت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا لیکن یہ سبھی ٹکڑے دو حالتوں میں ہیں۔ایک حالت ٹکڑا یا فرقہ بنانے والوں کی سوچ۔جس کے تحت وہ اپنے سوا کسی دوسرے کو برداشت نہیں کرتے۔لیکن تجدید کا دائرہ اس فرمان نبوی کے ماتحت کسی خاص گروہ یا فرقہ سے متعلق نہیں بلکہ **لھذہ الامۃ** ہے۔اور یہی وجہ ہے کہ کسی مجدد وقت نے کسی خاص فرقہ یا گروہ تک اپنی خدمات کا دائرہ محدود نہیں رکھا۔ ہاں مختلف مجدّ دین کو تقسیم کاروں نے اسی طرح باہم فرقوں کے لیبل لگا رکھے ہیں جس طرح فرقوں میں امت کی وحدت کو بانٹے بیٹھے ہیں۔

(ج) **لھٰذہ الامۃ** میں مجدّدین کے دائرہ کار کی بابت واضح راہنمائی ہے کہ ان کی سوچیں اور مساعی جمیلہ فرقہ بندی سے بالا اور آزاد ہیں۔ جب وہ خداتعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوں تو خداتعالیٰ کی مخلوق میں امتیاز اور تفریق کے روادار کیسے ہوسکتے ہیں۔ پس وہ نہ کسی فرقہ میں شمار ہوں گے اور نہ کسی فرقہ کو وجود میں لائیں گے۔

(۴) امت کا دائرہ غیر محدود ہے اور قومیت، علاقائیت اور نظریات کی حدود سے بالا ہے۔ اس لئے جہاں بھی امت کا وجود ممکن ہوسکتا ہے وہاں **ھٰذہ الامۃ** کا عنوان صادق آتا ہے اور مجدّدیت کا دائرہ اس پر حاوی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر صدی کے مجدد تک بات محدود ہوتی تو تیرہ چودہ مجدّدین تک تعداد محدود رہتی۔ لیکن چونکہ امت کی حدود معین نہیں اس لیے مجدّدین کی تعداد بھی غیر معین ہیں۔ ہر علاقہ اور ہر ملک اور قوم میں مجدّدین ظاہر ہوتے رہے۔ بعض معروف ٹھہرے تو بنیادی فہرست اور شمار میں آ گئے۔ بعض معروف نہ ہوئے تو شمار میں نہیں آئے۔ لیکن حسب بشارت نبوی ان کی بعثت دنیا بھر میں ہوتی رہی۔ یہ پہلو **لھٰذہ الامۃ** کا بہت ایمان افروز ہے۔ چنانچہ اس کی تصدیق اگلے الفاظ میں ملتی ہے۔

(۵) **علی راس کل مائۃ سنۃٍ**۔ یعنی ہر صدی کے سر پر مجدد مبعوث ہوتا رہے گا۔ یہاں ’’کل‘‘ کا لفظ اگر استعمال نہ ہوتا تو پھر بھی مضمون واضح رہتا کہ صدی کے سر پر مبعوث ہوا کرے گا۔ لیکن چونکہ مختلف علاقوں اور قوموں میں سالوں اور صدیوں کا شمار الگ ہے۔ اسلامی تقویم کے مطابق سن ہجری سے صدی کا حساب ہوتا ہے۔ عیسوی تقویم کے مطابق سال اور صدی کا حساب الگ ہے۔ ہندی، ایرانی تقویم الگ الگ ہیں۔ اسی طرح اور بہت سی علاقائی و قومی سطح پر سال اور صدی کا حساب چلتا ہے۔ اگر فرمان نبوی اور بشارت نبوی میں صرف اسلامی تقویم کے مطابق صدی کے سر پر مجدد نے آنا تھا تو **علی راس مائۃ سنۃٍ** سے مقصد پورا ہوسکتا تھا۔ لیکن امت صرف اسلامی بلاک تک تو محدود نہیں۔ بلکہ دنیا بھر میں امت کا پھیلاؤ ہے۔ تو کیا اسلامی بلاک سے باہر بھی صدی کے سر پر مجددین آئیں گے یا نہیں؟ اس کا جواب ’’کل‘‘ کے لفظ میں موجود ہے کہ جہاں جہاں اور جس وقت کوئی صدی پوری ہوکر نئی صدی شروع ہوگی۔ تو امت کی نمائندگی اگر اس معیار پہ ہے کہ تجدید کی ضرورت حقہ ہے

تو وہاں کی صدی کے سر پر مجدد کی بعثت بھی ہوگی۔ یہی مقصد ان الفاظ سے عیاں ہے کہ علیٰ راس کل مائۃ سنۃٍ کہ جہاں جہاں صدی پوری ہو رہی ہوگی اور امت کا وجود وہاں ہے تو مجدد ضرور مبعوث ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ جس حد تک معروف مجدّدین گزرے ہیں ان کی تعداد تیرہ چودہ سے کہیں زائد ہے اور بہت سے ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو عالمی سطح پہ شمار میں نہیں آتے۔ لیکن ظہور ان کا لازماً ہوا ہے۔

امت کے روشن مستقبل کے متعلق دوسری عظیم بشارت: جب مجدّدین کا سلسلہ تیرہ صدیوں تک جاری رہا (جن کی تفصیل اس کتاب میں قارئین ملاحظہ فرمائیں گے) تو دو طرح کے نئے تقاضے سامنے آئے۔

اوّل: تیرہ صدیوں کی مساعی کے باوجود امت کی وحدت بحال نہ ہوئی۔ جو نظامِ تجدید کے مؤثر ہونے کا ایک طبعی نتیجہ ٹھہرتا ہے۔ اگرچہ وقتی، مقامی یا علاقائی سطح پہ بنیادی اسلامی تعلیمات پر تجدید کے مثبت اثرات دنیا کے مشاہدہ میں آتے رہے مگر اندرونی تفرقہ نہ مٹا اور وحدت قائم نہ ہو پائی۔

دوئم: دینِ مصطفوی کے خلاف بیرونی مخالفت مختلف پہلوؤں سے منظّم سطح پہ شروع ہوگئی۔ عیسائیت کی یلغار، یہودی اور دہریہ نظاموں کی مخالفانہ ریشہ دوانیاں، ہندو دھرم اور دیگر تہذیبوں اور سوسائٹیوں اور ایجنسیوں کا ٹارگٹ صرف امت بیچاری کو بنالیا گیا۔ عالمی سطح پر ذرائع رسل و رسائل، پریس میڈیا وغیرہ کی مہمات منظّم انداز سے اس حد تک مجتمع ہوگئیں کہ اس امت کے اندر سے بھی بہت سے ایسے طبقات کا تعاون انہیں حاصل ہوگیا جو امت کی وحدت کو پامال کرنے کا رویہ شروع سے اپنائے چلے آرہے ہیں۔ گویا امت پر اندرونی اور بیرونی سطح پہ بڑا مشکل اور کڑا وقت آگیا اور یہ حالات متقاضی تھے کہ مجدد کے لیول (Level) سے اوپر کوئی آسمانی اہتمام ہو اور اسی صورتحال سے نپٹنے کیلئے آنحضرت ﷺ نے وہ عظیم بشارت امت کو عطا فرمائی جو مسند احمد جلد 4 صفحہ 273 اور مشکوٰۃ باب الانذار والتحذیر میں مذکور ہے۔ اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے اندر نبوت موجود رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا پھر اللہ تعالیٰ یہ نعمت بھی اٹھالے گا۔ پھر ایک طاقتور اور مضبوط بادشاہت کا دور آئے گا۔ جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا

وہ رہے گا۔ پھر اسے بھی اٹھا لے گا اور ظالم اور جابر حکومت کا زمانہ آئے گا۔ پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہوگئی۔ اس کے بعد حضورؐ خاموش ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ کی اس عظیم بشارت کی تفصیلات میں جانے کا موقع نہیں۔ بہر حال چونکہ امت کے حالات ایسی شکل اختیار کر چکے تھے کہ مجدد جو محدود ماحول اور محدود بساط رکھتا ہے عالمی سطح پہ امت کے دفاع، تربیت و تنظیم کے عظیم مقاصد پورے نہیں کر سکتا۔ اس لیے بشارت نبوی کے مطابق خلافت علیٰ منہاج النبوت کی ضرورت لازمی شکل اختیار کر چکی ہے اور تیرھویں صدی کے بعد معمول کے مجدد کا ظہور یا بعثت نہ ہونا اس امر کا ثبوت ٹھہرتا ہے کہ اب امت کی وحدت اور استحکام کے معاملات خلافت علی منہاج نبوت کی ذیل میں آچکے ہیں۔ اور یہی وہ عظیم الشان بشارت نبوی تھی۔

کتاب ہذا مکرم نصیر احمد انجم صاحب استاذ جامعہ احمدیہ اور مکرم صفدر نذیر گولیکی مربی سلسلہ نے بڑی محنت اور بڑی تحقیق کے بعد امت کے مجدّدین کرام کے سوانح وحالات سے قارئین کو باخبر کرنے کیلئے تیار کی ہے۔ وہ مجدّدین جنہوں نے اپنے اپنے وقت اور اپنے اپنے ماحول میں امت کی راہنمائی کیلئے علمی وتربیتی کاوشیں کیں اور امت کے اندرونی ماحول کی فضا بھی اکثر ان کیلئے سازگار نہ تھی۔ لیکن اپنی بعثت کے تقاضے جان جوکھوں سے انہوں نے پورے کئے۔ فجز اھم اللہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کتاب ہذا کے مرتب کنندگان کو اجر عظیم عطا فرمائے جنہوں نے آج تک معروف مجدّدین کے حالات یکجا پیش کر دیئے جن کو دنیا اس وقت بھول چکی اور ان کے پاک کرداروں سے لاتعلق ہوئی بیٹھی ہے۔ اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی قدر واہمیت سے فیضیاب ہونے کیلئے تیار نہیں اور کوئی نہیں سوچتا کہ ایسی بے نیازی کے بعد امت کی وحدت کیونکر قائم ہو سکے گی۔

چمن اسلام کے مالی

از: محترم عبدالسمیع خانصاحب ایڈیٹر روزنامہ ''الفضل''

اسلام کو دوسرے مذاہب پر ایک زبردست امتیاز یہ حاصل ہے کہ اسلام کی آمد کے بعد خدا نے پہلے مذاہب کی نگرانی اور دیکھ بھال چھوڑ دی اور وہ ایک بغیر مالی کے باغ کی طرح ہیں جس کا کوئی دلی ہمدرد اور خیر خواہ نہیں ہوتا اور وہ باغ کم اور جھاڑ جھنکار کا مجموعہ زیادہ لگتا ہے۔ جس کے پودے بے رونق، پھل اگر ہوں تو بے ذائقہ یا تلخ، پھول بے رنگ اور بے خوشبودار اور راستے جنگل کا منظر پیش کرتے ہیں۔ یہی وجہ کہ اس باغ کی پرانی عظمت کے مداح تو بہت ہیں مگر اس کے تازہ پھلوں اور رونقوں کا کوئی چشم دید گواہ نہیں۔ محض قصوں اور کہانیوں پر گزارا ہے۔ بن برسات کے یہ کھیت خشک اور ویران ہو چکے ہیں۔ اس کے بالمقابل اسلام بھی ایک باغ کا منظر پیش کرتا ہے جس کے پھل خوش ذائقہ اور بکثرت ہیں۔ جس کے پھول ہر قسم کی خوشبو سے معطر ہیں۔ جس کے درختوں کی ڈالیاں آسمان سے باتیں کرتی ہیں اور جس کی جڑیں فطرت میں گہری پیوست ہیں۔

نظام قدرت کے تحت اس باغ میں بھی جڑی بوٹیاں پیدا ہوتی ہیں جو وقتاً فوقتاً پھلوں کو خراب کرنے اور پھولوں کا رس چوسنے کی کوشش کرتی ہیں۔ کیڑے مکوڑے بھی ظاہر ہوتے ہیں جو آنے والوں کی اذیت کا باعث بنتے ہیں۔ مگر چونکہ یہ خدا کا آخری مذہب اور کامل دین ہے اس لئے خدا نے قیامت تک اس کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے جس کا ایک طریق خدا نے خلافت کی شکل میں مقرر فرمایا ہے۔ خلافت کے دور اوّلین اور دور آخرین کے درمیان جب امت بکھر گئی اور تتر بتر ہوگئی تو خدا نے قومی خلافت کی بجائے فردی خلافت کا نظام جاری کیا جسے اصطلاح میں مجددیت کہتے ہیں۔

اس ادارہ کے جوانمردوں نے اسلام کے چمن کیلئے مالی کا کام کیا۔ جھوٹی روایات کی آکاس بیلیں اکھاڑ پھینکیں، بدرسومات کے طوق چاک کر دیے اور خدا تعالیٰ کی تازہ بتازہ تائید و نصرت سے نشان پر نشان دکھاتے رہے اور ایک عالم کو اس دین کا گرویدہ بناتے رہے۔ انہوں نے بیرونی حملہ

آوروں کا بھی دفاع کیا۔ضرورت پڑی تو قلم سے اور وقت آیا تو تلوار اٹھائی اور اس گلشن کو نیست و نابود کرنے کا ارادہ رکھنے والوں اور دعوے کرنے والوں کے منہ پھیر دیئے۔

یہ مجدّدین ہر صدی میں رسول کریم ﷺ کی پیشگوئیوں کے مطابق کثرت کے ساتھ ظاہر ہوئے اور حق کا جھنڈا سر بلند رکھا۔ عالم اسلام کے ہر خطے، ہر قوم اور ہر طبقہ میں حسب حالات اور متقاضائے وقت شیر نر کی طرح میدان میں اترتے رہے۔ان کی زندگیوں اور کارناموں کا مطالعہ اسلام کی تاریخ کا وجد آفرین باب ہی نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی عظیم قوت قدسیہ کا ناقابل تردید ثبوت فراہم کرتا ہے اور یہ کتاب ہمیں اس مطالعہ کا بہترین مواد پیش کرتی ہے۔

ان عاشقان مصطفیٰؐ نے دامے درمے سخنے اسلام کی بے پناہ خدمت کی اور پھر تیرھویں صدی کے آخر پر وہ جھنڈا مجدد الف آخر حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھ میں تھما دیا۔ خدمت کی یہ چھوٹی چھوٹی نہریں ایک وسیع و عریض دریا کی صورت اختیار کر گئیں جو اپنے سارے جہاں میں اسلام کے باغ کو سیراب کر رہا ہے اور **تجری من تحتھا الانھر** کا منظر دکھاتا ہے۔اب رنگوں اور ذائقوں سے مرصع اور خوشبوؤں میں بسا ہوا ایک پر بہار چمن ہے۔ہم ان مجدّدین کی عظمت کو سلام کرتے ہوئے مجدد الف آخر کی ہر آواز پر لبیک کہنے کا عہد کرتے ہیں۔

دیباچہ

از: مکرم ومحترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب مؤرخ احمدیت

زیرِ نظر کتاب مربی سلسلہ احمدیہ جناب مولانا نصیر احمد انجم صاحب اور جناب مولانا صفدر نذیر گولیکی صاحب کی دیدہ ریزی، تحقیق اور فکری بصیرت کا ایک دلکش گلدستہ ہے۔ جس کی خوشبو تاریخ ملت کے تیرہ سو سالہ دریچوں کے مطالعاتی دروازے کھلتے ہی قلب و روح کو معطر کر دیتی ہے اور ان صدیوں میں تجدیدی کارنامے بجالانے والے بزرگان دیں کی قلمی تصویر نمایاں طور پر سامنے آجاتی ہے۔

دیباچہ میں مجھے اس آفاقی صداقت کو نمایاں کرنا ہے کہ آنحضرت ﷺ واحد زندہ نبی اور خالق ارض وسما جل شانہ کے جاہ وجلال کے ابدی تخت پر رونق افروز ہیں اور کل کائنات کو اپنے بے شمار فیوض و برکات سے مالا مال کر رہے ہیں جس کا حیرت انگیز ثبوت یہ ہے کہ وصال نبوی کے بعد آپ کے انوار کی تجلیات کا سلسلہ نظام خلافت کی شکل میں قیامت تک جاری و ساری ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ بانی سلسلہ نے ''الوصیت'' میں پیشگوئی فرمائی ہے۔ بایں ہمہ جیسا کہ خود آنحضرت ﷺ نے قبل از وقت خبر دی۔ اس نظام خلافت کا پہلا دور آنحضورؐ کے معاً بعد جاری ہوگا اور تیس سال کے بعد پردۂ عالم سے غائب ہو جائے گا۔ اس کے بعد آخری زمانہ میں مسیح موعودؑ کی بعثت کے ساتھ ہی یہ آفاقی نظام دوبارہ منصۂ شہود میں آئے گا اور پوری دنیا خدا کے نور سے جگمگا اُٹھے گی

ع ہے یہ تقدیر خداوند کی تقدیروں سے

(مشکوٰۃ باب الانذار والتحذیر) آنحضرت ﷺ نے یہ بھی خبر دی کہ نظام خلافت کے دونوں ادوار کے دوران مسلم عوام پر آمریت اور شہنشاہیت مسلط ہو جائے گی جس کے نتیجہ میں جو غیر اسلامی افکار و نظریات پیدا ہوں گے اور ان کی نشاندہی اور دین مصطفیٰ کے نہایت حسین و جمیل چہرہ دکھانے کیلئے ہر صدی کے سر پر مجدد آئیں گے (ابوداؤد)۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔ مگر یہ سنہری دورِ تجدید محض

عبوری رنگ رکھتا تھا جسے وقتی اور عارضی طور پر آسمانی نظام خلافت کی نیابت کا شرف ضرور حاصل ہوا مگر اسے اس مقدس نظام کا متبادل ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ خلیفہ راشد بین الاقوامی شخصیت کا حامل ہوتا ہے، خدا کا نائب اور محبوب خدا کا نمائندہ جس کی بیعت فرض ہے۔ جو ایک وقت میں صرف ایک ہی ہوسکتا ہے۔ برخلاف مجدد کے جن کی تعداد معین نہیں۔ دوسرے یہ کہ مجدد تجدید دین کیلئے اور خلیفہ تمکین دین کیلئے جلوہ گر ہوتا ہے (النور)۔ اور وہ بھی علاقائی اور صوبائی یا ملکی سطح پر نہیں بلکہ بین الاقوامی حیثیت سے جس پر خلافت راشدہ کی تاریخ شاہد ناطق ہے۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں ہر مجدد نبی نہیں ہوتا مگر ہر نبی مجدد ضرور ہوتا ہے اور اس نقطہ نگاہ سے حضرت مسیح موعودؑ نے آنحضرت ﷺ کو مجدد اعظم اور خود کو ''مجدد مآة حاضرہ'' قرار دیا (لیکچر سیالکوٹ، صفحہ 604)۔ حضرت اقدسؑ کی نسبت دہلی کے شہرہ آفاق صوفی اور روحانی پیشوا حضرت خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی ہے کہ:-

''اس نیر اعظم کے نور میں سب فرقوں کے ستاروں کی روشنی گم ہو جائے گی''۔

(میخانہ درد صفحہ 128 مرتبہ سیّد ناصر نذیر فراق)

بایں ہمہ ہر ایک صاحب بصیرت صدائے ربانی بن کر منادی کر سکتا ہے کہ جس طرح حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے خلفاء یعنی انبیاء صرف مجدد اعظم محمد عربی ﷺ کی آسمانی بادشاہت کی منادی کیلئے تشریف لائے تھے۔ اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز سے حضرت سیّد احمد بریلوی شہید بالاکوٹ تک متعدد مجدّدین منصۂ شہود پر آئے۔ ان کی آمد مسیح موعود اور مہدی مسعود کے استقبال کی تیاری کیلئے تھی۔ جیسا کہ حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ (ولادت 513ھ وفات 627ھ) کے درج ذیل اشعار سے خوب واضح ہوتا ہے ؎

صد ہزار آں اولیاء روئے زمیں
از خدا خوہند مہدی را یقیں
یاالٰہی مہدیم از غیب آر
تا جہاںِ عدل گرد و آشکار

(ینابیع المودة جلد 3 صفحہ 141 مؤلفہ حضرت شیخ سلیمان متوفی 1294ھ)

یعنی روئے زمین پر لاکھوں اولیاء خدا تعالیٰ سے یقیناً مہدی کے خواستگار ہیں۔ الٰہی

میرے مہدی کو غیب سے ظاہر فرمادے تا دنیائے عدل منصۂ شہود پر آجائے۔

قادیان سے ہجرت سے قبل منصب مجدّدیت کے متعلق حضرت مصلح موعودؓ نے یہ تصریح فرمائی کہ

''خلیفہ تو خود مجدد ہوتا ہے اور اس کا کام ہی احکام شریعت کو نافذ کرنا اور دین کو قائم کرنا ہوتا ہے۔ پھر اس کی موجودگی میں مجدد کس طرح آسکتا ہے۔ مجدد تو اس وقت آیا کرتا ہے جب دین میں بگاڑ پیدا ہو جائے'' (الفضل 8/ اپریل 1947ء صفحہ 4)

ازاں بعد سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے اپنے روح پرور خطاب (27/ اکتوبر 1968ء) میں مجددیت اور خلافت پر تیز روشنی ڈالی جو ہمیشہ مینارۂ نور ثابت ہوگی۔ حضور نے فرمایا:-

''جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا حضور اس صدی کے مجدد ہی نہیں مجدد الف آخر بھی ہیں۔ لہٰذا اب اس صدی کے سر پر پہلے مجدّدین کی طرح کسی نئے مجدد کی آمد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ حضور کے بعد قائم ہونے والی خلافتِ راشدہ کی ماتحتی میں ہر زمانہ میں تجدید دین کا فریضہ ادا کرنے والے ائمہ وصلحاء پیدا ہوتے چلے جائیں گے اور خلافت راشدہ کی برکت کے طفیل ایسے مجدّدین سے جو خلافت راشدہ کی ماتحتی میں خلافت ائمہ کے مظہر ہوں گے کوئی زمانہ بھی خالی نہیں ہوگا''۔ (''انصار اللہ'' ربوہ۔ فروری 1969ء صفحہ 15)

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (ولادت 1445ء وفات 1505ء) کی مشہور پیشگوئی ہے کہ ''**عیسٰی نبی اللہ ذو الآیات یجددا لدین لھذہ الامۃ ...... بعد لم یبق من مجدد**'' (حجج الکرامہ فی آثار القیامہ 138 مرتبہ نواب صدیق حسن خان اشاعت ذوالحجہ 1291ھ مطابق جنوری 1875ء)۔ یعنی مسیح موعود جو نبی اللہ اور الٰہی نشانات کا مظہر ہوگا اس امت کے دین کی تجدید کرے گا اور اس کے بعد کوئی مجدد نہ ہوگا۔ سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے مندرجہ بالا خطاب میں اسی پیشگوئی کی روح پرور تشریح وتوضیح فرمائی ہے جو قیامت تک مشعل راہ کا کام دے گی۔

چونکہ نظام خلافت ہی سے عالمی سطح پر دین مصطفوی کی تجدید وتمکین دونوں ہی وابستہ ہیں اس لیے آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کو تاکیدی وصیت فرمائی کہ:-

''**فان رئیت یومئذٍ خلیفۃ اللہ فی الارض فالزمہ و ان نھک جسمک واخذ مالک**'' (مسند احمد بن حنبل جلد 5 صفحہ 403) یعنی اس زمانہ میں اگر زمین پر کوئی

خلیفۃ اللہ دیکھو تو اس کی فدائی وشیدائی بن جانا۔خواہ تمہارا جسم لہولہان اور تمہاری جائیداد غارت کردی جائے۔

یہ وہ حقیقی پس منظر تھا جس کی روشنی میں حضرت مصلح موعودؓ نے 22راگست 1947ء کو ہجرت سے صرف نو دن قبل جماعت احمدیہ عالمگیر کو یہ پرشوکت پیغام دیا اور اسے دنیا بھر کی جماعتوں میں وسیع پیمانے پر پھیلانے کی تلقین بھی فرمائی۔

’’خلافت زندہ رہے اور اس کے گرد جان دینے کیلئے ہر مومن آمادہ کھڑا ہو......میں یقین رکھتا ہوں کہ جلد سے جلد اپنے اپنے ملکوں کی طرف توجہ دیں گے اور ہمیشہ خلیفۂ وقت کے جو ایک وقت میں ایک ہی ہوسکتا ہے فرمانبردار رہیں گے اور اس کے حکموں کے مطابق (دین) کی خدمات کریں گے‘‘
(تاریخ احمدیت جلد 10 صفحہ 723)

جب گزر جائیں گے ہم تم پہ پڑے گا سب بار
سُستیاں ترک کرو طالبِ آرام نہ ہو
حشر کے روز نہ کرنا ہمیں رسواء و خراب
پیارو آموختۂ درسِ وفا خام نہ ہو

حفاظت اسلام کا ذریعہ سلسلہ مجدّدین

قرآن شریف خدا کا کلام ہے اور ہمارے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ کا بے مثل معجزہ ہے۔ یہ عظیم الشان کلام کیا بلحاظ مضمون و معانی، کیا بلحاظ فصاحت و بلاغت اور کیا بلحاظ ظاہری و باطنی حسن اپنی مثال آپ ہے اور باوجود مطالبہ کے آج تک کسی بھی پہلو سے اس کی کوئی نظیر پیش نہیں کی جا سکی۔

اس میں شک نہیں کہ گزشتہ الہامی کتابیں بھی خدا کا کلام تھیں مگر آخری شریعت اور کامل تعلیم ہونے کا دعویٰ کسی نے بھی نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ مرور زمانہ سے ان میں بگاڑ پیدا ہو گیا۔ ضروری تھا کہ بنی نوع انسان کی ہدایت کیلئے اس کامل و مکمل آخری والٰہی شریعت کی حفاظت کا دائمی انتظام ہوتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود یہ وعدہ فرمایا کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون۔ ہم نے یہ پاک کلام اتارا ہے اور ہم خود اس کی حفاظت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کی تکمیل اس طرح فرمائی کہ قرآن کی لفظی حفاظت کی خاطر اسے زبانی یاد کرنے والوں کیلئے آسان کر دیا اور ہر زمانہ میں قرآن کے لاکھوں حفاظ پیدا ہوئے جنہوں نے اس پاک کلام کو اپنے دل و سینہ میں محفوظ رکھا۔ پھر قرآن چونکہ عربی زبان میں ہے اور اس کا مفہوم سمجھنے کیلئے غیر عربی لوگوں کو اس کا ترجمہ کرنے کی ضرورت پیش آنی تھی اور تراجم میں غلط فہمی کا امکان تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کی معنوی حفاظت کا بھی انتظام فرمایا۔ جس کا سورۂ نور کی آیت استخلاف میں ذکر ہے۔ یعنی سلسلہ خلافت و مجدّدیت۔ جس کی مزید وضاحت نبی کریمؐ کے ان دو ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر مجدد مبعوث فرماتا رہے گا۔ دوسرے خلافت راشدہ کے انقطاع اور ملوکیت اور ظالم و جابر بادشاہتوں کے ادوار کے بعد پھر خلافت علیٰ منہاج النبوت قائم ہوگی۔ چنانچہ اسلام کی گزشتہ صدیاں گواہ ہیں کہ یہ وعدہ بڑی شان کے ساتھ پورا ہوا اور خلافت راشدہ کے بعد کوئی زمانہ ان مجدّدین امت سے خالی نہیں رہا۔ اور ہر صدی کے سر پر بھی مجدد آتے رہے۔ جو سب اہل اسلام میں مسلّم ہیں۔

خلفاء راشدین کے زمانہ میں جس طرح خود خلیفۂ وقت مجدّ دین کے سرخیل بن کر تجدید و تمکین دین ادا کرتے اور کرواتے رہے اسی طرح چودھویں صدی کے مجدد و مسیح و مہدی کی بعثت اور خلافت علیٰ منہاج النبوت کے دوبارہ قیام کے بعد مجدّدیت کی نہر نے خلافت کے دریا میں ضم ہونا تھا اور سلسلہ مجددیت نے خلافت کے تابع ہوکر کام کرنا تھا۔ جیسا کہ خلافت احمدیہ کے ذریعہ یہ سلسلہ احسن رنگ میں جاری وساری ہے۔ پس مجدّدیت امت کی ہر دور میں تجدیدی خدمات وکارنامے دراصل قرآن کی لفظی ومعنوی حفاظت کی آئینہ دار ہیں۔

اللہ جزاء دے مکرم مولانا نصیر احمد انجم صاحب استاذ جامعہ احمدیہ اور مکرم مولانا صفدر نذیر گولیکی شاہد مربی سلسلہ کو جنہوں نے ان مجدّدین کی طویل فہرست میں سے صدی کے سر پر ظاہر ہونے والے اور معروف مجدّدین کے سوانح وکارنامے اجمالی رنگ میں جمع کر دیئے ہیں۔ جماعت احمدیہ کا ان تمام مجدّدین امت پر ایمان ہے۔ سوال یہ ہے کہ چودھویں صدی کے مجدد اگر حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نہیں ہیں تو پھر وہ کون ہے اور کہاں ہے؟ زیر نظر مقالہ کی دلچسپ تفاصیل کی روشنی میں یہ سوال تمام امت مسلمہ کیلئے غور طلب ضرور ہے؟ اللہ تعالیٰ سنجیدگی سے اس پر سوچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تجدید کیا ہے

عربی لغت کی مشہور کتاب ''المنجد'' میں لکھا ہے

جدّد و اَجَدَّ الشئَ   صَیَّرَہٗ جَدِیْدا

جدّد ثوبًا   لبسه جدیدًا

گویا مجدد کے لغوی معنے کسی چیز کو نیا بنا دینا کے ہیں۔یعنی مجدد وہ ہے جو کسی چیز کے نقائص دور کر کے اس کی گرد صاف کر کے اسے نکھار عطا کر کے نیا بنا دے۔

اصطلاحی معنے

اسلامی اصطلاح میں مجدد سے مراد ایسا شخص ہے جو اسلام کو غلط تشریحات و تصورات سے چھانٹ کر الگ کرے۔صدی کے دوران پیدا شدہ غلطیوں اور بدعات کی اصلاح کرے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام مجدد کا مطلب واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ہر ایک صدی کے سر پر وہ ایسے شخص کو مبعوث کرے گا جو دین کو تازہ کرے گا اور اس کی کمزوریوں کو دور کر کے پھر اپنی اصلی طاقت اور قوت پر اسے لے آئے گا''۔ ۳؎

اسی طرح فرماتے ہیں:۔

''خلیفہ کے لفظ کو اشارہ کیلئے اختیار کیا گیا ہے کہ وہ نبی کے جانشین ہوں گے اور اس کی برکتوں میں سے حصہ پائیں گے۔جیسا کہ پہلے زمانوں میں ہوتا رہا اور ان کے ہاتھ سے برجائی دین کی ہوگی اور خوف کے بعد امن پیدا ہوگا۔یعنی ایسے وقتوں میں آئیں گے جب اسلام میں تفرقہ پڑا ہوگا''۔ ۴؎

(یہاں سوال ہوسکتا ہے کہ بحث مجدد کی اور معانی خلیفہ کے ہیں۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور نے مجدد، محدث اور خلیفہ کو ہم معنی مفہوم میں استعمال کیا ہے۔اس کیلئے شہادت القرآن صفحہ 44 کا مطالعہ کریں)۔

اسی طرح حضورؓ فرماتے ہیں:-

''مجدد وقت ان قوتوں اور مَلکوں اور کمالات کے ساتھ آتا ہے جو موجودہ مفاسد کا اصلاح پانا ان کے کمالات پر موقوف ہوتا ہے''۔ ۵

پھر فرمایا:-

''خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں اور رسول کا جانشین حقیقی معنوں کے لحاظ سے وہی ہوسکتا ہے جو ظلی طور پر رسول کے کمالات اپنے اندر رکھتا ہو۔ اس واسطے رسول کریم نے نہ چاہا کہ ظالم بادشاہوں پر خلیفہ کا لفظ اطلاق پائے کیونکہ خلیفہ درحقیقت رسول کا ظل ہوتا ہے''۔ ۶

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ تفہیمات الٰہیہ میں فرماتے ہیں:-

ترجمہ: ہر نبی کی امت میں مجدد کا ظہور ضروری ہوتا ہے جو نبی کے دین کو فرقہ بندی پیدا کرنے والوں کے انتشار سے پاک کرے اور ایسا مجدد محدث ہوتا ہے جسے سکینت (وحی، الہام۔ ناقل) کا لباس عطا ہوتا ہے اور وہ وجوب. تحریم، کراہت، سنت اور اباحت کو اپنی اپنی جگہ پر رکھتا ہے اور احادیث موضوعہ، لوگوں کے قیاسات اور ہر قسم کے افراط وتفریط سے شریعت کو منزہ کرتا ہے۔ واضح رہے کہ فقیہہ مجدد نہیں ہوتا اور اگر وہ مجدد اس نبی کا وصی ہو تو اس کے وجود پر مجدّدیت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ۷

حضرت المصلح الموعودؓ مجدد کی تعریف یوں فرماتے ہیں:-

''ہر شخص جو الہام کے ساتھ تجدید دین کا کام کرتا ہے وہ روحانی مجدد ہے۔ ہر شخص جو اسلام اور مسلمانوں کیلئے تجدید کا کوئی کام کرتا ہے وہ مجدد ہے چاہے وہ روحانی مجدد نہ ہو۔ حضرت مسیح موعودؑ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ اورنگ زیب بھی مجدد تھا حالانکہ اورنگ زیب کو خود الہام کا دعویٰ نہیں تھا''۔ ۸

علامہ علقمی تجدید کے معنے یہ بیان کرتے ہیں:-

''قال العلقمی معنی التجدید احیاء ما اندرس من العمل بالکتاب والسنة والامر بمتضاهما واعلم ان المجدد انما هو بغلبة الظن بقرائن احواله والانتفاع بعلمهٖ''۔ ۹

علقمی کہتے ہیں کہ تجدید کے معنے کتاب اللہ اور سنت رسول میں سے جو مٹ گیا ہے اس کو

زندہ کرنے اوران دونوں کے تقاضوں کے مطابق حکم دینا ہیں اور جان لے کہ مجدد ظن غالب کے طور پراپنے حالات وقرائن اورعلم کی نفع رسانی سے پہچانا جاتا ہے۔

نواب صدیق حسن خانصاحب لکھتے ہیں:۔

یعنی میفرسد خدائے تعالیٰ برائے این امت برسر ہر صد سال کسیکہ تازہ میکند برائے امت دین اور مراد بتجدید دین احیاءِ عمل بکتاب وسنت وامر بمقتضائے ایں ہر دو امت کہ مندرس شدہ‘‘۔[10]

یعنی خدا فرماتا ہے کہ اس امت کے واسطے ہر صدی کے سر پر کسی شخص کو دین تازہ کرنے کیلئے بھیجے گا۔تجدید دین سے مراد کتاب اللہ اور سنت کے عمل کا احیاء اوران دونوں کے تقاضے کے مطابق امر کرنا جو کہ مٹ چکے تھے۔

سیّدابوالاعلیٰ مودودی کہتے ہیں:۔

’’مجدد نبی نہیں ہوتا مگر اپنے مزاج میں مزاجِ نبوت سے بہت قریب ہوتا ہے۔نہایت صاف دماغ، حقیقت رس نظر، ہر قسم کی کجی سے پاک۔۔۔اپنے ماحول اور صدیوں کے جمے ہوئے امور، رچے ہوئے تعصّبات سے آزاد ہو کر سوچنے کی قوت، زمانہ کی بگڑی ہوئی رفتار سے لڑنے کی طاقت و جرأت، قیادت و رہنمائی کی پیدائشی صلاحیت، اجتہاد و تعمیر نو کی غیر معمولی اہلیت اور ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ اسلام میں شرح صدر ...... یہ وہ خصوصیات ہیں جن کے بغیر کوئی شخص مجدد نہیں ہوسکتا اور یہی وہ چیزیں ہیں جو ان سے بہت زیادہ بڑے پیمانے پر نبی میں ہوتی ہیں‘‘۔[11]

تجدید دین سے مراد

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:۔

’’تجدید کے یہ معنے نہیں کہ کم یا زیادہ کیا جائے اس کا نام تو نسخ ہے بلکہ تجدید کے یہ معنی ہیں کہ جو عقائد حقہ میں فتور آ گیا ہے اور طرح طرح کے زوائد ان کے ساتھ لگ گئے ہیں یا جو اعمال صالحہ کے ادا کرنے میں سستی وقوع میں آ گئی ہے یا جو وصول اور سلوک الی اللہ کی

طرق اور قواعد محفوظ نہیں رہے ان کو مجدداً تاکیداً بالاصل بیان کیا جائے۔**و قال الله تعالیٰ اعلموا ان الله یحی الارض بعد موتھا** ۔یعنی عادت اللہ اسی پر جاری ہے کہ دل مرجاتے ہیں اور محبت الٰہیہ دلوں سے ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور ذوق اور شوق اور حضور اور خضوع نمازوں میں نہیں رہتا اور اکثر لوگ رُوبہ دنیا ہو جاتے ہیں اور علماء میں نفسانیت اور فقراء میں عجب اور پست ہمتی اور انواع اقسام کی بدعات پیدا ہو جاتی ہیں۔تو ایسے زمانہ میں خدا تعالیٰ صاحب قوت قدسیہ پیدا کرتا ہے اور وہ حجۃ اللہ ہوتا ہے اور بہتوں کے دلوں کو خدا کی طرف کھینچتا ہے اور بہتوں پر اتمام حجت کرتا ہے۔ یہ وسوسہ بالکل نکمّا ہے کہ قرآن شریف و احادیث موجود ہیں پھر مجدد کی کیا ضرورت ہے۔ یہ انہی لوگوں کے خیالات ہیں جنہوں نے کبھی غمخواری سے اپنے ایمان کی طرف نظر نہیں کی۔ اپنی حالت اسلامیہ کو نہیں جانچا۔اپنے یقین کا اندازہ معلوم نہیں کیا بلکہ اتفاقاً مسلمانوں کے گھر پیدا ہوگئے اور پھر رسم و عادات کے طور پر **لاالہ الا اللّٰہ** کہتے رہے۔حقیقی یقین اور ایمان بجز صحبت صادقین میسّر نہیں آتا۔ قرآن شریف تو اس وقت بھی ہوگا جب قیامت آئے گی مگر وہ صدیق لوگ نہیں ہوں گے جو کہ قرآن شریف کو سمجھتے تھے اور اپنی قوت قدسی سے مستعدین پر اس کا اثر ڈالتے تھے **لایمسہ الا المطھرون** ۔پس قیامت کا وجود مانع صرف صدیقوں کا وجود ہے۔قرآن شریف خدا کی رُوحانی کتاب ہے اور صدیقوں کا وجود خدا کی ایک مجسّم کتاب ہے۔ جب تک یہ دونوں نمایاں انوار ایمانی ظاہر نہیں ہوتے تب تک انسان خدا تک نہیں پہنچتا۔ **فتدبروا و تفکروا** ۔(حیات احمد جلد دوم نمبر سوم۔صفحہ 8-9)

مجدد کب پیدا ہوتے ہیں

فرمایا: یعنی عادت اللہ اسی طرح پر جاری ہوتے ہیں کہ جب دل مرجاتے ہیں اور محبت اللہ دلوں سے ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور ذوق او رشوق اور حضور اور خضوع نمازوں میں نہیں رہتا۔اور اکثر لوگ رو بدنیا ہو جاتے ہیں اور علماء میں نفسانیت اور فقراء میں عجب اور پست ہمتی اور انواع واقسام کی بدعات پیدا ہو جاتی ہیں تو ایسے زمانہ میں خدا تعالیٰ صاحب قوت قدسیہ کو پیدا کرتا ہے اور وہ حجت اللہ ہوتا ہے اور بہتوں کے دلوں کو خدا تعالیٰ کی طرف کھینچتا

ہے اور بہتوں پر اتمام حجت کرتا ہے‘‘۔ ١٢؎

مجدّدین کے آنے کا ثبوت قرآن وحدیث سے

جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ تجدید ہر شے کیلئے ضروری ہے۔ اُمت محمدیہ چونکہ قیامت تک ہے اور اس کا تعلق بھی ہر قوم سے ہونا تھا اس لئے لازم تھا کہ اس میں بھی تغیر وانقلاب ضرور ہو۔ اس مکان وزماں کی تبدیلیوں سے عہدہ برآ ہونے کیلئے خدائے ذوالعرش نے امت محمدیہ کیلئے دو انتظام فرمائے ہیں۔ ایک طرف تو ہادی عالم کے ہاتھ میں وہ شریعت غرّا دی جس کی ضیا پاشیاں قیامت تک ممتد ہیں اور دوسری طرف مجدّدین کا سلسلہ شروع کر دیا اور ہر صدی پر ایسے افراد آتے رہے جو اس شمع نور کے امین بنے رہے۔ انہوں نے قرآن کی لو کی حفاظت کی اور اسے بلند تر اور روشن تر کیا۔ ظلمتیں کافور ہوئیں اور نور جلوہ فگن ہوا۔ قرآن مجید نے جابجا ارشاد فرمایا کہ امت میں روحانی خلیفے اور مجدّدین آتے رہیں گے۔ چنانچہ سورہ نور میں فرمایا **وعداللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلکم .... ومن کفر بعد ذلک فاولئک ھم الفاسقون** O ١٣؎

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:-

’’باطنی طور پر ان آیات میں خلافتِ روحانی کی طرف بھی اشارہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک خوف کی حالت میں کہ جب محبت الٰہیہ دلوں سے اُٹھ جائے اور مذاہب فاسدہ ہر طرف پھیل جائیں اور لوگ رو بہ دنیا ہو جائیں اور دین کے گم ہونے کا اندیشہ ہو تو ہمیشہ ایسے وقتوں میں خدا روحانی خلیفوں کو پیدا کرتا رہے گا کہ جن کے ہاتھ پر روحانی طور پر نصرت وفتح دین کی ظاہر ہو اور حق کی عزت اور باطل کی ذلت ہو۔ تا ہمیشہ دین اپنی اصلی تازگی پر عود کرتا رہے اور ایماندار ضلالت کے پھیل جانے اور دین کے مفقود ہو جانے کا اندیشہ سے امن کی حالت میں آجائیں‘‘۔ ١٤؎

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون** ۔ ١٥؎

اس میں اللہ تعالیٰ نے حفاظت قرآن کا وعدہ فرمایا ہے اور حفاظت خدا نے دو طرح فرمائی۔ لفظی حفاظت تو قرآن کو تغیر وتبدل سے بچا کر اور حفاظ کے ذریعہ ہوئی جبکہ معنوی حفاظت مجدّدین کے ذریعے

ہوئی اوران خلفاء کے ذریعے ہوئی جن کا سورہ نور میں وعدہ تھا۔اس آیت کی تشریح میں حضرت مسیح موعودعلیہ السلام فرماتے ہیں:-

’’وکذالک قال فی ایة اخری لقوم یسترشدون انا نحن نزلناالذکر وانا له لحفظون. فامعنوا فیه ان کنتم تفکرون فهذه اشارة الی بعث مجدد فی زمان مفسد کما یعلمه العاقلون ؎۱۶۔اسی طرح دوسری آیت میں ہدایت طلب کرنے والی قوم کوفرمایاانا نحن ... **لحفظون** ۔اگرتم سوچ سکتے ہوتو غورکروکہ اس میں ایک فساد کے زمانہ میں ایک مجدد بھیجنے کی طرف اشارہ ہے۔جیسا کہ عقلمندلوگ جانتے ہیں‘‘۔

حفاظت قرآن کس طرح ہوگی۔اس کی تشریح خدانے اس آیت میں کی ہے۔

انا انزلنا التورا ة فیها هدی و نور یحکم بها النبیون الذین اسلمو للذین هادو والربانیون والاحبار بما استحفظوا من کتاب الله و کانوا علیه شهداء ...... ؎۱۷

ترجمہ: بیشک ہم نے توراۃ نازل فرمائی جس میں ہدایت اورروشنی ہے اسی کے مطابق انبیاء جو (خدا کے) فرمانبردار تھے یہودیوں کوحکم دیتے رہے اور مشائخ اور علماء بھی کیونکہ وہ کتابِ خدا کے نگہبان مقررکئے گئے تھےاوراس پرگواہ تھے............۔

یہاں تین قسم کے افراد کے ذریعےتوراۃ کی حفاظت کا ذکر ہے۔

۱۔نبی ۲۔ربانی علماء ۳۔احبار

اورربانی علماء سے مرادخلفاء ومجدّدین ہیں اور چونکہ سورہ نور میں یہ وعدہ تھا کہ امت محمدیہ میں بھی بنی اسرائیل کی مانند خلیفے آئیں گے جو کتاب اللہ کی حفاظت اور دین کی تمکنت کریں گے۔پس ثابت ہوا کہ امت محمدیہ میں بھی سلسلہ مجدّدین جاری ہوگا۔فھو المراد

اِسی طرح نبی کریم ﷺ نے بھی امت محمدیہ کوپیش آمدہ فتنوں کے مقابل پرمجدّدین کے آنے کی اطلاع دی ہے۔چنانچہ جامع ترمذی میں حدیث ہے:-

عن ثوبان قال قال رسول الله ﷺ انما اخاف علی امتی الائمة المُضلین قال قال رسول الله ﷺ لا تزال طائفة من امتی علی الحق ظاهرین لا یضرهم من خذلهم حتی یاتی امرالله‘‘۔ ؎۱۸

حضرت ثوبان راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنی امت کیلئے گمراہ کرنے

والے آئمہ سے ڈرتا ہوں۔ حضورﷺ نے فرمایا کہ ہمیشہ میری امت کا ایک گروہ ایسا پیدا ہوتا رہے گا جو حق پر غالب رہیں گے جو ان کو چھوڑ دے گا انہیں کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا۔ (اس طرح رہے گا) یہاں تک کہ اللہ کا امر آ پہنچے۔

اس حدیث میں حضرت رسول مقبولﷺ نے ایک طرف تو ایسے ’’اماموں‘‘ کی خبر دی ہے جو لوگوں کو گمراہ کریں گے اور دوسری طرف امت کی کشتی کو مخالفت کے طوفان سے بچانے والے مجدّدین کی خوشخبری سنائی ہے۔

ہر زمانہ میں مصلح آتے ہیں

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:۔

’’ہم یقینی اور قطعی طور پر ہر ایک طالبِ حق کو ثبوت دے سکتے ہیں کہ ہمارے سیّد و مولا آنحضرتﷺ کے زمانہ سے آج تک ہر ایک صدی میں ایسے باخدا لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ غیر قوموں کو نشان دکھلا کر ان کو ہدایت دیتا رہا ہے جیسا کہ سیّد عبدالقادر جیلانیؒ اور ابوالحسن خرقانیؒ اور بایزید بسطامیؒ اور جنید بغدادیؒ اور محی الدین ابن عربیؒ اور ذوالنون مصریؒ معین الدین چشتیؒ اجمیری اور قطب الدین بختیار کاکیؒ اور فرید الدین پاک پٹنی اور نظام الدین دہلوی اور شاہ ولی اللہ دہلوی اور شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ اسلام میں گزرے ہیں اور ان لوگوں کا ہزار ہا تک عدد پہنچا ہے اور اس قدر ان لوگوں کے خوارق علماء و فضلاء کی کتابوں میں منقول ہیں کہ ایک متعصب کو باوجود سخت تعصب کے آخر ماننا پڑتا ہے کہ یہ لوگ صاحب خوارق کرامات تھے‘‘۔ [۱۹]

مجدّدین موسوی کے بعد مجدّدین محمدی کی ضرورت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

’’اور اجماع سنت جماعت بھی اسی پر ہے کیونکہ کوئی مومن نہیں کہ جو حدیث محمد مصطفیؐ سے روگرداں ہوسکتا ہے اور قیاس اس کو چاہتا ہے کیونکہ جس حالت میں خدا تعالیٰ شریعت موسوی کی تجدید ہزار ہا نبیوں کے ذریعے سے کرتا رہا ہے اور گو وہ صاحب کتاب نہ تھے مگر

مجدّدِ شریعت موسوی تھے اور یہ امت خیر الامم ہے۔ **قال اللہ تعالیٰ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس**۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ اس امت کو خدا تعالیٰ بالکل گوشہ خاطر عاطر سے فراموش کردے اور باوجود صدہا خرابیوں کے کہ جو مسلمانوں کی حالت پر غالب ہو گئی ہیں اور اسلام پر بیرونی طور پر حملے ہو رہے ہیں نظر اُٹھا کر نہ دیکھے جو کچھ آج اسلام کی حالت خفیف ہو رہی ہے۔ کسی عاقل پر مخفی نہیں یعنی تعلیم یافتہ عقائد حقہ سے دستبردار ہوتے جاتے ہیں۔ پرانے مسلمانوں میں صرف یہودیوں کی طرح ظاہر پرستی یا قبر پرستی رہ گئی ہے۔ ٹھیک ٹھیک رو بخدا کتنے ہیں کہاں ہیں اور کدھر ہیں؟'' [20]

مزید فرمایا:-

''یہ وسوسہ بالکل نکما ہے کہ قرآن شریف اور احادیث موجود ہیں پھر مجدد کی کیا ضرورت ہے۔ یہ انہی لوگوں کے خیالات ہیں جنہوں نے کبھی غم خواری سے ایمان کی طرف نظر نہیں کی۔ اپنی حالت اسلامیہ کو نہیں جانچا۔ اپنے یقین کا اندازہ معلوم نہیں کیا بلکہ اتفاقاً مسلمانوں کے گھر پیدا ہو گئے اور پھر رسم اور عادت کے طور پر لا الہ الا اللہ کہتے رہے۔ حقیقی یقین اور ایمان بجز صحبت صادقین میسر نہیں آتا۔ قرآن شریف تو اس وقت بھی ہوگا جب قیامت آئے گی مگر وہ صدیق لوگ نہیں ہوں گے کہ جو قرآن شریف کو سمجھتے تھے اور اپنی قوت قدسی سے مستعدین پر اس کا اثر ڈالتے تھے۔ **ولا یمسہ الا المطھرون**۔

پس قیامت کے وجود کا مانع صرف صدیقوں کا وجود ہے۔ قرآن شریف خدا تعالیٰ کی روحانی کتاب ہے اور صدیقوں کا وجود خدا کی ایک مجسم کتاب ہے۔ جب تک یہ دونوں نمایاں انوار ایمانی ظاہر نہیں ہوتے تب تک انسان خدا تک نہیں پہنچتا۔ **فتدبروا و تفکروا**''۔ [21]

ضرورت مجدّدین

ایک سوال ذہنوں میں یہ اُبھرتا ہے کہ جب شریعت مکمل ہے تو کسی مصلح یا مجدد کی کیا ضرورت ہے۔ قرآن بلا تغیر و تبدل ہمارے پاس ہے کیا اس کے ذریعہ اصلاح نہیں ہو سکتی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ کتاب ہمارے پاس مکمل اور محفوظ حالت میں موجود ہے لیکن اس کے باوجود ایسے

افراد کی ضرورت ہے جو نائب الرسول ہوں۔ قرآنی اسرار ان پر کھلیں اور وہ عوام الناس تک پہنچائیں۔ ان کے عملی نمونہ کے ذریعہ اصلاح ہو۔ ویسے بھی تجدید اور تغیر تو فطرت میں ہے۔ دنیا کی ہر شے کسی نہ کسی رنگ میں تبدیلی کے عمل سے گزر رہی ہے۔ اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

''تجدید کا قانون یہ روزہ مرہ دیکھتے ہیں۔ ایک ہفتہ کے کپڑے بھی میلے ہو جاتے ہیں اور ان کے دھلانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن کیا پوری صدی گزر جانے کے بعد بھی مجدد کی ضرورت نہیں ہوتی؟ ہوتی ہے اور ضرور ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد اصلاح خلق کیلئے آتا ہے کیونکہ صدی کے اس درمیانی حصے میں بہت سی غلطیاں اور بدعتیں دین میں شامل کر لی جاتی ہیں اور خدا تعالیٰ کبھی پسند نہیں فرماتا کہ اس کے پاک دین میں خرابی رہ جائے اس لئے وہ ان کی اصلاح کی خاطر مجدد بھیجتا ہے''۔ ۲۲

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے ؓ نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ''تبلیغِ ہدایت'' میں ضرورت مجدّدین پر تفصیلی بحث فرمائی ہے۔ جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ حضرت مرزا صاحب اس سوال کا جواب کہ شریعت مکمل ہے کیا خود اصلاح نہیں ہو سکتی اور کسی مصلح کی کیا ضرورت ہے، دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-

۱۔ ہمارا مشاہدہ اس کے خلاف ہے۔ باوجود اکمل تعلیم کے مسلمان پستی کی طرف جا رہے ہیں اور تاریخ عالم میں ایک مثال بھی ایسی نہیں کہ کوئی قوم مذہباً گر کر پھر خود اُٹھی ہو۔

۲۔ خدا کی سنت یہی ہے کہ جب ظلمت بڑھ جائے تو خدا کی طرف سے اصلاح کرنے کیلئے کوئی آیا کرتا ہے جس طرح موسیٰ کی امت میں توراۃ مکمل ہونے کے باوجود مصلحین آتے رہے۔ فرمایا **وقفينا من بعده بالرسل**۔ ۲۳

۳۔ تعلیم تو بیشک مکمل ہے لیکن اگر مکمل تعلیم پر لوگوں کی حاشیہ آرائی چڑھ جائے تو پھر وہ کیسے اصلاح کر سکتی ہے۔ یہ تعلیم بیشک ایک جوہر دار تلوار کی مانند ہے لیکن اس کا دھنی بھی کوئی ہونا چاہئے۔

۴۔ کوئی بھی تعلیم ہو جب تک اس کے ہمراہ زندہ نمونے نہ ہوں وہ ناقص رہتی ہے۔

۵۔ ایمان کا درخت ایسا ہے کہ اگر اسے بار بار تازہ نشانات سے سیراب نہ کیا جائے تو یہ

''ہے'' کی مستحکم چٹان سے ''ہونا چاہئے'' کی پرخطر وادیوں میں چلا جاتا ہے۔اس لئے ایسے افراد کی ضرورت ہے جن کے ہاتھ پر نشانات ظاہر ہوں۔

۶۔ ظاہری اصلاح تو ہر کوئی کرسکتا ہے لیکن یہ مکمل مفید نہیں ہوتی کیونکہ روحانی امور میں اصلاح وہی کرسکتا ہے جو خدا کی طرف سے ہو اور مرد کامل ہو۔

۷۔ آنحضرت ﷺ کا فرمانا کہ مجدّدین آئیں گے خود اس ضرورت کو ثابت کررہا ہے۔

۸۔ گزشتہ صدیوں میں ایسے وجودوں کا آنا بھی اس اہم کام کی ضرورت کو عملاً ثابت کررہا ہے۔ ۲۴

دوران صدی جو فتنے پیدا کئے جاتے ہیں اسلام کا چہرہ گردوغبار میں چھپ جاتا ہے تو اس کو نئی شان اور خوبصورتی عطا کرنے کیلئے مجدّدین کا آنا ضروری ہے۔اسی پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''ہم کب کہتے ہیں کہ مجدد اور محدث دنیا میں آکر دین میں سے کچھ کم یا زیادہ کرتے ہیں بلکہ ہمارا تو یہ قول ہے کہ ایک زمانہ گزرنے کے بعد جب پاک تعلیم پر خیالاتِ فاسدہ کا ایک غبار پڑ جاتا ہے اور حقِ خالص کا چہرہ چھپ جاتا ہے۔تب اس خوبصورت چہرہ کو دکھلانے کیلئے مجدد اور محدث اور روحانی خلیفے آتے ہیں۔نہ معلوم کہ بیچارے معترض نے کہاں سے اور کس سے سن لیا کہ مجدد اور روحانی خلیفے دنیا میں آکر دین میں کچھ ترمیم و تنسیخ کرتے ہیں۔نہیں وہ دین کو منسوخ کرنے کیلئے نہیں آتے بلکہ دین کی چمک اور روشنی دکھانے کو آتے ہیں۔اور معترض کا یہ خیال کہ ان کی ضرورت ہی کیا ہے صرف اس وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ معترض کو اپنے دین کی پرواہ نہیں اور کبھی اس نے غور نہیں کیا کہ اسلام کیا چیز ہے اور اسلام کی ترقی کس کو کہتے ہیں اور حقیقی ترقی کیونکر اور کن راہوں سے ہوسکتی ہے اور کس حالت میں کس کو کہا جاتا ہے کہ وہ حقیقی طور پر مسلمان ہے۔یہی وجہ ہے کہ معترض صاحب اس بات کو کافی سمجھتے ہیں کہ قرآن موجود ہے اور علماء موجود ہیں اور خود بخود اکثر لوگوں کے دلوں میں اسلام کی طرف حرکت ہے پھر کسی مجدد کی کیا ضرورت ہے۔لیکن افسوس کہ معترض کو یہ سمجھ نہیں کہ مجددوں اور روحانی خلیفوں کی اس امت میں ایسے ہی طور سے ضرورت ہے جیسا کہ قدیم سے انبیاء کی ضرورت پیش

آتی رہی ہے۔اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی مرسل تھے اوران کی توراۃ بنی اسرائیل کی تعلیم کیلئے کامل تھی اور جس طرح قرآن کریم میں یہ آیت **الیوم اکملت لکم** ہےاسی طرح توراۃ میں بھی آیات ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو ایک کامل اور جلالی کتاب دی گئی ہے جس کا نام توریت ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں بھی توریت کی یہی تعریف ہے۔لیکن باوجود اس کے بعد توریت کے صدہا ایسے نبی بنی اسرائیل میں آئے کہ کوئی نئی کتاب ان کے ساتھ نہیں تھی بلکہ ان انبیاء کے ظہور کے مطالب یہ ہوتے تھے کہ تا ان کے موجودہ زمانہ میں جو لوگ تعلیم توریت سے دور پڑ گئے ہوں پھر ان کو توریت کے اصلی منشاء کی طرف کھینچیں اور جن کے دلوں میں کچھ شکوک اور دہریت اور بے ایمانی ہوگئی ہو ان کو پھر زندہ ایمان بخشیں۔ چنانچہ اللہ جل شانہٗ خود قرآن کریم میں فرماتا ہے **ولقد اتینا موسی الکتب وقفینا من بعدہ بالرسل** ......اسی طرح دوسری جگہ فرماتا ہے **ثم ارسلنا رسلنا تترا**......پس ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ عادت اللہ یہی ہے کہ وہ اپنی کتاب بھیج کر پھر اس کی تائید اور تصدیق کیلئے ضرور انبیاء بھیجا کرتا ہے“۔ ۲۵

دین کی تازگی کیلئے مجدّدین کی ضرورت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:-

”رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اسلام میں ہر صدی پر ایک ایسا نمونہ آتا رہے گا آپ فرماتے ہیں **ان اللہ یبعث لھذہ الامة علی رأس کل مائة سنةٍ من یجدد لھا دینھا** ۔اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر صدی کے سر پر ایسے شخص بھیجتا رہے گا جو دین کو نیا کرتے رہیں گے۔یعنی جو تعلیمات باطل انسانوں کی طرف سے شامل ہوتی رہیں گی ان کو دور کرتے رہیں گے۔ چنانچہ ایسے مجدّدین اسلام میں ہمیشہ ہوتے رہے ہیں......

اگر غور کیا جائے تو اصل میں یہی ذریعہ سب سے اعلیٰ اور اکمل ہے اور دوسرے ذرائع اس کے مد اور معاون تو ہو سکتے ہیں مگر اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتے کیونکہ اس کا اثر قطعی اور یقینی ہے اور ان کے اثرات بوجہ اس کے کہ ان کو استعمال کرنے میں ایسے لوگوں کو دخل ہے جو خود کامل استاد نہیں غلطی کا احتمال ہے۔ مگر چونکہ اس ذریعہ کا مہیا کرنا انسان کے اپنے

اختیار میں نہیں ہے اسلام نے اور ذرائع بھی بیان کئے ہیں جن سے اعلیٰ اخلاق پیدا کیے جاسکتے ہیں‘‘۔ ۲۶

خداتعالیٰ کی صفت کلیم کا ثبوت مجدّدین کی آمد سے ملتا ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:-

’’یاد رکھنا چاہئے کہ الہام ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے کہ ہر ایک زمانہ کے لوگوں کا دل تسلی پاسکتا ہے۔اگر کسی زمانہ میں الہام ہوتا تھا تو آج کیوں نہیں ہوتا۔کیا خدا پچھلے زمانہ میں بولتا تھا اور اب نہیں بولتا۔کیا وہ کسی زمانہ میں سنتا تھا اور اب نہیں سنتا۔وہ کیا بات ہے جس کی وجہ سے وہ اب نہیں بولتا؟ ایک طالبِ حق جو کہ دن رات اٹھتے بیٹھتے خداتعالیٰ کی محبت ہی میں محو رہتا ہے اس کیلئے یہ کیسی کمر توڑ دینے والی بات ہے کہ خدا نے کسی زمانہ میں کلام کیا تھا مگر وہ اب کسی سے کلام نہیں کرسکتا۔آخر اس کیلئے کوئی وجہ ہونی چاہئے تھی۔جب بولنا خدا کی صفت ہے تو کیا خدا کی صفات معطل ہوجایا کرتی ہیں؟ اگر معطل ہوجاتی ہیں تو خدا قادر مطلق اور ازلی ابدی کیونکر ہوسکتا ہے۔اگر معطل نہیں ہوتیں تو اب وہ کیوں نہیں بولتا؟ یہ سوالات ہیں جو کہ ایک محقق کے دماغ میں فوراً گونج اُٹھتے ہیں جبکہ وہ یہ عقیدہ سنتا ہے اور اس کا جواب کوئی اور مذہب سوائے خاموشی کے اور کچھ نہیں دیتا مگر اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو کہ اس کا دندان شکن جواب دیتا ہے۔وہ کہتا ہے کہ جو لوگ سلسلہ الہام کو منقطع خیال کرتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔اس لئے یہ سوال ہی لغو ہے۔خدا بولتا تھا اور اب بھی بولتا ہے۔چونکہ یہ اس کی صفت ہے کہ وہ بولتا ہے اس لئے یہ معطل نہیں ہوسکتی اور یہ اسلام کا دعویٰ ہی نہیں بلکہ اس کا عملی ثبوت بھی وہ دیتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر زمانہ میں مسلمانوں میں ایسے آدمی موجود رہتے ہیں جو الہام الٰہی سے مستفیض ہوتے ہیں اور ہر صدی کے سر پر ایک مجدد ہوتا ہے جو الہام کے جھٹلانے والوں کے ردّ میں ایک زندہ دلیل ہوتا ہے اور اس بات کے ثبوت کیلئے کہ آیا کسی شخص کو واقعی الہام ہوتا ہے یا نہیں خداتعالیٰ نے یہ

علامت رکھی ہے کہ ایسا شخص غیب کی خبریں بتاتا ہے اور وہ پوری ہوتی ہیں‘‘۔ ۲۷

مجدّدین کے ذریعہ زندہ خدا کا ظہور

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:۔

’’اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جس طرح رسول کریم ﷺ کے ذریعہ ایک زندہ خدا لوگوں کو نظر آیا ہے اسی طرح ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ کے ذریعہ بھی لوگوں کو ایک زندہ خدا نظر آتا تھا۔ اور پھر ویسا ہی زندہ خدا حضرت حسن بصریؒ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت محی الدین ابن عربیؒ، حضرت شہاب الدین سہروردیؒ، حضرت معین الدین چشتیؒ اور سیّد عبدالقادر جیلانیؒ وغیرہ کے ذریعہ نظر آتا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اسلام کے زندگی بخش اثرات کو برابر قائم رکھا اور اس طرح رسول کریم ﷺ کے فیضان کی زندگی جاری رہی‘‘۔ ۲۸

حدیثِ مجدّدین

سنن ابوداؤد میں ہے ’’**حدثنا سليمان ابن داؤد المهدی اخبرنا ابن وهب اخبرنی سعيد ابن ابی ايوب عن شراجيل بن يزيد المعافری عن ابی علقمة عن ابی هريرة رضی الله عنهم فيما اعلم من رسول الله ﷺ قال ان الله يبعث لهذه الامة علی رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها**‘‘۔ ۲۹

......حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ان باتوں میں سے جو میں نے حضور ﷺ سے سیکھیں ایک یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اس امت (کی اصلاح) کیلئے ہر صدی کے سر پر ایسا شخص بھیجے گا جو اس اُمت کے دین کی تجدید کرے گا۔

صحتِ حدیث

محدثین نے اس حدیث کے صحیح ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ چنانچہ مرقاۃ الصعود (شرح ابن داؤد)

میں اسی حدیث کے تحت لکھا ہے۔ **ھذا الحدیث اتفق الحفاظ علی الصحیح منھم الحاکم فی المستدرک والبیھقی فی المدخل** ۔کہ اس حدیث کے صحیح ہونے پر جن حفاظ میں اتفاق کیا ہے ان میں سے حاکم (مستدرک میں) اور بیہقی (مدخل میں) ہیں۔

اسی طرح تنبیہہ میں جلال الدین سیوطیؒ نے لکھا **اتفق الحفاظ علی صحتہ** ۔حفاظ نے اس حدیث کی صحت پر اتفاق کیا ہے۔

رسول کریم ﷺ کی یہ عظیم الشان پیشگوئی پوری ہوئی اور ہر صدی کے سر پر مجدّدین آتے رہے۔ دراصل یہ حدیث قرآن کریم کی آیت **انا نحن** ......کی شرح ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا ہے۔ ۳۰

اسلام کی میراث یہی طائفہ ہے جس نے جہالت اور مادیت کا مقابلہ کیا۔ امت میں ایمانی روح پیدا کی اور قرآن جیسی لازوال ثروت کی حفاظت کی۔ اس آب زلال کے چشمے رواں دواں کیے۔ نئے فلسفوں کا ابطال کیا۔ علوم حدیث وفقہ کی تدوین کا کام انجام دیا، اجتہاد کا دروازہ کھولا، امت کو شریعت کا گمشدہ خزانہ اور معاشرے کا منظّم قانون یاد دلایا۔ معاشرے میں احتساب کا فرض ادا کیا۔ انحراف اور کج روی پر مکمل تنقید کی۔ صحیح حقیقی اسلام کی برملا دعوت دی جس نے شکوک وشبہات کے پردے چاک کر دیے۔ اضطراب کے زمانے میں علمی طرزِ استدلال اختیار کر کے دماغوں کو اطمینان بخشا، دعوت وتذکیر وانذار وتبشیر میں انبیاء کی روش اختیار کی۔ ایمان وعمل کی دبی ہوئی چنگاریوں کو شعلہ جوالہ کی حرارت وتمازت بخشی جس نے مادہ پرستی کے تندوتیز دھارے کی بلاخیزی کم کی۔ اپنی دعوت اور دامِ محبت سے اس دشمن کو شکار کیا جو زُمہ شمشیر اور نوکِ خنجر سے زیر نہ ہو سکا۔ اس طائفہ میں ہر شخص اسلام کی کسی نہ کسی سرحد کا محافظ اور نگہبان تھا۔

حدیث کا مطلب اور حکمت

نواب صدیق حسن خانصاحب لکھتے ہیں کہ:-

اس حدیث سے غرض یہ ہے کہ کوئی صدی مجدد سے خالی نہیں ہوگی اور عملاً بھی ہر صدی کے اوّل وآخر اور وسط میں مجدّدین کے وجود سے یہ بات ثابت ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر صدی میں صرف ایک مجدد کا آنا مراد نہیں بلکہ مجدّدین کی ایک جماعت مراد ہے۔ اور پھر تجدید کے لفظ میں

مجدّدین کے آنے کی حکمت کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ اس سو سال کے عرصہ میں احکام دین اور کتاب وسُنّت کی اِتباع میں جو بدعتیں رواج پا گئی ہوں مجدد ان کو ختم کرتے اور حق کو قائم کرتے ہیں اور سُنّت کو بدعت سے جدا کر کے دکھلا دیتے ہیں۔

نواب صدیق حسن خانصاحب مزید لکھتے ہیں کہ:-

اس لحاظ سے ہر عالم دین، خدا پرست، سنت کا احیاء کرنے اور بدعت مٹانے والا مجدد دین نبوی اور محی سنت مصطفویؐ ہے۔ [۳۱]

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے حدیث مجدّدین کی تشریح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

’’اب میں مختصراً کچھ اس حدیث کے متعلق کہنا چاہتا ہوں اور بتانا چاہتا ہوں کہ اس حدیث کے بارہ میں پہلوں نے کیا کہا، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا فرمایا اور اس حدیث کا مقام کیا ہے۔ یہ حدیث جو صحاح ستہ میں سے صرف ایک کتاب میں صرف ایک بار بیان ہوئی ہے، یہ ہے: **ان اللہ یبعث لھذہ الامة علی رأس کل مائة سنة من یجدد لھا دینھا** ۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر اس امت کیلئے ’’مَنْ‘‘ کھڑے کرے گا (مَنْ پر میں خاص زور دے رہا ہوں) یعنی اللہ تعالیٰ کئی لوگ ایسے پیدا کرے گا جو دین کی تجدید کریں گے اور اس کی رونق کو بڑھانے والے ہوں گے اور اگر بدعتیں بیچ میں داخل ہوگئی ہوں گی تو وہ ان کو نکالیں گے اور اسلام کا نہایت صاف اور خوبصورت چہرہ ایک بار پھر دُنیا کے سامنے پیش کریں گے۔ یہ حدیث ابوداؤد میں ہے۔ مستدرک میں ہے اور شاید ایک اور کتاب میں بھی ہے۔ صرف تین کتابوں میں ہمیں یہ حدیث ڈھونڈنے سے ملی ہے۔

اس حدیث میں تو یہ ہے کہ ہر صدی کے سر پر ’’مَنْ‘‘ آئے گا۔ یعنی ایسے نائب الرسول (ﷺ) آئیں گے جو تجدید کا کام کریں گے۔ مَنْ کے معنے عربی لغت کے لحاظ سے ایک کے بھی ہیں، دو کے بھی ہیں اور کثرت کے بھی ہیں۔ پس اگر کثرت سے معنے لیے جائیں تو یہ معنٰی ہوں گے کہ ہر صدی کے سر پر کثرت سے ایسے لوگ موجود ہوں گے (یعنی آنحضرت ﷺ کے خلفاء واخیار وابرار) جو دین اسلام کی خدمت میں لگے ہوں گے۔ اس میں کسی ایک شخص واحد کا کوئی ذکر نہیں۔

لسان العرب عربی لغت کی ایک مشہور کتاب ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ مَنْ کا لفظ **تکون للواحد والاثنین والجمع** کہ یہ لفظ واحد کیلئے بھی، دو کیلئے بھی اور جمع کیلئے بھی بولا جاتا ہے اور قرآن کریم کی لغت ’’مفردات امام راغب‘‘ میں ہے کہ **یعبر به من الواحد والجمع والمذکر**

والمؤنث کہ اس سے واحد بھی مراد لی جاتی ہے اور جمع بھی مراد لی جاتی ہے۔ مذکر بھی مراد لیا جاتا ہے اور مؤنث بھی مراد لی جاتی ہے۔ ان معنوں کے لحاظ سے حدیث کا یہ مطلب ہوگا کہ ہر صدی کے سر پر ایسے مرد ہوں گے نیز خدا تعالیٰ کی درگاہ میں پہنچی ہوئی ایسی مستورات بھی ہوں گی۔ یعنی مرد بھی خدمت دین میں لگے ہوئے ہوں گے اور مستورات بھی۔

جب ہم پہلے بزرگ محققین اور اولیاء اللہ کے اقوال کو دیکھتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ انہوں نے بھی مَنْ کے وہی معنے کئے ہیں جو میں اوپر بتا چکا ہوں۔ مَنْ یجدّد کے متعلق امام المناوی فرماتے ہیں کہ اس میں مَنْ سے مراد ایک یا ایک سے زیادہ آدمی ہو سکتے ہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ ہر ایک قوم کا دعویٰ کہ اس حدیث سے اس کا امام ہی مراد ہے لیکن ظاہر بات یہی ہے کہ اس کو ہر ایک گروہ کے علماء پر چسپاں کیا جانا چاہئے۔ اور علقمی کہتے ہیں کہ تجدید سے مراد یہ ہے کہ اسلام کی جن باتوں پر عمل مٹ گیا ہے ان کو وہ از سرِ نو زندہ کرے اور وہ کہتے ہیں کہ خوب یاد رکھو مجدد دعویٰ کوئی نہیں کرتا بلکہ اس کا علم لوگوں کو بعض قرائن اور حالات اور ان خدمات سے ہوتا ہے جو وہ اسلام کی کرتا ہے۔ شیخ محمد طاہر گجراتی (۱۵۰۹۔۱۵۷۸) جو سولہویں صدی میں ایک بہت بڑے عالم گزرے ہیں انہوں نے اس حدیث پر یہ نوٹ دیا ہے کہ اس کے مفہوم کے متعلق اتفاق ہی نہیں علماء نے اختلاف بھی کیا ہے۔ یعنی اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ کون مجدد تھا کس صدی کا اور کون نہیں تھا اور ان میں سے ہر ایک فرقہ نے اسے اپنے امام پر چسپاں کیا ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ اسے عام مفہوم پر محمول کیا جائے اور فقہاء سے اسے مخصوص نہ کیا جائے کیونکہ یہ یقیناً مسلمانوں کو اولوالامر یعنی جو بادشاہ ہیں اور جو محدث ہیں اور جو قُرّاء ہیں اور جو واعظ ہیں اور جو زاہد ہیں ان سب سے بہت فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے وہ سارے مجدد ہیں اور حدیث سے مراد یہ ہے کہ ہر صدی جب گزرے گی تو یہ لوگ زندہ ہوں گے۔ یہ نہیں کہ کوئی صدی ان کا نام و نشان مٹا ڈالے اور حدیث میں اس کے متعلق اشارہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ جو لوگ ہر صدی کے سر پر تجدید کا کام کریں گے وہ بڑے بڑے بزرگوں کی ایک جماعت ہوگی۔ پہلی صدی میں حضرت عمر بن عبدالعزیز اور فقہاء اور محدثین اور ان دوسرے طبقات میں سے بھی بے شمار بزرگ تجدید دین کرنے والے ہیں۔ وما لا یحصی یعنی جن کو گنا نہیں جا سکتا۔ اتنے مجدد صدی کے سر پر عمر کے ساتھ انہوں نے جمع کر دیئے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے جتنے ان کا یا جو صدی کے سر پر ایک سے زیادہ علماء ان کا ذکر کر دیا ہے۔ ایک اور کتاب ''درجات مرقاۃ الصعود الیٰ سنن ابی داؤد''

اس میں ابوداؤد کی حدیث کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ انسب یہ ہے کہ حدیث کو عام مفہوم نہ کیا جائے۔ پس اس سے لازم آتا ہے کہ جو صدی کے سر پر مبعوث ہو وہ فرد نہ ہو بلکہ ہوسکتا ہے ایک یا ایک سے زائد ہوں کیونکہ گو اُمتِ فقہاء سے جو فائدہ پہنچتا ہے وہ بھی عام ہے لیکن اسے جو فائدہ ان کے اولی الامر اور محدثین اور قُراء اور واعظوں اور زہّاد کے مختلف درجات سے پہنچتا ہے وہ بھی بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ ہر فن اور علم کا ایک فائدہ ہے جو اُسے حاصل نہیں ہوتا۔ دراصل حفاظتِ دین میں قانونِ سیاست کی حفاظت اور ادب کا پھیلانا بہت اہم ہے کیونکہ اسی سے انسان کے خوف کی حفاظت ہوتی ہے، قانونِ شرعی قائم ہوتا ہے اور یہ کام حکام کا ہے۔ پس جو قانونِ شریعت نافذ کرنے والے حکام ہیں شیخ محمد طاہر گجراتی کے نزدیک وہ اسی طرح مجدد ہیں۔ ایک فقیہہ مجدد ہوتا ہے یا جیسے صوفی بزرگ اور دعا گو لوگ مجدد ہیں۔

پس زیادہ بہتر اور مناسب یہی ہے کہ مانا جائے کہ اس حدیث میں ہر صدی کے سر پر ایسے بڑے بزرگوں کی ایک جماعت موجود ہونے کی طرف اشارہ ہے لوگوں کیلئے۔ دین کو تازہ کریں گے اور تمام دنیا میں اس کی حفاظت کریں گے۔ علماء کے ایک گروہ نے یہ لکھا ہے کہ یہ ذمہ داری تو ساری اُمت کی تھی یعنی امت مسلمہ کے ہر فرد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ دین اسلام کی تجدید کرے۔ جس طرح ہم آپ کو کہتے ہیں کہ آپ دین سیکھیں اور اس کو ساری دنیا میں پھیلائیں۔ لیکن چونکہ سارے نہیں کرتے اس لئے ہر صدی میں ایک جماعت پیدا ہو جاتی ہے جو فرض کفایہ کے طور پر یہ کام کرتی ہے۔ کیونکہ وہ جماعت کام کرتی ہے اس لئے کہ جو نہیں کام کرتا اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور اگر یہ بھی کام نہ کریں تو ان کے گناہ بھی معاف نہیں ہوں گے۔

پس حدیث شریف میں کسی ایک کے آنے کا ذکر نہیں نہ لغوی معنوں کے لحاظ سے اور نہ جو پہلے علماء تھے جن کے چند حوالے میں نے پڑھے ہیں۔ ان کے اقوال کے مطابق اور نہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو اس کی تفسیر کی ہے اس کے مطابق۔ ۳۲

سلسلۂ مجدّدین۔ آج اسلام کی امتیازی خصوصیت

خدا تعالیٰ نے اسلام اور قرآن کی حفاظت کا ذمہ قیامت تک لیا ہے۔ آج اس رنگ میں تجدید و احیاء صرف اسلام کی خوبی ہے اور باقی مذاہب اس سے یکسر محروم ہیں۔ اسلام کی مثال اس سر سبز

باغ کی سی ہے جس کا مالی ہمہ وقت اس کا خیال رکھتا ہے جبکہ دوسرے مذاہب اب اس خشک باغ کی مانند ہیں جن میں سوکھے درخت تو ہیں مگر وہ پھول اور پھل سے محروم ہیں۔ مالک نے اس باغ کی آبیاری چھوڑ دی ہے۔ دوسرے مذاہب کے بگاڑ اور اسلام کی شاندار حفاظت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

''دنیا کے مذاہب پر اگر نظر کی جاوے تو معلوم ہوگا کہ بجز اسلام ہر ایک مذہب اپنے اندر کوئی نہ کوئی غلطی رکھتا ہے اور یہ اس لئے نہیں کہ درحقیقت وہ تمام مذاہب ابتداء سے بگڑے ہوئے ہیں بلکہ اس لیے کہ اسلام کے ظہور کے بعد خدا نے ان مذاہب کی تائید چھوڑ دی اور وہ ایسے باغ کی طرح ہوگئے جس کا کوئی باغبان نہیں اور جس کی آبپاشی اور صفائی کیلئے کوئی انتظام نہیں۔ اس لیے رفتہ رفتہ ان میں خرابیاں پیدا ہوگئیں۔ تمام پھلدار درخت خشک ہوگئے اور ان کی جگہ کانٹے اور خراب بوٹیاں پھیل گئیں اور روحانیت جو مذہب کی جڑ ہے وہ بالکل جاتی رہی اور صرف خشک الفاظ ہاتھ میں رہ گئے۔ مگر خدا نے اسلام کے ساتھ ایسا نہ کیا اور چونکہ وہ چاہتا تھا کہ یہ باغ ہمیشہ سرسبز رہے اس لیے اس نے ہر ایک صدی پر اس باغ کی نئے سرے سے آبپاشی کی اور اس کو خشک ہونے سے بچایا۔ ہر صدی پر جب بھی کوئی بندہ خدا اصلاح کیلئے قائم ہوا جاہل لوگ اس کا مقابلہ کرتے رہے......لیکن خدا نے اپنی سنت کو نہ چھوڑا......مگر دوسرے دینوں کو ہمارے نبی ﷺ کے بعد یہ تجدید کبھی نصیب نہ ہوئی اس لیے وہ سب مذاہب مر گئے ان میں روحانیت باقی نہ رہی۔ اور بہت سی غلطیاں ان میں ایسی جم گئیں کہ جیسے بہت مستعمل کپڑے پر جو کبھی دھویا نہ جائے میل جم جاتی ہے اور ایسے انسانوں نے جن کو روحانیت سے کچھ بہرہ نہ تھا اور جن کے نفس امارہ سفلی زندگی کی آلائشوں سے پاک نہ تھے اپنی نفسانی خواہشوں کے مطابق ان مذاہب کے اندر بیجا دخل دے کر ایسی صورت ان کی بگاڑ دی کہ اب وہ کچھ اور ہی چیز ہیں''۔[۳۳]

اسلام میں اس طرح سلسلہ مجدّدین جاری کرنے کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟ اور اسلام کی حفاظت کیلئے ایسا کرنا کیوں ضروری تھا؟ تا کہ باقی ادیان پر اس کی فوقیت ثابت ہو۔ ان باتوں کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:-

''الٓـر کے لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لفظ مجددوں اور مرسلوں کے سلسلہ جاریہ کی طرف

اشارہ کرتا ہے جو قیامت تک جاری ہے۔ اب اس سلسلہ میں آنے والے مجددوں کے خوارق، ان کی کامیابیوں، ان کی تاثیروں وغیرہ کو گن بھی نہیں سکتے......غرض ہر صدی کے سر پر مجدد کا آنا صاف طور پر بتلا رہا ہے کہ مُردوں سے استمداد خدا تعالیٰ کے منشاء کے موافق نہیں اگر مُردوں سے مدد کی ضرورت ہوتی تو پھر زندوں کے آنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہزاروں ہزار اولیاء اللہ پیدا ہوئے ہیں اس کا کیا مطلب تھا۔ مجدّدین کا سلسلہ کیوں جاری کیا جاتا اگر اسلام مُردوں کے حوالے کیا جاتا تو یقیناً سمجھو کہ اس کا نام ونشان مٹ گیا ہوتا۔ یہودیوں کا مذہب مُردوں کے حوالے کیا گیا نتیجہ کیا ہوا؟ عیسائیوں نے مُردہ پرستی کی بتلاؤ کیا پایا۔ مُردوں کو پوجتے پوجتے خود مُردہ ہوگئے۔ نہ مذہب میں زندگی کی روح رہی نہ ماننے والوں میں زندگی کے آثار باقی رہے۔ اوّل سے لے کر آخر تک مُردوں کا ہی مجمع ہوگیا''۔ ۳۴

چنانچہ مختلف مذاہب کے علماء اور محققین نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ واقعتاً مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ ان مذاہب میں بگاڑ پیدا ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ بدھ مت کے بگاڑ کے متعلق پنڈت جواہر لال نہرو لکھتے ہیں:-

''اس وسیع بدھ دنیا میں اور اس کی حکمرانی کی اس طویل مدت میں کوئی ایسا مصلح سامنے نہ آیا جو حقیقی بدھ مت کی طرف دعوت دے اور اس جدید اور منحرف مذہب کا پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کرے اور اس کا دورِ شباب اور اس کی گمشدہ سادگی اور صفائی پھر سے واپس لے آئے''۔ ۳۵

یہی حال ہندو مذہب کا ہوا اور یہی حال عیسائیت کا ہوا۔ عیسائیت کے بگاڑ کا تذکرہ کرتے ہوئے انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے:-

''اگر ہم اس کے اسباب تلاش کریں کہ سولہویں صدی سے قبل اصلاحِ مذہب (ریفارمیشن) کی کوششوں میں جزوی کامیابی بھی کیوں نہ ہوئی تو بلا کسی دشواری کے کہہ سکتے ہیں کہ سب سے بڑا سبب قرونِ وسطیٰ کی ماضی کی مثالوں کی غلامی تھی''۔ ۳۶

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تک مذہب میں زندگی کی روح پھونکنے والے افراد موجود نہ ہوں

مذہب زندہ نہیں رہ سکتا کیونکہ زندگی کے تقاضے ہر وقت جواں ہیں، مادیت کا درخت سدا بہار ہے۔نفس پرستی کی تحریک اوراس کے مذہب کوحقیقتاً کسی تجدید کی ضرورت نہیں کہ اس کی ترغیبات اور اس کے محرکات قدم قدم پرموجود ہیں پھر بھی اس کی تاریخ اس کے پرجوش داعیوں اور کامیاب ''مجددوں'' سے کبھی خالی نہیں رہی اور حدیث رسول کے مطابق ایسے ''آئمہ مضلین'' بے شمار پیدا ہوتے رہے جنہوں نے اس کی جوانی کوقائم رکھااوراس کی دعوت کو ہر دور میں پھیلاتے رہے اور یہ کہتے رہے

گرچہ پیر ہے مومن، جواں ہے لات ومنات

جب حدیث رسول کا پہلا حصہ پورا ہوگیا تو لازماً دوسرا حصہ یعنی بعثت مجدّدین کے وعدے کا ایفاء بھی ضروری تھا۔اس مادیت کا مقابلہ جب تک نئی زندگی اور روح کے ساتھ نہ کیا جاتا تو مادیت کی ہماہمی میں حق کا بچنا بلکہ مادیت پرغلبہ پانا مشکل تھا لیکن خدا نے رحم فرماتے ہوئے سلسلہ مجدّدین جاری فرمایااوراسلام میں تاریخ دعوت وعزیمت اتنی ہی طویل ہے جتنی اسلام کی زندگی۔جب بھی امت محمدیہ کوکسی فتنے نے گھیرااورایک مردمومن کی ضرورت محسوس ہوئی تو خدا نے اس کا خاطرخواہ انتظام کردیا۔ قدریت،جہمیت،اعتزال،خلق قرآن،وحدۃ الوجوداوردین الٰہی ایسے بے شمارفتن بپا ہوئے مگراسلام کے حقیقی علمبرداروں نے خم ٹھونک کران کا مقابلہ کیااور ہر فتنے کے مقابلے میں قرآن وسنت کی افضلیت ثابت کی۔ہمارے موجودہ دورمیں بھی ہرصدی کے سر پرجب اسلام اندرونی وبیرونی حملوں کی آماجگاہ بن گیا تو خداتعالیٰ نے حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کوبھیج کرایک دفعہ پھراپنے وعدہ کوسچا ثابت کردکھایا۔

مجددکی جاری وساری نعمت کا ذکرکرتے ہوئے آیت کریمہ **لقد انزلنا ایات مبینت** کی تشریح میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا:-

''اسلام میں ہرزمانہ میں ایسےلوگ پیدا ہوئے جو لقد انزلنا ایات مبینت کے ذریعہ اسلام کی روشنی کوظاہرکرتے رہے۔چنانچہ ابتدائی زمانہ میں حضرت جنید بغدادیؒ ہوئے، حضرت سیّدعبدالقادر جیلانیؒ ہوئے، شبلیؒ ہوئے، ابراہیم ادھمؒ ہوئے، ابن تیمیہؒ ہوئے، ابن قیمؒ ہوئے، امام غزالیؒ ہوئے، حضرت محی الدین ابن عربیؒ ہوئے اوران کے علاوہ ہزاروں اور بزرگ ہوئے۔پھرآخری زمانہ میں حضرت شاہ ولی اللہؒ صاحب محدث ہوئے، شیخ شہاب الدینؒ صاحب سہروردی ہوئے، خواجہ بہاؤالدین صاحب نقشبندیؒ ہوئے، نظام الدین صاحب اولیاء ہوئے، خواجہ قطب الدین صاحب بختیار کاکیؒ ہوئے،

فریدالدین صاحب گنج شکرؒ ہوئے، حضرت سیّد احمد صاحب بریلویؒ ہوئے، حضرت شیخ احمد صاحب سرہندیؒ مجدد الف ثانی ہوئے۔ یہ سب لوگ خدا تعالیٰ کا قرب پاکر آیات مبیّنٰتٍ کا مقام حاصل کر گئے اوران میں سے ہر شخص کو دیکھ کر لوگ اپنا ایمان تازہ کرتے تھے۔ پھر جب ان کا نور دھندلا ہوا تو خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہمارے اندر پیدا کیا اور آپ کا وجود ہمارے لئے آیات مبینتٍ بن گیا''۔ ۳۸؎

مجدد کے آنے کا وقت

اس ضمن میں ایک سوال یہ ہوسکتا ہے کہ مجدد کب آتا ہے؟ اس کیلئے اصولی جواب تو یہ ہے کہ جب بھی فتنے اتنے بڑھ جائیں کہ ایک مصلح کی ضرورت محسوس ہوگی تو خدا مجدد بھیجے گا۔ حدیث مجدّدین میں فرمایا ہے کہ علی رأس کل مائۃ کہ ہر صدی کے سر پر مجدد آئے گا۔ جب ہم تاریخ اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایک صدی کے کئی مجدد نظر آتے ہیں۔ لہٰذا اس کا مطلب یہ ہوا کہ صدی کے سر پر تو ضرور مجدد آئے گا اور اس کے علاوہ دورانِ صدی بھی مجدد آسکتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام مجدد کے وقت کے بارے میں فرماتے ہیں:-

''اے غافلوں کے گروہو! تمہیں معلوم ہے کہ خدا دین کو ضائع نہیں کرتا اور خدا تعالیٰ کی سنت اور عادت اسی طرح پر جاری ہے کہ جب تاریکی کا زمانہ آجائے اور دین اسلام تیروں کا نشانہ ٹھہرایا جاوے اور اس پر خواص و عام کی زبانیں جاری ہوں اور لوگ ارتداد کے طریقے اختیار کریں اور زمین میں غایت درجہ کا فساد ڈال دیں۔ پس اس وقت قیومیت الٰہی توجہ فرماتی ہے کہ تا دین کی حفاظت کرے اور اللہ کا کوئی بندہ اس کی اعانت کیلئے کھڑا کر دیتا ہے۔ پس وہ دین اسلام کو اپنے علم اور صدق اور امانت کے ساتھ تازہ کر دیتا ہے اور خدا اس مبعوث کو زکی اور لائق فیض بناتا ہے اور اس کی آنکھ کھولتا ہے اور اس کو تازہ بتازہ علم بخشتا ہے اور نبیوں کے علموں کا اس کو وارث ٹھہراتا ہے۔ پس وہ ایسے پیراؤں میں آتا ہے جو فساد زمانہ کے پیرایوں کے مقابل پر ہوتے ہیں اور وہی کہتا ہے جو خدا کی زبان نے اسے سکھایا ہوا اور مبداء فیضان سے کئی قسم کے علم اس کو دیے جاتے ہیں جو زمانہ کے فساد کے موافق ہیں''۔ ۳۹؎

پھر حضور اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ مجدد ظلماتی زمانے میں آتا ہے اور صدی کے دوران

پیدا شدہ فتنوں کا استیصال کرتا ہے، فرماتے ہیں:-

''ہر ایک مصلح اور مجدد جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے وہ لیلۃ القدر میں ہی اُترتا ہے۔تم سمجھتے ہو کہ لیلۃ القدر کیا چیز ہے۔لیلۃ القدر اس ظلماتی زمانہ کا نام ہے جس کی ظلمت کمال کی حد کو پہنچ جاتی ہے۔اس لیے وہ زمانہ بالطبع تقاضا کرتا ہے کہ ایک نور نازل ہو جو اس ظلمت کو دور کرے۔اس زمانے کا نام بطور استعارہ کے لیلۃ القدر رکھا گیا ہے مگر درحقیقت یہ رات نہیں ہے۔ یہ ایک زمانہ جو بوجہ ظلمت رات کا ہمرنگ ہے۔ نبی کی وفات یا اس کے روحانی قائمقام کی وفات کے بعد جب ہزار مہینے جو بشری عمر کے دور کو قریب الاختتام کرنے والا اور انسانی حواس کے الوداع کی خبر دینے والا ہے گزر جاتا ہے تو یہ رات اپنا رنگ جمانے لگتی ہے۔تب آسمانی کارروائی سے ایک یا کئی مصلحوں کی پوشیدہ طور پر تخم ریزی ہو جاتی ہے جو نئی صدی کے سر پر ظاہر ہونے کیلئے اندر ہی اندر طیار ہو رہے ہیں''۔ ۴۰

صدی کا سر

صدی کے سر سے کیا مراد ہے؟ یہ بات بھی زیر بحث ہے۔اس کا ذکر کرتے ہوئے نواب صدیق حسن خانصاحب لکھتے ہیں:-

''درحاشیہ مشکوٰۃ مسمی بنجوم المشکوٰۃ تالیف مولانا محمد صدیق گفتہ **ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ اذا ماتت السنن و حدثت البدع علی رأس کل مائۃ سنۃ ای عند انقضاء المأئۃ من وقت بعثہ علیہ السلام او موتہ او تکملہ**......پس راجح ہمیں ست کہ مراد برأس کل مأئۃ طول زمان یک مأئۃ ست کر دریں عرض مدت از مجدد ناگزیر ست خواہ دراوّل مأئۃ باشد یا دروسط یا درآخر''۔ ۴۱

ترجمہ: مشکوٰۃ کے حاشیہ نجم المشکوٰۃ جو مولانا محمد صدیق کی تالیف ہے میں کہتے ہیں کہ **ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ** یعنی جب سنت ختم ہوگی اور بدعت ظاہر ہو جائے گی اور صدی کے سر سے مراد حضور علیہ السلام کی بعثت یا وفات یا اس حدیث کے بیان کرنے کے ایک سو سال بعد ہے۔پس ترجیحی بات یہ ہے کہ ہر صدی کے سر سے مراد ایک صدی کا سارا زمانہ ہے۔گویا ایک سو سال کے اندر اندر مجدد ضرور

آئے گا خواہ صدی کے شروع میں یا درمیان میں یا آخر پر آئے۔

اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ حدیث مجدّدین کی تشریح میں کہتے ہیں:۔

"الحمدلله الذی بعث ای ارسل علی رأس ای اوّل و علی کل مأئة سنه من المولد النبوی او البعثه او الھجرة من ای مجتھدًا واحدًا او متعددًا"۔ ۴۲؎

تمام تعریف اس ذات کیلئے ہے جس نے مبعوث کیا یعنی بھیجا صدی کے سر پر یعنی شروع میں اور ہر صدی سے مراد حضور کی پیدائش تا بعثت یا ہجرت کے بعد سو سال مراد ہیں اور مَنْ کا مطلب ہے کہ ایک یا کئی مجتہد آئیں گے۔

کیا ہر صدی کے سر پر مجدد کا آنا ضروری ہے؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کے جواب میں فرماتے ہیں:۔

"یہ تو ضروری ہے کہ ہر صدی کے سر پر مجدد آئے۔ بعض لوگ اس بات کو سن کر پھر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب کہ ہر صدی پر مجدد آتا ہے تو پھر تیرہ صدیوں کے مجددوں کے نام بتاؤ۔ میں اس کا پہلا جواب یہ دیتا ہوں کہ ان مجددوں کے نام بتانا میرا کام نہیں۔ یہ سوال آنحضرت ﷺ سے کرو جنہوں نے فرمایا کہ ہر صدی پر مجدد آنا ہے"۔ ۴۳؎

لیکن جیسا کہ ظاہر ہے یہ جواب مسلمانوں کو مدنظر رکھ کر دیا گیا ہے۔ اگر کوئی غیر مسلم یہ سوال کرے تو اس کیلئے دوسرا جواب پیش کرنا ہوگا۔ چنانچہ اس حدیث کا دوسرا جواب حضرت اقدسؑ نے اس طرح پیش فرمایا:۔

"میں یقین دلاتا ہوں کہ یہ حدیث جھوٹی نہیں ہے صحیح ہے۔ یہ عام طور پر مشہور ہے کہ ہر صدی پر مجدد آتا ہے۔ نواب صدیق حسن خان صاحب وغیرہ نے ۱۳ مجدد گن کر بھی دکھائے ہیں مگر میں ان کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اس حدیث کی صحت کا یہ معیار نہیں بلکہ قرآن اس کی صحت کا گواہ ہے۔ یہ حدیث انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون کی شرح ہے"۔ ۴۴؎

علاماتِ مجدّدین

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

’’خدا کی عادت ہے کہ وہ ایسے بندوں کو بھیجا کرتا ہے جنہیں اس دین کی تجدید کیلئے پسند فرمالیتا ہے اورانہیں اپنے حضور سے قرآن کے اسرار عطا کرتا ہے اورحق الیقین تک پہنچاتا ہے اس لیے کہ وہ لوگوں پرحق کے معارف کو پوری قوت اور غلبہ اور چمک کے رنگ میں ظاہر کریں اور ان معارف کی حقیقت اور کیفیت اور راہوں اور ان کی شناخت کے نشانوں کو بیان کریں اور لوگوں کی بدعتوں اور بدکرداریوں اور ان کے طوفان وطغیان چھڑائیں اور شریعت کو قائم کریں اوراس کی بساط کو بچھائیں اورافراط وتفریط کو جواس میں داخل کی گئی ہے دور کریں۔اور جب خدا اہل زمین کیلئے چاہتا ہے کہ ان کے دین کو سنوارے اوران کے برہانوں کوروشن کرے، ہول اورمصیبت کے پیش آنے پران کو مدد دے تب ان بزرگوں میں سے کسی کوان میں کھڑا کردیتا ہے اورنشانوں اور قاطع حجتوں سے ان کی تائید کرتا ہے‘‘۔ ؁۴۵

مجدد کی خصوصیات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ضرورۃ الامام میں امام کی چھ خصوصیات بیان کی ہیں۔یہی خصوصیات ایک مجدد میں بھی پائی جانی ضروری ہیں کیونکہ وہ بھی اپنے زمانے کا امام ہوتا ہے۔

اوّل- **قوتِ اخلاق:** چونکہ ایسے لوگوں کا واسطہ اوباشوں سے پڑتا ہے۔لہٰذا ایک امام اعلیٰ اخلاق کا مالک ہونا چاہیے۔یہ قابل شرم بات ہے کہ خدا کا دوست ہو اور اخلاقِ رذیلہ میں گرفتار ہو۔آیت **انک لعلی خلقٍ عظیم** اس پر پوری طرح صادق آنی چاہیے۔

دوم- **قوتِ امامت:** یعنی نیک باتوں،اعمال اور تمام الٰہی معارف اور محبت الٰہی میں آگے بڑھنے کا شوق ہو اور حالت ناقصہ پر راضی نہ ہو۔یہ ایک فطرتی قوت ہے۔

سوم- **بسطت فی العلم کی قوت:** چونکہ امامت کے مفہوم میں تمام حقائق ومعارف اورلوازمِ

محبت اور صدق اور وفا میں ترقی شامل ہے اس لیے وہ اپنے تمام قویٰ کو اسی خدمت میں لگا دیتا ہے اور ''ربّ زدنی علما'' کی دعا میں ہر وقت مشغول رہتا ہے۔ خدا کے فضل سے علوم الٰہیہ میں اس کو بسطت عنایت ہوتی ہے اور شریعت پر ہر قسم کے اعتراضات طبابت کی رو سے عقلی بناء پر یا نقلی بناء پر ہوتے ہیں۔ امام کا کام ہے کہ وہ ان کا جواب دے بلکہ اسلام کی خوبصورتی ظاہر کرے۔

چہارم۔ **قوتِ عزم:** یعنی کسی حالت میں بھی نہ تھکنا اور ناامید نہ ہونا۔ ارادہ میں سست نہ ہونا۔ بسا اوقات امام کو ایسے ابتلاء پیش آتے ہیں کہ نصرتِ الٰہی میں تاخیر ہو جاتی ہے اور مخالفین کی ایذاء انتہاء کو پہنچ جاتی ہے۔ ایسے حالات میں قوت عزم اس کا ساتھ دیتی ہے۔

پنجم۔ **اقبال علی اللہ کی قوت:** ابتلاؤں کے وقت، جب لوگ نشان نمائی کا مطالبہ کریں، سخت دشمن سے مقابلہ ہو یا کسی فتح کی ضرورت ہو تو خدا کی طرف جھکے۔ تب اس کی دعائیں ملاء اعلیٰ میں ایک غلغلہ اور شور برپا کر دیتی ہیں اور خدا اس کی سہولت کے سامان پیدا کر دیتا ہے۔

ششم۔ **کشوف والہامات:** امام الزماں اکثر بذریعہ الہامات کے خدا تعالیٰ سے علوم اور حقائق اور معارف پاتا ہے۔ اس کے الہامات کیفیت اور کمیت میں دوسرے اولیاء سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ امام الزماں کی الہامی پیشگوئیاں اظہار علی الغیب کا مرتبہ رکھتی ہیں یعنی غیب کو ہر ایک پہلو سے اپنے قبضہ میں کر لیتی ہیں''۔ ۴۶

یہ آخری بات زیادہ تفصیل کی متقاضی ہے کیونکہ جو لوگ انقطاع وحی والہام کے قائل ہیں وہ امام کی اس خصوصیت کے بھی منکر ہیں۔ لیکن قرآن پکار پکار کر ان کی تردید کر رہا ہے۔ اور اس کے علاوہ آئندہ صفحات میں بعض مجدّدین کے الہامات وکشوف پیش کیے جائیں گے جو معترض کا دعویٰ باطل کریں گے۔ اس وقت قرآن کریم سے ثابت کیا جا رہا ہے کہ مجدد کیلئے الہام ضروری ہے۔

۱- اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے **ان الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکة ...... نحن اولیاء کم فی الحیوة الدنیا والاخرة ...... نزلاً من غفور رحیم۔** ۴۷

فرمایا: جو لوگ خدا کے راستے میں استقامت کا مظاہرہ کریں گے ان پر ملائکہ خوشخبریاں لے کر

دنیا وآخرت میں نازل ہوں گے۔ مجدد کو وقت کے جابر بادشاہوں اور باطل پرستوں کے خلاف استقامت کا پہاڑ بننا پڑتا ہے۔ اس لیے اس پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور اسے ثبات قدم عطا کرتے ہیں۔

۲- اسی طرح فرماتا ہے **لا یمسه الا المطھرون** ۔ ۴۸؎

کہ قرآن کے گہرے مطالب صرف وہی لوگ پا سکتے ہیں جنہیں خوب پاک کیا گیا ہو۔ اب ظاہر ہے کہ مجدد کا سب سے بڑا کام قرآن کریم کی غلط تفاسیر کو کالعدم کرکے اس کے حقیقی مطالب کا بیان ہے۔ اس کام کیلئے انہیں خدا کی طرف سے پاکیزگی بخشی جاتی ہے اور علوم قرآنیہ سکھائے جاتے ہیں اور جسے یہ شرف ملے لازماً وہ صاحب مکالمہ ومخاطبہ ہوگا۔

۳- پھر فرمایا **الا ان اولیاء الله لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون O الذین امنوا و کانوا یتقونO لھم البشری فی الحیوة الدنیا و فی الاخرة الخ**۔ ۴۹؎

فرماتا ہے کہ اولیاء اللہ پر کوئی خوف اور حزن نہیں ہوتا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان پر دنیا وآخرت میں بشارتوں کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور یہ بشارتیں یقیناً خدا کے فرشتے ہی لے کر آتے ہیں۔

۴- اللہ تعالیٰ سورۃ القصص میں فرماتا ہے **و اوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیه فاذا خفت علیه فالقیه فی الیم و لا تخافی و لا تحزنی الخ**۔ ۵۰؎

کہ خدا کے الہام نے موسیٰ کی والدہ کے دل میں اتنا اطمینان اور یقین بھر دیا کہ وہ اپنے دودھ پیتے جگر گوشے کو دریا کی لہروں کے سپرد کرنے پر تیار ہوگئی۔ ایسی سکینت سوائے الہام کے حاصل ہو نہیں سکتی۔

اور آیت نمبر۳ میں بھی خدا نے اولیاء اللہ کیلئے **لا خوف علیھم** ...... کے الفاظ رکھے ہیں اور یہی الفاظ **لا تخافی و لا تحزنی** یہاں ہیں۔ گویا یہ بتایا کہ اولیاء اللہ پر خوف وملال کا نہ ہونا اور سکینت کا نازل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ان پر الہام نازل ہوتا تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی حقیقت کو فتح اسلام میں بھی واضح فرمایا ہے کہ مجددِ زمانہ مکالمہ مخاطبہ کے شرف سے مشرف ہوتا ہے۔ حضورؑ فرماتے ہیں:-

> ''تجدید دین وہ پاک کیفیت ہے کہ اوّل عاشقانہ جوش کے ساتھ اس پاک دِل پر نازل ہوتی ہے کہ جو مکالمہ الٰہی کے درجہ تک پہنچ گیا ہو۔ پھر دوسروں میں جلد یا بدیر سے اس کی سرایت ہوتی ہے۔ جو لوگ خدا کی طرف سے قوت پاتے ہیں وہ نرے استخوان

فروش نہیں ہوتے بلکہ وہ واقعی طور پر نائب رسول ﷺ اور روحانی طور پر آنجناب کے خلیفہ ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ انہیں ان تمام نعمتوں کا وارث بناتا ہے جو نبیوں اور رسولوں کو دی جاتی ہیں اور ان کی باتیں از قبیل جوشیدن ہوتی ہیں نہ کہ محض از قبیل کوشیدن اور وہ حال سے بولتے ہیں نہ مجرد قال سے اور خدا تعالیٰ کے الہام کی تجلی ان کے دلوں پر ہوتی ہے۔ اور وہ ہر ایک مشکل کے وقت روح القدس سے سکھائے جاتے ہیں اور ان کی گفتار اور کردار میں دنیا پرستی کی ملونی نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ بکلی مصفّا کیے گئے اور بتمام وکمال کھینچے گئے ہیں‘‘۔ ۵۱ھ

کیا مجدد کیلئے دعویٰ لازمی ہے؟

ایک سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ مجدد کیلئے دعویٰ ضروری ہے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اتنی بات تو بہرحال واضح ہے کہ مجدد صاحب کشف والہام ہوتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کو مجددیت کا الہام بھی ہو یا اگر اسے الہام ہو بھی تو اس کیلئے اس کی اشاعت اور اظہار ضروری نہیں ہے کیونکہ نبی وہ واحد وجود ہے جس پر دعویٰ کا اظہار ضروری ہے اور اس کو نہ ماننے والا کافر ہوتا ہے اور تمام مجدّدین کا دعویٰ ویسے بھی نہیں ملتا۔ اس لیے جب دعویٰ موجود ہی نہیں تو یہ سوال باقی ہی نہیں رہتا۔ لیکن دوسری طرف چند مجددین کا دعویٰ ملتا بھی ہے جیسے (تفصیل آئندہ آئے گی) حضرت جلال الدین سیوطی صاحب، حضرت مجدد الف ثانی صاحب، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی، حضرت سیّد احمد صاحب شہید وغیرہ۔

غور کرنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جوں جوں فتنے بڑھتے جا رہے تھے اور چودھویں صدی کے مجدد کا زمانہ قریب سے قریب تر آتا جا رہا تھا جس نے بہرحال مسیح موعود اور مہدی موعود ہونے کے باعث دعویٰ کرنا تھا مجدّدین کا قریبی دعویٰ بھی ملتا جاتا تھا۔ لیکن پہلی صدیوں کے مجدّدین کا دعویٰ نہیں ملتا۔ گویا ذہنوں کو مجدد مائۃ آخر کے دعویٰ کیلئے تیار کیا جا رہا تھا۔ لیکن اس بارہ میں ایک بات قطعی اور یقینی ہے کہ باقی مجدّدین کیلئے دعویٰ ضروری ہو یا نہ ہو چودھویں صدی کے مجدد کیلئے دعویٰ کرنا بہرحال ضروری تھا۔ کیونکہ نعوذ باللہ اگر ایک جھوٹا شخص میدان میں کھڑا بڑے زور وشور سے دعویٰ کر رہا ہو اور سچا مجدد کھڑا نہ ہو اور جھوٹ اور سچ میں تمیز کر کے نہ دکھلائے تو خدا کے اس سلسلہ مجدّدین کے تواتر پر زد پڑتی ہے۔ ان حالات میں اس کا خاموش رہنا **الساکت عن الحق شیطان اخرس** کے

مطابق اسے ''گونگا شیطان'' قرار دیتا ہے۔ چہ جائیکہ اس کو مدعی مفقود اور گواہ موجود کا مصداق بناتے ہوئے مضحکہ خیز طور پر مجدد قرار دیا جائے۔ اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:-

''آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے کہ ہر ایک صدی پر ایک مجدد کا آنا ضروری ہے۔ اب ہمارے علماء کہ جو بظاہر اتباع حدیث کا دم بھرتے ہیں انصاف سے بتلاویں کہ کس نے اس صدی کے سر پر خدا سے الہام پا کر مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ یوں تو ہمیشہ دین کی تجدید ہورہی ہے مگر حدیث کا تو یہ منشاء ہے کہ وہ مجدد خدا تعالیٰ کی طرف سے آئے گا یعنی علوم لدنیہ وآیات سماویہ کے ساتھ''۔[52]

پس چودھویں صدی کے مجدد کیلئے دعویٰ ناگزیر تھا۔ جیسا کہ حضور مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں:-

''اس آخری خلیفہ کیلئے یہ ضروری تھا کہ آخری حصہ ہزار ششم میں آدم کی طرح پیدا ہو اور سن چالیس میں آنحضرت ﷺ کی طرح مبعوث ہو اور نیز صدی کا سر ہو اور یہ تین شرطیں ایسی ہیں کہ اس میں کاذب اور مفتری کا دخل غیر ممکن ہے''۔[53]

مَنْ یُّجَدِّدُ

حدیث مجدّدین میں مَنْ یُّجَدِّدُ کا لفظ ہے جو جمع پر بولا جاتا ہے۔ اس لیے ایک صدی میں ایک سے زائد مجدّدین نہیں آسکتے بلکہ آتے رہیں ہیں۔ بہر حال کوئی بھی صدی مجدد کے وجود سے خالی نہیں ہے۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:-

''مجدّدین کے متعلق لوگوں میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ ایک ہی مجدد ساری دنیا کیلئے مبعوث ہوتا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر ملک میں اور ہر علاقہ میں اللہ تعالیٰ مجدد پیدا کیا کرتا ہے۔ مگر لوگ قومی یا ملکی لحاظ سے اسے اپنی قوم اور ملک کے مجدد کو ہی ساری دنیا کا مجدد سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ جب اسلام ساری دنیا کیلئے ہے تو ضروری ہے کہ دنیا کے مختلف علاقوں میں اور مختلف ملکوں میں مختلف مجددین کھڑے ہوں ....
(مختلف ممالک کا ذکر کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں) ان ممالک کی تاریخ دیکھی جائے تو

ان میں بھی ایسے لوگ نظر آتے ہیں جو صاحب وحی اور صاحب الہام تھے اور جنہوں نے اپنے ملک کی رہنمائی کا فرض سرانجام دیا۔ پس وہ بھی اپنی اپنی جگہ مجدد تھے اور یہ بھی اپنی جگہ مجدد تھے" ۔[۵۴]

الائمة من القریش سے مراد

یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ امام قریشی ہوں گے اور سلسلہ مجددّین اور آئمہ ایک ہی مفہوم میں ہے تو کیا سارے مجددّین قریشی ہوں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آئمہ کے بارے میں ایک سے زائد پیشگوئیاں فرمائی ہیں۔ مثلاً مشکوٰۃ میں ایک حدیث یوں ہے:

عن جابرؓ بن سمرة قال سمعت رسول الله ﷺ یقول لا یزال الاسلام عزیزًا الی اثنی خلیفة، خلیفة کلهم من قریش۔ [۵۵]

حضرت جابرؓ بن سمرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام ہمیشہ بارہ خلفاء کے ذریعہ غالب رہے گا۔ جن میں سے ہر ایک قریشی ہوگا۔

دوسری طرف یہ بات بھی مسلّم ہے کہ قیامت تک بارہ نہیں بلکہ ہزار خلفاء و اولیاء آئیں گے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کو کئی جگہ بیان کیا ہے۔ اس کا ایک حل تو یہ ہے کہ بارہ مجددّین قریشی ہوں گے اور باقی ان کے علاوہ دوسرے بھی ہوسکتے ہیں۔ دوسرا حل یہ ہے کہ قریش سے کیا مراد ہے۔ کیا صرف خاندان نبوی کے افراد یا حضرت نبی کریم ﷺ کے تمام صحیح متبعین قریش میں شامل ہیں۔ مؤخرالذکر بات قبول کرنے سے کوئی مسئلہ نہیں رہتا۔ کیونکہ ہر مجدد صحیح متبعین ہونے کی حیثیت سے قریشی ہوا ہے۔ چنانچہ یہی حل حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی پیش فرمایا ہے۔

"اصل بات یہ ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ کو کشفی طور پر دکھایا گیا تھا کہ خلیفے قریش سے ہوں گے خواہ حقیقی طور پر یا بروزی طور پر جیسے دجال کا بروز بنایا اسی طرح پر سلاطین مغلیہ وغیرہ بروزی طور پر قریش ہی ہیں ...... جب تک کوئی بروز کے مسئلہ کو نہیں سمجھتا اس پیشگوئی کی حقیقت کو سمجھ نہیں سکتا...... جب اصل قریش میں استعداد نہ رہی اور اس قوم میں وہ استعداد پائی گئی تو خدا نے وہ عہدہ اس کے حوالے کیا...... اظلالی امور ہمیشہ ہوتے ہیں اور ہوں گے یہ معنے ہیں "الائمة من القریش" کے" ۔ [۵۶]

مجدد پر ایمان لانا ضروری ہے

ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ مجددوں پر ایمان لانا ضروری ہے یا نہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ سلسلہ مجدّدین کے آنے پر تو ایمان لانا ضروری ہے کیونکہ یہ آنحضرت ﷺ کی بیان کردہ حدیث ہے۔اور جو مجدد دعویٰ کرے اسے ماننا بھی ضروری ہے۔جو ان کا انکار کرے وہ فاسقوں میں سے ہوگا۔ اس میں ان لوگوں کے خیال کا ردّ ہے جو کہتے ہیں کہ مجدد کی بیعت ضروری نہیں ہے۔اس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

''یہ کہنا کہ مجددوں پر ایمان لانا کچھ فرض نہیں خدا تعالیٰ کے حکم سے انحراف ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے **ومن کفر بعد ذلک فاولئک هم الفاسقون**۔یعنی بعد اس کے جو خلیفے بھیجے جائیں پھر جو شخص ان کا منکر رہے وہ فاسقوں میں سے ہے''۔ ۵۷

مجدّدین کی تعیین

ایک آخری سوال یہ بھی رہ جاتا ہے کہ مجدّدین کی تعیین کیسے ہو؟ اور کون سے مجدّدین لیے جائیں؟ اس کا حتمی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ مجدّدین کی لسٹ نہ تو قرآن میں ہے نہ حدیث میں اور نہ اس طرح ہوسکتی ہے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اس بارہ میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:-

''یہ تو ضروری ہے کہ ہر صدی کے سر پر مجدد آئے۔بعض لوگ اس بات کو سن کر پھر اعتراض کرتے ہیں کہ جب ہر صدی پر مجدد آتا ہے تو پھر تیرہ صدیوں کے مجددوں کے نام بتاؤ؟ میں اس کا پہلا جواب یہ دیتا ہوں کہ ان مجددوں کے نام بتانا میرا کام نہیں۔ یہ سوال آنحضرت ﷺ سے کرو جنہوں نے فرمایا ہے کہ ہر صدی پہ مجدد آنا ہے''۔ ۵۸

اسی طرح خطبہ الہامیہ میں فرمایا:-

''اس آیت سے صاف وعدہ اس امت کیلئے ایسے خلیفوں کا ہے جو ان خلیفوں کی طرح ہوں جو بنی اسرائیل میں گزر چکے ہوں اور قرآن کریم جب وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا کرتا ہے۔اور ہم ان تمام خلیفوں کے نام نہیں جانتے جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں مگر اس

امت کے اور اگلی امت کے چند گزرے ہوئے آدمی۔ اور خدا نے ان سب کے نام سے بھی ہم کو اطلاع نہیں دی۔ پس ہم ان پر اجمالی طور پر ایمان لاتے ہیں اور ان ناموں کی تفصیل کو اپنے خدا کو سونپتے ہیں"۔ ۵۹

لیکن ظاہر ہے کہ یہ جواب مسلمانوں کیلئے ہے اگر کوئی غیر مسلم حفاظت قرآن کی آیات اور احادیث دربارہ مجدّدین کی صداقت کے زمرہ میں مجدّدین کی بابت پوچھے تو ہمیں اس کو جواب دینا پڑے گا۔ چنانچہ حضور نے بھی دوسرا جواب یہ فرمایا:-

"ہم یقینی اور قطعی طور پر ہر ایک طالب حق کو ثبوت دے سکتے ہیں کہ ہمارے سیّد و مولا آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے آج تک ہر ایک صدی میں ایسے باخدا لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ غیر قوموں کو نشان دکھلا کر ان کو ہدایت دیتا رہا ہے جیسا کہ سیّد عبدالقادر جیلانی اور ابوالحسن خرقانی اور۔۔۔ معین الدین چشتی۔۔۔ اور نظام الدین دہلوی اور شاہ ولی اللہ دہلوی اور شیخ احمد سرہندی رضی اللہ و رضوا عنه اسلام میں گزرے ہیں"۔ ۶۰

فہرست مجدّدین امت محمدیہ

۱)	حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ	۶۱ء
۲)	حضرت امام شافعیؒ۔ احمد بن حنبلؒ	۶۲ء
۳)	حضرت ابوشرحؒ۔ ابوالحسن اشعریؒ	۶۳ء
۴)	حضرت ابوعبیداللہ نیشیاپوری۔ قاضی ابوبکر باقلانیؒ	۶۴ء
۵)	حضرت امام غزالیؒ	۶۵ء
۶)	حضرت سیّد عبدالقادر جیلانیؒ	۶۶ء
۷)	حضرت امام ابن تیمیہؒ۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ	۶۷ء
۸)	حضرت حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ۔ حضرت صالح بن عمرؒ	۶۸ء
۹)	حضرت امام سیوطیؒ	۶۹ء
۱۰)	حضرت امام محمد طاہر گجراتیؒ	۷۰ء
۱۱)	حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ	۷۱ء
۱۲)	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ	۷۲ء
۱۳)	حضرت سیّد احمد بریلویؒ۔ حضرت عثمان ڈان فودیوؒ	۷۳ء
۱۴)	حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مجدد و مہدی مسعود و مسیح موعود علیہ السلام	۷۴ء

نوٹ: اس فہرست میں کوشش کی گئی ہے کہ کل عالمِ اسلام کے مختلف علاقوں کے اور ہر صدی کے منتخبہ مجدّدین کا تذکرہ ہوجائے۔

حوالہ جات

۱۔ ملفوظات۔جلد4 صفحہ 2
۲۔ آئینہ کمالات اسلام
۳۔ آئینہ کمالات اسلام۔صفحہ 340
۴۔ شہادت القرآن۔صفحہ 43
۵۔ // // صفحہ 42
۶۔ // // صفحہ 57
۷۔ تفہیمات الٰہیہ۔جلد دوم صفحہ 133
۸۔ تفسیر کبیر۔جلد7 صفحہ 199
۹۔ حجج الکرامہ۔مصنفہ نواب صدیق حسن خان۔صفحہ 140
۱۰۔ حجج الکرامہ۔صفحہ 133
۱۱۔ تجدید واحیائے دین از مودودی۔صفحہ 47
۱۲۔ الفضل 16/ مارچ 1965ء
۱۳۔ سورۃ نور 24۔آیت 53
۱۴۔ تفسیر حضرت مسیح موعودؑ سورۃ مریم تا عنکبوت۔صفحہ 271
۱۵۔ سورۃ الحجر۔10:15
۱۶۔ سرالخلافہ۔صفحہ 37
۱۷۔ المائدہ۔45:5
۱۸۔ ترمذی ابواب الفتن باب ماجاء فی الائمۃ المضلین
۱۹۔ کتاب البریہ۔صفحہ 67
۲۰۔ الفضل 16/ مارچ۔1965ء
۲۱۔ الفضل 16/ مارچ 1965ء
۲۲۔ ملفوظات۔جلد3، صفحہ 254

۲۳ البقرہ۔87:2
۲۴ تلخیص از تبلیغ ہدایت۔مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے، صفحہ 9
۲۵ شہادۃ القرآن۔صفحہ 44
۲۶ انوار العلوم۔جلد 5 صفحہ 252
۲۷ انوار العلوم۔جلد 1 صفحہ 80
۲۸ تفسیر کبیر۔جلد ہفتم صفحہ 198
۲۹ سنن ابی داؤد۔کتاب الملاحم باب مایذکر فی قدر المائۃ
۳۰ الحکم۔21رفروری 1903ء
۳۱ حجج الکرامہ۔صفحہ 133-134
۳۲ الفضل 21رمئی 1978ء
۳۳ لیکچر سیالکوٹ۔صفحہ 1-2
۳۴ الحکم 24رجولائی 1902ء صفحہ 7
۳۵ تلاش ہند۔پنڈت جواہر لال نہرو صفحہ 201، بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت
از مولانا محمد سلیمان ندوی جلد 1 صفحہ 32
۳۶ ایضاً، صفحہ 28
۳۷ ترمذی ابواب الفتن باب ماجاء فی الائمۃ المضلین
۳۸ تفسیر کبیر۔جلد ششم، صفحہ 359-358
۳۹ نور الحق حصہ دوم۔صفحہ 41 ایڈیشن اوّل
۴۰ فتح اسلام، صفحہ 59
۴۱ حجج الکرامہ۔صفحہ 142-141
۴۲ حجج الکرامہ۔صفحہ 140
۴۳ ملفوظات۔جلد پنجم صفحہ 100
۴۴ ملفوظات جلد پنجم صفحہ 101
۴۵ الھدی والتبصرۃ لمن یری۔صفحہ 2

۴۶؎ تلخیص از ضرورت الامام۔ صفحہ 13 تا 201

۴۷؎ حٰم السجدہ۔ 31:41

۴۸؎ الواقعہ۔ 80:56

۴۹؎ سورہ یونس۔ 63:10 تا 65

۵۰؎ القصص۔ 8:28

۵۱؎ فتح الاسلام۔ صفحہ 9 حاشیہ

۵۲؎ ازالہ اوہام حصہ اوّل۔ صفحہ 154 ایڈیشن اوّل

۵۳؎ تحفہ گولڑویہ۔ صفحہ 190

۵۴؎ تفسیر کبیر جلد 7۔ صفحہ 199

۵۵؎ مشکوٰہ باب مناقب قریش

۵۶؎ ملفوظات۔ جلد 1 صفحہ 453

۵۷؎ شہادۃ القرآن۔ صفحہ 48

۵۸؎ ملفوظات۔ جلد 5 صفحہ 100

۵۹؎ ترجمہ از خطبہ الہامیہ۔ صفحہ 39

۶۰؎ کتاب البریہ۔ صفحہ 67

۶۱؎ حجج الکرامہ۔ صفحہ 135

۶۲؎ حجج الکرامہ۔ صفحہ 13

۶۳؎ // //۔ صفحہ 136 — ۶۴؎ // //۔ صفحہ 136

۶۵؎ // //۔ صفحہ 136 — ۶۶؎ // //۔ صفحہ 136

۶۷؎ // //۔ صفحہ 137 — ۶۸؎ // //۔ صفحہ 138

۶۹؎ // //۔ صفحہ 137 — ۷۰؎ // //۔ صفحہ 138

۷۱؎ تا ۷۴؎ // //۔ ایضاً

پہلی صدی کے مجدد

حضرت عُمر بن عبدُ العزیز

رَحمَۃُ اللّٰہِ عَلَیہِ

۶۱ھ - ۱۰۱ھ

''ہر وہ بدعت جسے اللہ میرے ہاتھ سے میرے گوشت کے ٹکڑے کے عوض مردہ کردے اور ہر وہ سنت جسے اللہ میرے ہاتھ پر قائم کردے یہاں تک کہ اس کا انجام میری جان پہ ہو تو میرے لیے یہ آسان ہے''۔ [۱]

(ارشاد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

''پس یاد رکھو کہ وہ راہ جہاں انسان کبھی ناکام نہیں ہوسکتا وہ خدا کی راہ ہے۔ دنیا کی شاہراہ ایسی ہے جہاں قدم قدم پر ٹھوکریں اور ناکامیوں کی چٹانیں ہیں۔ وہ لوگ

جنہوں نے سلطنتوں تک کو چھوڑ دیا آخر بیوقوف نہ تھے۔ جیسے ابراہیم بن ادھم، شاہ شجاع، شاہ عبدالعزیز جو مجدد بھی کہلاتے ہیں حکومت، سلطنت اور شوکت دنیا کو چھوڑ بیٹھے۔ اس کی یہی وجہ تو تھی کہ ہر قدم پر ایک ٹھوکر موجود ہے۔ خدا ایک موتی ہے اس کی معرفت کے بعد انسان دنیاوی اشیاء کو ایسی حقارت اور ذلت سے دیکھتا ہے کہ ان کے دیکھنے کیلئے اسے طبیعت پر ایک جبر اور اکراہ کرنا پڑتا ہے۔ پس خدا کی معرفت چاہو اور اس کی طرف ہی قدم اٹھاؤ کہ کامیابی اسی میں ہے''۔ [۲]

خلافت راشدہ کے بعد نیم تربیت یافتہ مسلمانوں اور غیر عربی اقوام میں جاہلی رجحانات عود کر آئے تھے۔ تفاخر و عصبیت کی روح جس کو اسلام نے شہر بدر کر دیا تھا اور جو بادیہ عرب میں پناہ گزیں تھی، پھر لوٹ آئی۔ قبائلی غرور، خاندانی جنبہ داری، اعزہ پروری اب دوبارہ محاسن میں شمار ہونے لگے تھے۔ بیت المال خلیفہ کی ذاتی جاگیر بن گیا تھا۔ پیشہ ور شعراء، خوشامدی درباریوں اور آبرو باختہ مصاحبین کا ایک طبقہ پیدا ہو گیا تھا۔ جس پر امت مسلمہ کی دولت بے دریغ صرف ہو رہی تھی۔ معترضین کا ایک طبقہ معرض وجود میں آ گیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے زخم خوردہ جاہلیت اپنے فاتح حریف سے چالیس سالہ شکست کا انتقام ایک ہی دن میں لینا چاہتی ہے۔ اسلام غریب الدیار ہو رہا تھا۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کی پیشگوئی کے مطابق خلافت راشدہ کے اختتام کے بعد ''مُلکاً عاضًا'' کا دور دورہ تھا۔ طاؤس ورباب، رقص و سرود اور مئے و معشوق مسلم حکمرانوں کے دربار کی رونق تھے۔ انہیں ملک کی گرتی ہوئی اخلاقی حالت سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اور ''الناس علیٰ دین ملوکھم'' کے تحت عوام کالانعام ہو رہے تھے۔ مسجدیں ویران ہو رہی تھیں۔ بدعات بڑھ رہی تھیں۔ امت مسلمہ کی اخلاقی حالت پستی کے عمیق گڑھوں میں سسکیاں لے رہی تھی۔ ۶۱ھ میں تاریخ اسلام کا وہ جانگسل واقعہ رونما ہوا جس کے باعث اہل اسلام کی گردنیں قیامت تک شرم سے جھکی رہیں گی۔ مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے قتل عام کی مثالیں بھی موجود تھیں، غلط فتوے دیے جاتے تھے۔ لیکن چشم فلک نے یہ کبھی نہ دیکھا تھا کہ یزید پلید جیسا شخص خلیفۃ المسلمین نامزد کیا جائے۔ قاضی شُریح جیسا بدبخت قتل حسین علیہ السلام کا فتویٰ ایک اشرفیوں کی تھیلی پر جاری کرے۔ ۱۰ محرم کی شام مسلم دُنیا کی کتنی سیاہ شام تھی۔ جب امام المعصومین، سیّد الشہداء، نواسۂ رسول، جگر گوشۂ بتول، فرزند علیؑ حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر سجدہ

ریز ہونے کی حالت میں سنان بن انس نے تن سے جدا کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ہمارا وجدان ششدر ہے اور ہماری نظر کوتاہ ہے اس بات کے ادراک سے کہ کوفے والے کیسے مسلمان تھے جن کے دلوں میں محبت رسول اور آل رسول اتنی سرد ہو چکی تھی کہ ایک چنگاری بھی سلگ نہ سکی۔ وہ معصوم جسے رسول نے اپنا محبوب، سردار بہشت اور جنت کی خوشبو قرار دیا تھا بیدردی سے شہید کر دیا گیا۔ یقیناً اس المناک واقعہ پر آسمان بھی گریہ کناں ہوا ہوگا، زمین نے بھی فریاد کی ہوگی مگر وہ پتھر دل ''مسلمان'' ٹس سے مس نہ ہوئے ،غفلت کے لحاف اور گمراہی کی دبیز اوڑھنیاں ان پر طاری رہیں۔ وہ رسول جو عالمی رواداری کا علمبردار تھا جو دشمنوں کیلئے بھی بارانِ رحمت تھا اس کی طرف منسوب ہونے والوں نے جگر گوشہ رسول کو پانی پینے سے روک دیا۔ سخت پیاس کی حالت میں جب آپ دریائے فرات کی طرف بڑھے تو پانی کی بجائے سنسناتے تیر نے آپ کا استقبال کیا۔ چہرہ مبارک خون آلودہ ہو گیا، اس طرح زخموں سے چور اور نڈھال وجود کو ظالموں نے تیروں وتلواروں سے شہید کر دیا۔

امت محمدیہ انتشار کا شکار تھی۔ مروان کے زمانے میں ایک طرف توابین کا خروج تھا تو دوسری طرف مختار بن ابی عبید ثقفی ظاہر ہو چکا تھا جس نے خود کو مہدیٔ وقت ظاہر کیا اور قتل حسین کے نام پر بہت سے بے گناہوں کے سر قلم کرا دیے۔ جو عرب اس کے مقابل اُٹھے انہیں قتل کرا دیا۔ خوارج الگ فتنہ بن کر ظاہر ہو چکے تھے۔ یوں امت میں متعدد فرقے تھے جن میں سے ہر ایک دوسرے کی جان کا دشمن تھا۔ حالت اتنی دگرگوں تھی کہ حرم مقدس جہاں گھاس کے سوا کسی درخت کو کاٹنا بھی منع تھا وہاں جنگ وجدل شروع ہو چکا تھا اور انسان گاجر مولی کی طرح کٹ رہے تھے۔ ''حجاج'' نے حرم پر سنگ باری کرائی جس سے خانہ کعبہ کی عمارت کو نقصان پہنچا۔ [۳]

۷۰ھ میں عبدالمالک کے زمانے میں رومیوں نے شام پر حملے کا ارادہ کیا۔ ادھر اندرون ملک ابن زبیر خطرے کا الارم بنا بیٹھا تھا۔ تب مسلمان ملک کے خلیفہ نے ہزار دینار فی ہفتہ تاوان پر رومیوں سے صلح کر لی...... حجاج کے ظلم وستم کی تو طویل داستان ہے۔ ابن زبیر اور سعید بن جبیر جیسے نڈر، بیباک اور صاف گو صحابہ کو شہید کرا دیا۔ بعض بزرگ صحابہ کو کوڑے لگائے گئے۔ ناجوہر شناسی اور بیقدری کا یہ عالم تھا کہ محمد بن قاسم اور موسیٰ بن نصیر جیسے عظیم جرنیلوں کو ذاتی عناد کی بناء پر ہلاک کرا دیا گیا۔ اور موسیٰ

بن نصیر کے بیٹے عبدالعزیز کا یہ حال تھا کہ اس نے ''راڈرک'' کی بیوہ سے نکاح کرلیا تھا۔ وہ اس کی زلف کا اسیر تھا۔ اس کی خواہش کے مطابق اس نے دروازہ چھوٹا بنوایا تا کہ لوگ جھک کر اس کی بیوی کے سامنے آئیں، گویا اس کو سجدہ کریں۔ عبدالعزیز کے متعلق لکھا ہے کہ وہ عیسائی ہو گیا تھا۔ اموی بادشاہ نماز تاخیر سے پڑھا کرتے تھے۔ بلکہ صحابہ کہا کرتے تھے **قد ضیعت الصلوٰۃ**۔ لوگ سنت رسول سے بیگانہ ہوا جاتے تھے۔ خطبات میں حضرت علیؓ کے خلاف زبانِ طعن دراز کی جاتی تھی اور سب وشتم سے کام لیا جاتا تھا۔ گویا دین ملاّ کی میراث بن کر رہ گیا تھا۔

یہ وہ سنگین و پرآشوب حالات تھے جو زبانِ حال و قال سے ایک مصلح کا مطالبہ کر رہے تھے۔ تب خدا نے دین کی تجدید کرنے کا اپنا وعدہ پورا کیا اور ۹۹ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے وجود میں مسلمانوں کو ایک مجدد عطا کیا جنہوں نے فاروقی عہد کی یاد تازہ کر دی۔ [۴]

ولادت ونسب

آپ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ بانی سلطنت بنواُمیہ مروان کے پوتے تھے۔ آپ کی والدہ ام عاصم حضرت عمرؓ بن خطاب فاروقِ اعظم کی پوتی تھیں۔ فاروقیت اور امویت کے اس سنجوگ کے نتیجہ میں ایک جوہر قابل ظاہر ہوا جس نے خلافت راشدہ کی یاد تازہ کر دی۔

خلافت سے قبل

چونکہ آپ شاہی خاندان کے فرد تھے اس لیے زندگی عیش وتنعم سے لبریز تھی۔ آپ کی تعلیم و تربیت بڑے اہتمام سے ہوئی۔ مشہور محدث صالح بن کیسان آپ کے نگران مقرر ہوئے۔ خوش لباسی اور نفاست پسندی کا یہ حال تھا کہ جس لباس پر ایک دفعہ کسی کی نظر پڑ جاتی دوبارہ اسے استعمال نہ کرتے۔ داڑھی پر عنبر چھڑکتے تھے۔ رجاء بن حیوۃ کا بیان ہے کہ آپ اپنے زمانے کے سب سے زیادہ خوش لباس، معطر اور تبختر کی چال چلنے والے تھے۔ [۵]

بشارت

حضرت عمرؓ بن خطاب فرمایا کرتے تھے کہ میری اولاد میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کے چہرے پر داغ ہوگا اور وہ زمین کو عدل سے بھر دے گا۔ ۶

یہ پیشگوئی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے وجود میں پوری ہوئی۔ چہرے پر داغ بھی تھا اور عدل پھیلانے کا عزم بھی شروع سے ہی کر رکھا تھا۔ جب ولید نے انہیں مدینہ کی گورنری پیش کی تو انہوں نے اس شرط پر اسے قبول کیا کہ میں دوسرے عمال کی طرح کام نہیں کروں گا۔ ولید نے اسے منظور کیا۔ ۷

سریرِ خلافت پر آنے کے بعد

اللہ تعالیٰ نے آپ سے احیائے دین کا کام لینا تھا اس لیے ماہ صفر ۹۹ھ میں آپ خلیفہ بنے اور خلافت کے بعد آپ کی زندگی یکسر بدل گئی۔ اب آپ عمرؓ بن خطاب کے جانشین نظر آتے تھے۔ آپ کی زندگی میں ابوذر غفاریؓ کا سا زہد نظر آتا تھا۔ جب اپنے پیش رو سلیمان کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر آ رہے تھے تو آپ کو شاہی سواریاں پیش کی گئیں۔ آپ نے انہیں خالی واپس لوٹا دیا اور فرمایا مجھے میرا خچر ہی کافی ہے۔ ۸

یوں آپ کی زندگی میں ایک انقلاب بپا ہوا۔ آپ کی عیش پرست زندگی پر موت وارد ہوئی اور ایک نئے وجود نے جنم لیا جو ایک دینی رہنما اور مجدد اسلام کی تمام خصوصیات اپنائے ہوئے تھا۔ جب آپ کو خلیفہ منتخب کیا گیا تو آپ نے آغاز خلافت میں تقریر فرمائی۔ جس میں آپ نے فرمایا:-

یاایھاالناس انه لیس بعد نبیکم نبیٔ و لیس بعد الکتاب الذی انزل علیکم کتابٌ ...... الآ انی لست بقاضی و انما انا منفذ الا و لست بمبتدع و لکن متبع۔ ۹

تمہارے نبی کے بعد دوسرا نبی آنے والا نہیں ہے اور جو کتاب اس پر اتاری گئی ہے اس کے بعد دوسری کوئی کتاب آنے والی نہیں ہے...... میں (اپنی طرف سے) کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں بلکہ صرف احکام الٰہی کو نافذ کرنے والا ہوں۔ خود اپنی طرف سے کوئی بدعت پیدا کرنے والا نہیں بلکہ محض پیرو ہوں۔

اور واقعتاً دو سال کے قلیل عرصہ میں آپ نے احکام الٰہی کو ہی نافذ کیا۔ بدعات کا خاتمہ کیا، امراء و عمال کا احتساب کیا اور بگڑے ہوئے دین کی اصلاح کر دی۔ جس کا تفصیلی تذکرہ آئندہ صفحات

میں کیا جائے گا۔

وفات

آپ بڑے شکیل تھے۔ رنگ گورا اور چہرہ وجیہ تھا۔ خلافت کی کل مدت دو سال پانچ ماہ تھی۔ ۱۰۱ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ اس بات کے قرائن موجود ہیں کہ آپ کے خاندان والوں نے زہر دے کر آپ کی زندگی کا خاتمہ کیا۔ دیر سمعان میں دفن ہوئے۔ چالیس برس کی عمر پائی۔ آپ کی چار بیویاں اور پندرہ بچے تھے۔

تجدید دین

آپ نے جو تجدیدی کارنامے کیے مختلف اطوار سے ان کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

تدوین حدیث

آپ کا یقیناً سب سے بڑا کارنامہ تدوین حدیث کی طرف شدت سے رغبت اور اس کی طرف عملی توجہ ہے۔ ابوبکر بن حزم جو کہ ایک بڑے عالم تھے، کو تدوین حدیث کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا: **انظر ما کان من حدیث رسول اللہ ﷺ فاکتبہ فانی خفت دروس العلم و ذھاب العلماء** ۔ جہاں حدیث رسول پاؤ اسے لکھ لو کیونکہ میں علم مٹ جانے اور علماء کے ختم ہو جانے سے ڈرتا ہوں۔

اس کے ساتھ تعیین فرمائی کہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن انصاریہ اور قاسم بن محمد بن ابی بکرہ کے ذخیرہ روایات کو فوراً قلمبند کیا جائے۔ عمال سلطنت اور مشاہیر علماء کو بالعموم اس کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی اور گشتی فرمان جاری کیا۔ فرمایا **انظروا الی حدیث رسول اللہ ﷺ فاجمعوہ** ۔ اس امر کیلئے آپ نے علماء کے خصوصی وظائف مقرر کر دیے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علماء کی توجہ اس طرف ہوگئی اور بعد میں پھر باقاعدہ حدیثوں کے عظیم الشان مجموعے تیار ہوئے۔ سعد بن ابراہیم اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

امرنا عمر بن عبدالعزیز بجمع السنن فکتبناھا دفترًا فبعث الی کل ارض له سلطان دفترًا۔ [10]

کہ عمر بن عبدالعزیز نے ہمیں احادیث جمع کرنے کا حکم دیا تو ہم نے کاپیاں لکھ ڈالیں اور آپ نے جہاں جہاں آپ کی حکومت تھی اس کا ایک ایک نسخہ بھجوا دیا۔

آپ کا یہ کارنامہ یقیناً عظیم الشان اور قابل بیان ہے۔ اب تدوین حدیث کا جب بھی تذکرہ ہوگا تو آپ کا نام سرفہرست ہوگا۔ کیونکہ عین اس وقت جب مسلمان رسول اللہ ﷺ کے طریق سے پرے جا رہے تھے آپ نے اس ضروری اقدام کی طرف توجہ دی۔

شریعت اسلامیہ و سنت نبوی کا نفاذ

اسلام کی حالت زار کا بیان پہلے کیا جا چکا ہے۔ اب صرف آپ کی مساعی جمیلہ کا ذکر ہی کیا جائے گا۔ آپ نے آغاز خلافت میں ہی ایک فرمان جاری کیا جس میں فرمایا:۔

"ان للایمان فرائض و شرائع و حدودًا و سننا فمن استکملھا ستکمل الایمان و من لم یستکملھا لم یستکمل الایمان فان اعش فسأبینھالکم حتی تعملوا بھا و ان امت فما أنا علی صحبتکم بحریص" ۔اسلام کے کچھ حدود و قوانین و سنن و شرائع ہیں۔ جو ان پر عامل ہوگا اس کے ایمان کی تکمیل ہوگی۔ جو ایسا نہیں کرے گا اس کا ایمان نامکمل رہے گا۔ اگر زندگی نے وفا کی تو میں تمہیں اس کی تعلیم دوں گا حتی کہ تم ان پر کاربند ہو جاؤ گے۔ اگر اس سے پہلے میرا وقت آ گیا تو میں تمہارے درمیان رہنے پر کچھ ایسا حریص بھی نہیں ہوں۔ [11]

آپ احیائے شریعت کے بارہ میں اتنے سنجیدہ اور فکرمند تھے کہ آپ کے ہر فرمان، ہر خط اور مراسلے میں شریعت پر عامل رہنے اور بدعات سے پرہیز کرنے کی تلقین ہوتی تھی۔ چنانچہ ابن جوزی لکھتے ہیں:۔

ماطلع کتاب عمر بن عبدالعزیز الاباحدی ثلاث احیاء سنة و اماتة بدعة و قسم یقسمه بین الناس۔ [12]

کہ عمر بن عبدالعزیز کا ہر خط ان تین باتوں میں سے کسی ایک پر مشتمل ہوتا تھا۔ سنت کے احیاء

پر، بدعت کے خاتمہ پر یا اس انعام پر جو آپ لوگوں میں تقسیم کیا کرتے تھے۔

ایک خط میں عمال سلطنت کو فرماتے ہیں:-

''میں نے تم کو حکومت کا جو کام سپرد کیا ہے اور جو اختیارات تفویض کیے ہیں ان میں تم کو احتیاط اور خوف خدا کی ہدایت کرتا ہوں...... تمہاری نظر اپنے اوپر اور اپنے عمل پر رہے اور ان چیزوں کی طرف جو تمہارے رب تک پہنچائیں...... تم اچھی طرح جانتے ہو کہ حفظ و نجات اس میں منحصر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں منزل مقصود تک پہنچ جاؤ اور اس یوم موعود کیلئے وہی چیز تیار رکھو جو خدا کے ہاں کام آنے والی ہو اور دوسروں کے واقعات میں تم نے ایسی عبرتیں دیکھیں ہیں جن کے برابر ہمارا وعظ و نصیحت مؤثر نہیں ہو سکتا''۔ ۱۳

پابندیٔ نماز

نماز میں بڑی بے قاعدگی آ گئی تھی خصوصاً حجاج نے نماز کی پابندی بالکل ترک کر دی تھی۔ نیز خلفائے بنو امیہ عمداً اور رسمًا تاخیر سے نماز پڑھتے تھے۔ آپ نے اس رسم کا خاتمہ کیا۔ اوّل وقت میں نماز کا اہتمام کرتے اور پابندی کا یہ عالم تھا کہ مؤذن دروازے پر آ کر یہ کہتا تھا السلام علیک یا امیر المومنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ وہ سلام نہ ختم کر پاتا تھا کہ آپ نماز کیلئے باہر تشریف لے آتے۔ ۱۴

آپ بیت المال سے مؤذنین کو وظیفہ دیا کرتے تھے۔ لوگوں کو اس بارہ میں تلقین کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا:-

جس نے نماز ضائع کی وہ دوسرے فرائض اسلام کا سب سے زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔ ۱۵

آپ نے عدی بن ارطاۃ کو فرمان لکھا کہ حجاج کے طریق کو ترک کر دو۔ **فلا تستن بسنته فان كان يصلى لغير وقتها**۔ کہ حجاج کا طریق مت اپناؤ وہ نماز کو تاخیر سے ادا کیا کرتا تھا۔

زکوٰۃ

آپ نے زکوٰۃ کا ایسا مؤثر نظام بنایا کہ زکوٰۃ وصدقہ قبول کرنے والا کوئی نہ ملتا تھا۔ یحییٰ بن سعید کہتے ہیں:- میں افریقہ میں تحصیل زکوٰۃ پر مقرر تھا۔ زکوٰۃ کی وصولی کے بعد اس کا مصرف ایک بھی نہ ملا۔ حتیٰ کہ میں نے چند غلام آزاد کرا کے ان کے حقوق کی ذمہ داری مسلمانوں کے سپرد کر دی۔ ۱۶

اسی طرح حجاج نومسلموں سے بھی جزیہ وصول کیا کرتا تھا۔آپ نے اسے بند کردیا۔اس پر مصر میں اتنے مسلمان ہوئے کہ حیان بن شریح نے لکھا کہ آمدنی گھٹ گئی ہے اور مجھے قرض لے کر مسلمانوں کو وظائف دینے پڑتے ہیں۔آپ نے اسے لکھا کہ ''جزیہ بہرحال موقوف کردو رسول اللہ ﷺ ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے محصل بنا کر نہیں''۔ ۱۷

شراب پر پابندی

ان ایام میں شراب کا رواج عام ہورہا تھا۔محلوں اور بازاروں میں ہر جگہ شراب چلتی تھی۔ غیر مسلم مسلمان باشندوں کے شہروں میں آکر شراب فروخت کرتے تھے۔آپ نے حکماً اس پر پابندی لگادی اور شراب نوشی کی دکانوں کو بند کردیا۔اس طرح نبیذ اور طلاء وغیرہ کا استعمال حد سے تجاوز کررہا تھا۔آپ نے ایسا کرنے سے منع کیا۔شراب کی مشکوں کو پھاڑنے اور مٹکوں کو توڑنے کا حکم دیا۔عمر بن عبدالعزیز نے ایک شخص کو شراب پینے پر اسّی کوڑے لگوائے تو وہ شخص تائب ہوگیا اور آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ ۱۸

باغ فدک

مروان نے باغ فدک ذاتی جاگیر میں شامل کرلیا تھا اور آل رسول کو اس کی آمدنی سے محروم کردیا تھا۔آپ نے رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے طرز عمل کے مطابق بنو ہاشم پر خرچ کرنا شروع کردیا۔ ۱۹

روزہ

آپ سنت نبویؐ کے مطابق پیر اور جمعرات کو روزہ رکھا کرتے تھے۔ ۲۰

خلافت کی اصلاح

اموی بادشاہوں میں شخصی خلافت کا رواج تھا اور اس کے علاوہ خلیفہ اور رعایا دو الگ الگ چیزیں نظر آتی تھیں۔نماز کے بعد خلفاء پر درود بھیجا جاتا تھا۔لوگ مخصوص طریق سے انہیں سلام کرتے

تھے۔ وہ چلتے تھے تو ساتھ نقیب و علمبردار ہوتے، آپ نے یہ سب رسومات ختم کر دیں۔ آپ سے پہلے خلیفہ صرف حاکم ہوتا تھا اور روحانی اصلاح فقہاء و محدثین کے ذمہ تھی۔ آپ نے اس دوئی کو مٹایا اور صحیح اسلامی خلافت کا روپ اپنایا۔ آپ نے عمال کو جو احکامات جاری کئے ان میں اکثر و بیشتر اخلاقی نصائح ہوتیں۔ ان میں حکومت کی روح سے زیادہ مشورہ و نصیحت کی روح ہوتی۔ امراء کو وقت پر نماز پڑھنے کی تلقین، علم کی نشر و اشاعت، تقویٰ و اتباع شریعت کی وصیت اور اپنے علاقے میں تبلیغ دین کی ترغیب دلاتے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اہتمام کی تاکید فرماتے۔ اسلام کے قوانین تعزیرات کی وضاحت فرماتے۔ نوحہ گری، عورتوں کا جنائز کے ساتھ جانا بند کراتے، پردہ کی تاکید کرتے۔ لونڈیوں کیلئے آپ نے لباس مخصوص کر دیا جس میں پردے کا خیال رکھا گیا تھا۔ قبائلی عصبیت کی مذمت کرتے۔ ۲۱

بیت المال کی اصلاح

آپ سے قبل یہ دستور تھا کہ عمال عشاء اور فجر کے وقت نمازوں کو جاتے تو آدمی ساتھ شمع لے کر چلتا اور اس کے مصارف بیت المال سے ادا ہوتے۔ اسی طرح شاہی خاندان کو وظیفہ خاصہ ملتا تھا جو آپ نے بند کرا دیا۔ خمس کے مصارف میں اہل بیت کو نظر انداز کیا جاتا تھا۔ آپ نے ان کو ان کے حصص عطا کیے۔

بیت المال کی ذرا سی خیانت بھی برداشت نہ کرتے تھے اور فوراً باز پرس کرتے تھے۔ ایک مرتبہ یمن کے بیت المال میں سے ایک اشرفی گم ہوگئی، آپ نے وہاں کے حاکم کو لکھا کہ تمہاری امانت پر بدگمانی نہیں کرتا لیکن تمہیں لاپرواہی کا مجرم قرار دیتا ہوں۔ تم پر فرض ہے کہ اپنی صفائی پر شرعی قسم کھاؤ۔

معمولی معمولی باتوں میں احتیاط برتتے تھے۔ آپ کے فرامین ایک بالشت سے زیادہ نہ ہوتے تھے۔ کاتب کو ہدایت تھی کہ باریک قلم سے لکھا کرو۔ جب اپنا ذاتی کام کرتے تو بیت المال کا چراغ گل کرا دیتے۔ ۲۲

بہت سے اموال کو شاہی خاندان، اموی عمال اور دوسرے عمائدین نے اپنی ذاتی جاگیر بنا لیا تھا۔ آپ نے ساری موروثی جاگیر بیت المال کے سپرد کر دی۔ یہ امر اگرچہ سارے خاندان کی مخالفت مول لینے کے مترادف تھا مگر آپ نے یہ فریضہ سرانجام دیا اور کسی نے اولاد کے متعلق سوال کیا تو فرمایا

کہ ''اولاد کو خدا کے سپرد کرتا ہوں''۔آپ نے ایک خطاب فرمایا اور جا گیرداروں کی اسناد کا خریطہ طلب کیا۔ایک شخص ان کو پڑھتا جاتا اور آپ انہیں قینچی سے کاٹ کاٹ کر پھینکتے جاتے۔فجر سے لے کر ظہر تک یہ سلسلہ جاری رہا اور اپنے پورے خاندان کی ایک ایک جا گیر واپس کردی۔حتیٰ کہ اپنے پاس ایک نگینہ تک نہ رہنے دیا۔ ۲۳

محاصل کی اصلاح

کئی ظالم محصّل طرح طرح کے ٹیکس عائد کر کے غریب عوام کو تنگ کرتے تھے۔آپ نے اس کام میں نرمی کا حکم دیا۔خراج لینے کے متعلق آپ نے عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کو لکھا ''زمین کا معائنہ کرو۔بنجر زمین کا بار آباد زمین پر اور آباد زمین کا بار بنجر زمین پر نہ ڈالو۔بنجر زمینوں کا خود معائنہ کرو۔اگر ان میں کچھ صلاحیت ہو تو بقدر گنجائش اس سے خراج لو اور اس کی اصلاح کرو تا کہ آباد ہو جائے۔جن آباد زمینوں سے پیداوار نہیں ہوتی اُن سے خراج نہ لو اور اس کی اصلاح کرو تا کہ آباد ہو جائے۔جن آباد زمینوں سے پیداوار نہیں ہوتی اُن سے خراج نہ لو۔قحط زدہ زمینوں کے مالکوں سے نرمی سے خراج وصول کرو۔خراج میں صرف وزن سبعہ لو جس میں سونا نہ ہو۔ٹکسال اور چاندی پگھلانے والوں سے ٹیکس نوروز اور مہرجان کے ہدیے،عرائض نویس اور شادی کا ٹیکس،گھروں کا ٹیکس اور نکاخانہ (محصول چونگی) نہ لو۔اور جو ذمی مسلمان ہو جائیں ان پر خراج نہیں''۔ ۲۴

جیل خانے کی اصلاح

آپ سے پہلے قیدیوں سے بہت برا سلوک روا رکھا جاتا تھا۔معمولی شبہ پر گرفتار کر کے قتل کردیے جاتے تھے۔جو قیدی جیل میں مرجائے وہ بے گوروکفن رہتے اور دوسرے قیدی تعفن سے بچنے کیلئے خود پیسے جمع کرا کے دفنا دیتے۔آپ نے ان کی اصلاح کیلئے فرمان جاری کیا۔جس کا خلاصہ یہ تھا۔

۱۔ ایسی بیڑی نہ پہناؤ کہ قیدی کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکے۔بجز قاتل کے ہر ایک کی بیڑی رات کو کھول دی جائے۔

۲۔خوراک کی جگہ انہیں نقدی دی جائے (کیونکہ خوراک میں سے عمال خیانت کرتے تھے)۔

۳۔قیدیوں کوسرما اور گرما کے مطابق لباس دیا جائے۔عورتوں کو برقعہ بھی دیا جائے۔
۴۔یہ رواج ختم کیا جاتا ہے کہ قیدی پابندِ سلاسل ہو کر بھیک مانگنے نکلیں۔
۵۔جو قیدی مر جائے اور اس کے عزیز نہ ہوں تو اس کی تجہیز و تکفین بیت المال سے ہو۔
۶۔تعزیرات میں حد سے نہ بڑھو بجز شرعی حق کے مسلمان کی پیٹھ ننگی نہ ہو۔ ۲۵

بدعات ورسومات کا استیصال

مجدد کا ایک اہم کام صدی کے دوران پیدا شدہ فتنوں ، بدعات اور نت نئی رسومات کا قلع قمع کرنا ہوتا ہے۔آپ اس کام میں خوب مشغول نظر آتے ہیں۔آپ کے عہد میں مسلمان لہو ولہب میں مشغول تھے۔عورتیں نوحہ خوانی کرتی تھیں اور جنازوں کے ہمراہ جاتی تھیں۔آپ نے فرمان جاری کیا کہ:-

ا۔''اس نوحہ و ماتم پر قدغن سخت کرو......مسلمانوں کو اس لہو ولعب اور راگ باجے وغیرہ سے روکو اور جو باز نہ آئے اسے اعتدال کے ساتھ سزا دو''۔ ۲۶

۲۔اس زمانے میں بادشاہوں کی اندھی تقلید کا رواج تھا۔آپ نے مسجد دمشق میں کھڑے ہو کر بآواز بلند فرمایا ''اللہ کی نافرمانی میں ہماری اطاعت واجب نہیں''۔ ۲۷

۳۔حماموں کا رواج عام ہو رہا تھا۔مرد عورتیں بے باکانہ غسل کرتے۔پردہ اور شرم وحیاء اُٹھتی جارہی تھی۔آپ نے عورتوں کے حمام پر جانے پر پابندی عائد کردی اور مردوں کو تہہ بند باندھ کر نہانے کی پابندی کرائی۔خلاف ورزی کرنے والے کو سزا دی جاتی۔اسی طرح حماموں کی دیواروں پر خلاف شرعی تصاویر ہوتی تھیں۔آپ نے ایک مرتبہ جا کر اپنے ہاتھوں سے انہیں مٹایا اور فرمایا اگر مصور کا معلوم ہوتا تو میں اسے سزا دیتا۔

۴۔لوگوں نے رسماً لمبے بال رکھنے شروع کردیے تھے اور پٹیاں جماتے تھے۔آپ نے پولیس (Police) کو حکم دیا کہ وہ جمعہ کے دِن مسجد کے دروازے پر کھڑی ہو جایا کرے۔جو پٹیاں جماتے ہوئے گزرے اس کے سر کے بال کاٹ ڈالیں۔ ۲۸

۵۔ اموی خلفاء کے عہد میں ایک بری عادت یہ چل پڑی کہ عمال خطبے میں حضرت علیؓ پر لعن

طعن کیا کرتے تھے اور یہ بات خطبے کا جزو بن گئی تھی۔آپ نے اسے بالکل ختم کیا اور اس کی بجائے یہ آیات پڑھنے کا حکم دیا۔**ان اللہ یامر بالعدل والاحسان ...... لعلکم تذکرون۔** ۲۹

۶۔ایک رسم بادشاہوں کو تحفے تحائف دینے کی تھی۔آپ اس کی بھی سختی سے پابندی کرتے تھے اور کوئی چیز وصول نہ کرتے۔ایک مرتبہ آپ کے اہل بیت میں سے کسی نے ایک سیب آپ کو تحفہ میں بھجوایا۔آپ نے شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا اور جب لانے والے نے دلیل دی کہ حضورﷺ بھی لے لیا کرتے تھے تو آپ نے فرمایا کہ ''ہدیہ حضور کیلئے ہدیہ ہی تھا اور ہمارے لیے رشوت ہے''۔ ۳۰

۷۔پارسیوں کے تہواروں کے دن امیر معاویہ رعایا سے ایک بڑی رقم بطور ہدیہ لیتے تھے جس کی مقدار ایک کروڑ تھی۔آپ نے اسے یک لخت موقوف کر دیا۔ ۳۱

ہر بدعت کو ختم کرنے کے بارے میں آپ اتنے کمر بستہ تھے کہ فرماتے ہیں:۔

''ہر وہ بدعت جسے اللہ میرے ہاتھ سے میرے گوشت کے ٹکڑے کے عوض مردہ کر دے اور ہر وہ سنت جسے اللہ میرے ہاتھ پر قائم کر دے یہاں تک کہ اس کا انجام میری جان پہ ہو تو میرے لیے یہ آسان ہے''۔ ۳۲

مذہبی اصلاح

لوگ اِسلام کی سادہ اور پُرکشش، قابل فہم تعلیم سے دور جا رہے تھے۔آپ نے اس کا تدارک کیا۔''اہل اہواء'' مسئلہ قدر کی غلط تشریحات کرتے تھے۔آپ نے ان کے لیڈر ''غیلان'' دمشقی سے توبہ کرائی اور اس فاسد عقیدے کی اشاعت روکنے کیلئے ہر ممکن تدبیر کی۔امام مکحول سے فرمایا:۔

ایاک ان تقول فی القدر ما یقول ھؤلاء یعنی غیلان و اصحابہ۔ ۳۳

کہ تو مسئلہ قدر کے بارے میں غیلان اور اس کے ساتھیوں کی بات کہنے سے احتراز کر۔

اسی طرح آپ اپنے عہد خلافت میں مذہبی تعلیم کی نشر و اشاعت میں کوشاں نظر آتے ہیں۔ آپ نے اہل علم کو علم پھیلانے کی طرف متوجہ کیا۔جو لوگ اس کام کیلئے وقف ہوتے انہیں سو دینار وظیفہ دیتے۔اسی طرح طلباء کو بھی وظائف دیتے۔آپ نے عمال کو لکھا:۔

اما بعد فامر اھل العلم ان ینشر العلم فی مساجدھم فان السنة کانت قد امیتت۔ ۳۴

اہل علم کو حکم دو کہ وہ مساجد میں علم پھیلائیں کیونکہ سنت پر موت وارد ہو چکی ہے۔

معاصرین کی گواہی

آپ کی ان مساعی جمیلہ کی بدولت مسلم عوام کے رجحانات ہی تبدیل ہو گئے۔قوم کے مذاق اور مزاج میں نمایاں فرق آ گیا۔ چنانچہ اس زمانے کے علماء کہتے ہیں ''ہم جب ولید کے زمانے میں جمع ہوتے تو عمارتوں اور طرز تعمیر کی بات چیت کرتے ......سلیمان کو کھانوں اور دعوتوں کا بڑا شوق تھا۔اس کے زمانے میں مجلسوں کا موضوع سخن یہی تھا لیکن عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں نوافل و اطاعت، ذکر الٰہی گفتگو اور مجلسوں کا موضوع بن گیا۔ جہاں چار آدمی جمع ہوتے تو ایک دوسرے سے پوچھتے کہ رات کو قرآن پڑھنے کا تمہارا کیا معمول ہے۔تم نے کتنا قرآن یاد کیا ہے۔تم قرآن کب ختم کرو گے اور کب ختم کیا تھا۔ مہینے میں تم کتنے روزے رکھتے ہو۔ [۳۵]

مندرجہ بالا چند صفحات میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی اندرونی اصلاح اور مسلمانوں کی تربیت کا جائزہ لیا گیا ہے۔اب ذرا آپ کی دعوت الی اللہ اور اشاعت اسلام کا تذکرہ ہو جائے۔

اشاعت اسلام

آپ نے روم کی طرف جانے والی افواج کو نصیحت فرمائی۔

۱۔ لا تقتلن حصناً من حصون الروم ولا جماعة من جماعاتهم حتى تدعوهم الى الاسلام۔ [۳۶]

کہ روم کے کسی قلعے یا جماعت پر اس وقت تک حملہ نہ کرنا جب تک انہیں اسلام کی دعوت نہ دے لو۔

۲۔ آپ نے ماوراء النہر کے بادشاہوں کو دعوت اسلام دیتے ہوئے خطوط لکھے اور ان میں سے بعض اسلام لے آئے۔

۳۔ بلاذری نے فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ ''عمر بن عبدالعزیز نے ہندوستان کے راجاؤں کو سات خطوط لکھے اور انہیں اسلام اور اطاعت کی دعوت دی اور وعدہ کیا کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کو اپنی سلطنتوں پر باقی رکھا جائے گا اور ان کے وہی حقوق و فرائض ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں''۔

ان کے اخلاق وکردار کی خبریں وہاں پہلے پہنچ چکی تھیں۔اس لیے انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور اپنے نام عربوں کے نام پر رکھے۔ ۳۷

۴۔ آپ نے علماء کو چار دانگ عالم میں پھیلا دیا۔جن میں سے مشہور حضرت نافع، حضرت یزید بن ابی مالک، جناب مہران، جناب جعثل، جناب یزید بن ابی حبیب، جناب حارث الاشعری اور عاصم بن عمر ہیں۔

۵۔ آپ نے اسمٰعیل بن عبداللہ بن ابی المہاجر کو مغرب کا گورنر بنایا۔انہوں نے جا کر بَر بر اقوام کو اسلام کی دعوت دی۔ بعد ازاں خود عمر بن عبدالعزیز نے ان کے نام دعوت نامہ جاری کیا۔ جناب اسمٰعیل نے یہ دعوت نامہ انہیں پڑھ کر سنایا تو بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔یوں مغرب میں اسلام کے غلبہ کی داغ بیل پڑی۔ ۳۸

۶۔ آپ کی جدوجہد تبلیغ کا نتیجہ تھا کہ جراح بن عبداللہ حکمی جو آپ کے دور میں خراسان کے والی تھے کے ہاتھ پر چار ہزار ذمی مسلمان ہوئے۔ ۳۹

پہلی صدی کے دوسرے معروف مجدّدین کے نام یہ ہیں۔

حضرت سالم

حضرت قاسم

حضرت مکحول ۴۰

حوالہ جات

۱۔ طبقات ابن سعد 5/322

۲۔ ملفوظات جلد 1 صفحہ 92

۳۔ ابوداؤد۔ کتاب الصلوٰہ باب الخطبہ

۴۔ تلخیص از تاریخ اسلام نصف اوّل۔ مؤلفہ مولانا معین الدین ندوی۔ صفحہ 357-494

۵۔ ایضاً صفحہ 496

۶۔ تاریخ الخلفاء از مولانا جلال الدین سیوطیؒ۔ اردو ترجمہ صفحہ 258

۷۔ عمر بن عبدالعزیز از اختر رشید ندوی۔ صفحہ 68 وطبقات ابن سعد جلد 5 صفحہ 330

۸۔ طبقات الکبریٰ۔ جلد 5 صفحہ 338

۹۔ طبقات ابن سعد۔ جلد 5 صفحہ 319

۱۰۔ تاریخ اسلام۔ معین الدین ندوی حصہ اوّل۔ صفحہ 523

۱۱۔ صحیح بخاری۔ کتاب الایمان باب قول النبی ﷺ علی خمس

۱۲۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ رشید اختر ندوی۔ صفحہ 81

۱۳۔ ایضاً صفحہ 92

۱۴۔ طبقات ابن سعد۔ جلد 5 صفحہ 337

۱۵۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ عبدالسلام ندوی۔ صفحہ 124

۱۶۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ عبدالسلام ندوی۔ صفحہ 169

۱۷۔ کتاب الخراج از امام ابو یوسفؒ۔ صفحہ 75

۱۸۔ ابن سعد جلد نمبر 5 صفحہ 269,326,342

۱۹۔ تاریخ الاسلام نصف اوّل۔ صفحہ 500

۲۰۔ طبقات الکبریٰ جلد 5 صفحہ 333

۲۱۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ابن جوزی بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت۔جلد 1 صفحہ 51

۲۲۔ تاریخ اسلام نصف اوّل۔صفحہ 504

۲۳۔ تاریخ اسلام جلد اوّل۔صفحہ 499

۲۴۔ کتاب الخراج۔امام ابو یوسف صفحہ 49۔تاریخ طبری واقعات 101ھ

۲۵۔ کتاب الخراج۔امام ابو یوسف۔صفحہ 162

۲۶۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز از عبدالسلام ندوی۔صفحہ 126

۲۷۔ طبقات ابن سعد۔جلد 5 صفحہ 322

۲۸۔ طبقات ابن سعد۔جلد پنجم صفحہ 335-360

۲۹۔ تاریخ الخلفاء ترجمہ۔صفحہ 309

۳۰۔ تاریخ الخلفاء اردو ترجمہ۔صفحہ 301

۳۱۔ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز۔عبدالسلام ندوی۔صفحہ 109

۳۲۔ طبقات ابن سعد جلد پنجم صفحہ 322

۳۳۔ تاریخ الخلفاء۔صفحہ 274

۳۴۔ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز۔عبدالسلام ندوی۔صفحہ 132

۳۵۔ تاریخ طبری بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت۔جلد 1 صفحہ 67

۳۶۔ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز۔عبدالسلام ندوی۔صفحہ 118

۳۷۔ فتوح البلدان از بلاذری۔صفحہ 446

۳۸۔ فتوح البلدان۔صفحہ 357

۳۹۔ طبقات ابن سعد۔جلد پنجم صفحہ 364

۴۰۔ عسل مصطفیٰ۔جلد 1 صفحہ 162 بحوالہ نجم الثاقب جلد 2 صفحہ 9۔قرۃ العیون نمبر 1 صفحہ 4 تعریف الاحیاء لفضائل الاحیاء۔

دوسری صدی کے مجدد

حضرت اِمام شافعی

رَحمَۃُ اللّٰہِ عَلَیہ

سنہ ۱۰۵ھ - سنہ ۲۰۴ھ

''میں نے اجماع کے حجت ہونے کی دلیل تلاش کرنے میں تین سو مرتبہ اوّل سے آخر تک قرآن مجید پڑھا''۔ [1]

(امام شافعیؒ)

ولادت نام ونسب

الامام ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید یزید بن ہاشم بن المطلب بن عبد مناف القریشی الہاشمی المطلبی ۱۵۰ھ بمطابق 667ء بمقام غزہ (فلسطین) میں پیدا ہوئے۔ وہاں سے عسقلان منتقل ہو گئے۔ چنانچہ خود لکھتے ہیں:۔

"ولدت الغزة و حملتنی امی الی عسقلان"۔ ۲

میں غزہ میں پیدا ہوا اور والدہ مجھے عسقلان لے گئیں۔

والدہ کا نام فاطمہ بنت عبیداللہ بن الحسن بن الحسین بن علیؓ تھا۔ گویا آپ نجیب الطرفین تھے۔ آپ بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے۔

مختصر حالات زندگی

آپ نے دینی ماحول میں آنکھ کھولی۔ سات برس کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا۔ دس سال کے ہوئے تو مؤطا امام مالک یاد کر لی اور جذبِ علم کا یہ حال تھا کہ پندرہ برس کی عمر میں آپ کو فتویٰ دینے کی اجازت مل گئی تھی۔ تیرہ برس کے تھے کہ علم کی پیاس بجھانے مدینہ حاضر ہوئے اور امام مالک کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے اور امام صاحب کی وفات کے بعد مکہ آئے اور مسلم بن خالد الزنجی، سفیان بن عیینہ اور دیگر علماء سے تحصیل علم کیا۔ علم سے فراغت پانے کے بعد بیت اللہ میں درس دیتے رہے۔ 810ء میں بغداد آئے اور 814ء میں مصر میں رونق افروز ہوئے اور لوگوں کو اپنے افادات سے نوازتے رہے۔

وفات

۳۰/رجب ۲۰۴ھ کو (بمطابق 20 جنوری 721ء) فسطاط میں آپ کی وفات ہوئی اور المقطم کے دامن میں بنو عبدالحکم کے مسقّف حصے میں دفن ہوئے۔

بشارتِ نبوی

آپ کو بچپن میں ہی خواب میں بتا دیا گیا تھا کہ آئندہ آپ تجدید و احیائے دین جیسے اہم کام

پر مامور کیے جائیں گے۔ خواب میں حضرت نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا تو کس خاندان سے ہے۔ عرض کیا حضور کے خاندان سے ہی ہوں۔ فرمایا قریب آ اور پھر اپنا لعاب دہن آپ کی زبان پر، ہونٹوں پر اور منہ میں ڈال دیا اور فرمایا جا خدا تجھے برکت دے۔

پھر خود بیان فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے دیکھا۔ نماز کے بعد میں نے عرض کیا حضور مجھے کچھ سکھایئے۔ آپ نے اپنی آستین سے میزان مجھے عطا کی اور فرمایا تیرے لیے میری طرف سے یہ عطیہ ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ ایک معبر سے میں نے تعبیر پوچھی تو اس نے بتایا کہ تم دنیا میں حضور علیہ السلام کی سنت مطہرہ کی نشر و اشاعت میں امام بنو گے۔ ۳؎

دوسری صدی کے مجدد

آپ کو دوسری صدی کا مجدد تسلیم کیا جاتا ہے۔ ابو بکر بزاز راوی ہیں کہ انہوں نے عبدالمالک سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت امام احمد بن حنبل کے پاس تھا اور امام شافعی کا ذکر چل پڑا۔ تو میں نے دیکھا کہ امام احمد بن حنبل امام شافعی کی بہت تعریف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ اس امت کیلئے ہر صدی کے سر پر ایسا شخص پیدا کرے گا جو دین کو قائم کرے گا۔ سو پہلی صدی پر عمر بن عبدالعزیز ہوئے اور مجھے امید ہے کہ دوسری صدی کے مجدد امام شافعی ہیں۔ ۴؎

نواب صدیق حسن خانصاحب امام صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:-

کہ دوسری صدی میں فتنہ مامون اٹھا۔ اس نے خلق قرآن کا عقیدہ اور کئی دوسرے بدعقائد کی تشہیر کی اور سارے ملک میں اپنے زمانے کے علماء کو جو ان عقائد کا اقرار نہ کرتا تھا اسے مار پیٹ، قید و بند اور قتل کی سزا دیتا اور یہ اس صدی کے عظیم فتنوں میں سے تھا۔ اور اس بادشاہ سے پہلے کسی نے بھی مخلوق خدا کو اس بدعت کی طرف نہیں بلایا تھا۔ خدا تعالیٰ نے اس فتنہ کے استیصال کیلئے حضرت امام شافعی کو بھیجا اور زمین آپ کے علم سے بھر گئی۔ ۵؎

اُس زمانے کے حالات

اس زمانے میں مناظروں کی کثرت تھی۔ حقیقی و مفروضہ مسائل پر فتوے مرتب ہوتے۔ وہ اصول و قواعد وجود میں آئے جن کی روشنی میں احکام فرعیہ کی تفریع ممکن ہوگئی۔ مناظرات کے باعث

اصول، استنباط و استدلال فقہ کے موازین بن گئے۔ بحث و مباحثے کے موضوع یہ تھے کہ سنت حجت ہے یا نہیں۔ کس طرح کی احادیث واجب الاخذ ہیں۔ کیا حدیث متصل کے ساتھ حدیث مرسل بھی قابل قبول ہے یا نہیں۔ سنت صرف قرآن کریم کی تبیین کا کام کرتی ہے یا یہ احکام قرآن پر زیادتی بھی کرسکتی ہے۔ سنت قرآنی حکم کو منسوخ کرسکتی ہے یا نہیں۔ نسخ پر مناظرہ کا بازار گرم تھا۔ ایسے حالات میں امام صاحب ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں اپنے افکار اور فقہی مذہب لے کر میدان میں اترے۔ ؎٦

امام شافعیؒ کی یگانہ روزگار شخصیت

آپ کی شخصیت کا بیان اس لئے ضروری ہے کہ اس زمانے کے حالات و واقعات کا گہرا اثر آپ کی شخصیت میں تھا۔ حالات و واقعات کے باعث آپ کی شخصیت ایک خاص رنگ میں ڈھل چکی تھی جس میں ایک مجددانہ شان تھی۔ آپ یگانہ روزگار تھے۔ بیک وقت مجتہد، مفسر، محدث، فقیہہ، متکلم، ادیب، ماہر لغت، نحو و بلاغت کے امام گویا جامع العلوم تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

''ہم تو تفرقہ نہیں ڈالتے بلکہ ہم تفرقہ دور کرنے کے واسطے آئے ہیں۔ اگر احمدی نام رکھنے میں ہتک ہے تو پھر شافعی، حنبلی کہلانے میں بھی ہتک ہے۔ مگر یہ نام ان اکابر کے رکھے ہوئے ہیں جن کو آپ بھی صلحاء مانتے ہیں۔ وہ شخص بدبخت ہوگا جو ایسے لوگوں پر اعتراض کرے اور ان کو برا کہے۔ صرف امتیاز کیلئے ان لوگوں نے اپنے یہ نام رکھے تھے۔ ہمارا کاروبار خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ہم پر اعتراض کرنے والا خدا تعالیٰ پر اعتراض کرتا ہے۔ ہم مسلمان ہیں اور احمدی ایک امتیازی نام ہے۔ اگر صرف مسلمان نام ہو تو شناخت کا تمغہ کیونکر ظاہر ہو۔ خدا تعالیٰ ایک جماعت بنانا چاہتا ہے اور اس کا دوسروں سے امتیاز ہونا ضروری ہے۔ بغیر امتیاز کے اس کے فوائد مرتب نہیں ہوتے اور صرف مسلمان کہلانے سے تمیز نہیں ہوسکتی۔ امام شافعی اور حنبل کا زمانہ بھی ایسا تھا کہ اس وقت بدعات شروع ہوگئی تھیں۔ اگر اس وقت یہ نام نہ ہوتے تو اہل حق اور ناحق میں تمیز نہ ہوسکتی، ہزارہا گندے آدمی ملے جلے رہتے۔ یہ چار نام اسلام کے واسطے مثل چار دیواری کے تھے۔ اگر یہ لوگ پیدا نہ ہوتے تو اسلام ایسا مشتبہ مذہب ہو جاتا کہ بدعتی اور غیر بدعتی میں تمیز نہ ہوسکتی''۔ ؎٧

خداداد صلاحیتوں کے مالک

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا:-

’’لکھا ہے کہ امام مالکؒ درس دیا کرتے تھے ان کے درس میں امام شافعیؒ صاحب آ گئے۔ امام مالکؒ مدینہ میں رہتے تھے اور یہ مکہ سے گئے تھے۔ ان کی عمر بھی چھوٹی تھی یعنی تیرہ سال کی تھی۔ جب وہ تین دن ان کے درس میں بیٹھے اور انہوں نے دیکھا کہ ان کے پاس کاپی اور قلم دوات نہیں۔ تو امام مالکؒ نے انہیں کہا لڑکے تو کیوں یہاں بیٹھا کرتا ہے؟ امام مالک کو برا معلوم ہوا کہ جب درس میں آتا ہے تو لکھتا کیوں نہیں؟ امام شافعیؒ کو خدا نے ایسا حافظہ دیا تھا کہ جو بات سنتے یاد ہو جاتی۔ انہوں نے کہا پڑھنے کیلئے آیا ہوں۔ امام مالکؒ نے کہا پھر لکھتا کیوں نہیں؟ انہوں نے کہا میں جو کچھ سنتا ہوں یاد ہو جاتا ہے۔ امام مالکؒ نے کہا اچھا جو کچھ میں نے پڑھایا ہے سناؤ۔ انہوں نے سنا دیا۔ امام مالکؒ کے دوسرے شاگرد کہتے ہیں کہ ہماری کاپیوں میں غلطیاں نکلیں مگر انہوں نے صحیح صحیح سنا دیا‘‘۔ ۸

عباسی عصر میں آپ کا فاضلانہ مقام

آپ عباسی عصر میں پیدا ہوئے، اسی میں انہوں نے زندگی بسر کی۔ زندگی کی ساری سرگرمیاں اسی دور میں بسر ہوئیں۔ یہ زمانہ دولت عباسیہ کے استقرار کا زمانہ تھا۔ اس کی سطوت وشوکت کا عہد تھا۔ یہ عصر متعدد اعتبارات سے امتیازات کا حامل تھا۔ احیاء علوم پر اس کی اثر اندازی سے انکار کی گنجائش نہیں۔ یہی عہد ہے جب علمائے اسلام فلسفہ یونان، ادب فارس اور علوم ہند سے روشناس ہو رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے امام صاحب کو وقت کے تقاضوں کے مطابق علوم سے مالا مال کر دیا۔ آپ کو مواہب کا وہ وافر حصہ ملا تھا جس سے انہیں فکر کا منصب قیادت ملا اور وہ رائے کے کاروان کے سالار ٹھہرے۔ امام شافعیؒ کی شخصیت قوی المدارک تھی۔ ان کے قوائے عقلی و ذہنی ہر اعتبار سے قوی اور مضبوط تھے۔ برجستہ کلامی ان کا طرہ امتیاز تھا۔ جب ضرورت ہوتی تو معانی کا سیلاب امڈ پڑتا۔ وہ حبسِ فکر کے مریض نہ تھے۔ معاملات ومسائل کے فہم وادراک کا دروازہ ان پر کبھی بند نہیں ہوا تھا۔ حقائق ان کے سامنے ہمہ وقت رہتے تھے۔ ان کی منطق کو درجہ استقامت حاصل تھا۔ ان کی فکر عمیق تھی۔ ان کی تحقیق وتجسس کا دور اس وقت تک ختم نہ ہوتا جب تک حق کی چہرہ کشائی پورے طور پر نہ ہو جاتی۔ امام

صاحب ان میں سے تھے جن میں نہ خود پسندی تھی نہ برتری کا جذبہ۔ بحث کے موقعہ پر انہیں کبھی غصہ نہ آتا تھا، نہ ان کی حدت لسانی کسی موقعہ پر دوسروں کی دل شکنی کا باعث بنتی۔ طلب حق کے سلسلہ میں شافعی کے اخلاص کا یہ عالم تھا کہ وہ چاہتے تھے کہ لوگ ان کے علم سے فیضیاب ہوں۔ بلا سے یہ انتساب ان کی طرف نہ ہو، اس کی انہیں قطعاً کوئی پرواہ نہیں تھی۔ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے ''میں چاہتا ہوں کہ لوگ یہ علم حاصل کریں۔ مجھے نہ مدح کی پرواہ ہے نہ کسی اور طرح کی آرزو۔

امام شافعیؒ کی ذات گونا گوں ملکات ومحاسن کا مجموعہ تھی۔ انہوں نے اپنے علم بیکراں سے خود بھی فائدہ اٹھایا اور معاصرین کو بھی اخذ واستفادہ کا موقع دیا اور ملت اسلامیہ کا دامن بھی گراں بہا ذخائر علمی سے بھر دیا۔ امام صاحب کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ باھمہ فضل وکمال زندگی کے آخری سانس تک وہ طالبعلم ہی رہے۔ علم کے ساتھ جو رشتہ تھا مرور ایام کے ساتھ ساتھ اس میں استحکام پیدا ہوتا تھا۔ امام صاحب کی ذاتِ گرامی ہر اس کیلئے جو علم کا جویا ہے ایک موعظہ حسنہ ہے۔ امام صاحب زندگی بھر اس شمع کی مانند فروزاں رہے جو خود جل جاتی ہے مگر دوسروں کو اپنی روشنی سے منور کر جاتی ہے۔ [۹]

فضائل ومناقب

آپ نے جس وقت اپنے فقہ کی بنیاد رکھی اس وقت حنفیت ومالکیت کے عروج کا زمانہ تھا۔ حتیٰ کہ مامون، امین، رشید وغیرہ بادشاہوں کے دلوں تک ان کی رسائی تھی۔ لیکن امام شافعیؒ نے ایسی شہرت پائی کہ لوگوں کے خیالات بدلنے لگے اور فقہ شافعی ان کے دلوں میں گھر کرتا گیا اور مصر، شام، حجاز، بحرین، جنوبی عرب، ملائشیا، انڈونیشیا میں شافعیوں کو اقتدار حاصل ہو گیا۔ ''الازہر'' میں شافعی فقہ کا مطالعہ بڑے ذوق سے کیا جاتا ہے۔

امام احمد بن حنبل امام شافعی کے متعلق فرماتے ہیں: ''فقہ کا قفل بے کلید لوگوں پر جس نے کھولا وہ شافعی ہی تو تھے [۱۰]۔ اگر شافعی نہ ہوتے تو ہمارے کل قضایا اہل رائے کے ہاتھوں میں آ گئے ہوتے''۔ [۱۱]

امام ابوثور کہتے ہیں:۔

''اگر خدا امام شافعی کے ذریعے مجھ پر احسان نہ کرتا تو میں دُنیا میں گمراہ ہو جاتا''۔

امام محمد سے ان کے مناظرات ہوتے رہتے تھے اور امام محمد امام شافعی سے اتنے متاثر تھے کہ

اپنے اصحاب کو کہا کرتے تھے:-

"ان تابعکم الشافعی فما علیکم من حجازی بعد ہ کلفة"۔[۱۲]

اگر شافعی تمہاری بات مان لیں تو پھر کسی حجازی کی طرف سے تمہارے لیے کوئی دقت نہ ہوگی۔

امام صاحب نے قریباً بیس برس کی عمر میں مسجد الحرام میں فتویٰ دینا شروع کر دیا تھا۔[۱۳]

طریق اجتہاد

امام شافعی استنباط مسائل میں سب سے اوّل قرآن مجید پر نظر ڈالتے۔اگر قرآن مجید سے انہیں کوئی مسئلہ مل جاتا تو کسی حدیث یا قیاس کی طرف التفات نہ کرتے۔اگر کوئی مسئلہ قرآن میں نہ پاتے تو پھر حدیث اور قیاس کی طرف رجوع کرتے۔ان کا طریق استنباط دوسرے مجتہدین سے بالکل انوکھا تھا۔ وہ کسی مسئلہ کے اخذ کرنے میں صرف قرآن کی ایک آیت پر اکتفا نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ایک آیت کی تفسیر میں دوسری آیات، ترتیب خاص اور دیگر قرائن داخلی وخارجی کو بھی ملحوظ رکھتے تھے۔حدیث میں راویوں کی کثرت، فقاہت اور حفظ وغیرہ کے لحاظ سے ایک حدیث کو دوسری پر ترجیح دیتے۔ ناسخ ومنسوخ کو نہایت دقیق نظر سے دیکھتے۔غرضیکہ تا امکان بشری وہ ہر پہلو پر نظر ڈالتے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے مسائل اکثر قرآن اور عقل کے مطابق ہیں۔ [۱۴]

شافعی مسلک

184ھ تک آپ مالکی مسلک پر ہی قائم تھے اور ان کا نام ہی "ناصر الحدیث" پڑ گیا تھا۔ پھر جب آپ بغداد گئے تو حنفی مسلک کی چند کتب پڑھیں۔آپ کو مالکی فقہ میں چند سقم نظر آ گئے اور آپ نے غیر جانبدار نقاد کی حیثیت سے مالکی مسلک پر غور کیا جس سے آپ میں ایک فکر جدید کا آغاز ہوا۔ بغداد سے نکل کر آپ مکہ آ گئے اور مسجد الحرام میں حلقہ قائم کر لیا۔یوں مذہب شافعی وجود میں آیا۔

مکہ کے درس کے دوران آپ نے فروعات کو چھوڑ کر کلیات کو اہمیت دی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ امام احمد بن حنبل امام شافعی کے حلقہ میں آ کر بیٹھ گئے۔جب امام احمد کو اس پر کسی نے ملامت کی تو آپ نے جواب دیا "خاموش۔اگر کوئی حدیث تجھ تک نہ پہنچ سکی تو اس سے تجھے اتنا زیادہ نقصان نہیں پہنچے گا جتنا اس سے کہ تو اس نوجوان کی عقل فکر انگیز سے محروم رہ جائے۔تو اسے کھو دینے کے بعد قیامت تک

نہ پا سکے گا''۔

امام شافعیؒ نے جوانی میں ہی معانی قرآن پر ایک کتاب لکھ ڈالی۔فنون واخبار جمع کر دیئے اور حجت اجماع پر سیر حاصل بحث کی۔قرآن وسنت کے نسخ پر روشنی ڈالی۔199ھ میں شافعی مصر آئے۔ یہاں آپ نے عرف دیکھا، حضارت دیکھی، نئے نئے افکار کا مطالعہ کیا۔آپ کے خیالات میں بھی کمی بیشی آئی۔ ہر چیز کو کسوٹی پر پرکھا اور بالآخر یہاں پر ہی فوت ہوئے۔

انہیں طویل زندگی نہ ملی ۔ چون سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے۔اس مختصر زندگی میں انہوں نے تقریر وتحریر سے عربی زبان کا دامن جواہر ریزوں سے بھر دیا۔مجلس علم وفکر میں اپنی دھاک بٹھادی اور بہت جلد مرجع عوام بن گئے۔آپ کی مخالفت بھی ہوئی لیکن تائید ہو یا مخالفت،خوشنودی ہو یا بیزاری کسی حالت میں بھی اپنے مسلک کی تبلیغ سے باز نہیں آئے۔آپ کی خدمات کا اعتراف بھی کیا گیا۔ چنانچہ کرابیسی کہتے ہیں ''ہمیں نہیں معلوم تھا کہ کتاب کیا ہے، نہ سنت اور اجماع سے ہم واقف تھے۔ یہاں تک کہ شافعی کو ہم نے کہتے ہوئے سنا یہ کتاب ہے، یہ سنت ہے اور یہ اجماع ہے''۔ [۱۵]

تجدیدی کارنامے

جیسا کہ گزشتہ سطور میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس صدی میں قرآن ،سنت ،حدیث ،فقہ، قیاس، استحسان وغیرہ کے متعلق عجیب وغریب نظریات موجود تھے۔اس لیے ایک مجدد کا فرض یہ تھا کہ ان تمام امور کے بارے میں صائب رائے پیش کرتا جس کو قرآن کی تائید حاصل ہوتی تا اس کا خدا کی طرف سے ہونا پایہ ثبوت کو پہنچتا اور خشک علم والوں پر اس کی برتری ثابت ہوتی۔امام صاحب نے بخوبی یہ معرکہ سرانجام دیا جس کا تذکرہ آئندہ صفحات میں کیا جا رہا ہے۔

علوم دِینیہ کی اشاعت

ربیع بن سلیمان امام شافعی کے پروگرام کے متعلق لکھتے ہیں:-

''شافعیؒ نماز فجر پڑھ کر اپنے حلقہ میں بیٹھ جاتے اور فوراً ہی طالبانِ علم قرآن حاضر ہو جاتے۔ طلوع آفتاب کے وقت یہ لوگ اُٹھ جاتے۔ پھر طالبان حدیث کا گروہ پہنچ جاتا۔ یہ لوگ بھی حدیث

کے معنی اور تفسیر کے سلسلہ میں سوالات کرتے رہتے۔ جب دھوپ چمک اُٹھتی تو یہ گروہ بھی اُٹھ جاتا۔ پھر حلقہ مناظرہ ونظر قائم ہو جاتا، دوپہر سے پہلے تک یہ جمگھٹ قائم رہتا۔ اس کے بعد عربیت، عروض، شعر اور نحو کے تشنہ کام آتے اور دوپہر تک وہ کسب فیض حاصل کرتے رہتے''۔ [۱۶]

امام شافعیؒ کے نزدیک علم کی دو اقسام ہیں، علم عامہ اور علم خاصہ۔ آپ کے نزدیک علم عامہ سے مراد نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کا علم ہے۔ جن میں کوئی تنازعہ وتاویل نہیں جن کی نص قرآن کریم سے ملتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس علم کا جاننا ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے۔ [۱۷]

آپ وعظ ونصیحت کے ذریعے بھی عوام وخاص کو متاثر کیا کرتے تھے۔ وعظ میں امام صاحب کو خاص قسم کا ملکہ حاصل تھا۔ لوگوں پر آپ کے وعظ کا بہت اثر پڑتا تھا۔ ایک مرتبہ امام صاحب نے ہارون الرشید کے دربار میں وعظ کیا۔ بادشاہ آپ کے وعظ سے اس قدر متاثر ہوا کہ بے اختیار رونے لگا اور وعظ کے ختم ہونے پر اس نے پچاس ہزار درہم امام صاحب کی نذر کیے۔ [۱۸]

امام شافعیؒ اور قرآن

امام شافعیؒ گویا عاشق قرآن تھے۔ ہر مسئلہ میں فوراً قرآن کی طرف رجوع کرتے اور قرآن سے استدلال کرتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے ''جس شخص نے کتابِ الٰہی سے نص واستدلال کے ذریعے علم احکام حاصل کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے حاصل کردہ علم کے مطابق قول وعمل کی توفیق دی تو وہ دین و دنیا میں بلند مرتبے پر فائز ہو گیا۔ شک وشبہ کی دنیا سے باہر نکل آیا۔ حکمت کے نور سے اس کا قلب منور ہو گیا اور دین میں مرتبہ امامت پر فائز ہو گیا''۔ [۱۹]

امام شافعیؒ کے ایک شاگرد کا بیان ہے ''شافعیؒ جب قرآن کی تفسیر بیان کرنے لگتے تو ایسا معلوم ہوتا جیسے قرآن کریم کا نزول انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ علم حدیث میں بھی وہ یکتا تھے۔ مؤطا امام مالک انہیں حفظ تھی۔ انہوں نے ہی سنت کے قواعد منضبط کیے۔ اس کے اسرار ورموز سمجھے اور ان سے استشہاد کیا۔ وہ فرمایا کرتے تھے ''جس نے قرآن کا علم حاصل کیا اس نے اپنی قیمت بڑھالی''۔ [۲۰]

امام شافعیؒ اور علم حدیث

تابعین کے دور میں علم حدیث میں عجیب بگاڑ پیدا ہو چکا تھا۔ موضوع احادیث اور مسائل

بنا لیے گئے تھے اور یہ طوفان بدتمیزی ایسی شدت اختیار کر گیا کہ بڑے بڑے فقیہہ اور اکابرائمہ بھی اس غلطی میں مبتلا ہو گئے۔ مثلاً اس طرح کے مسائل اخذ کیے جا رہے تھے کہ قہقہہ سے وضو کا ٹوٹ جانا، کھجور کے شیرہ سے وضو جائز ہونا، دارالحرب میں سود مباح ہونا، اگر حبشی چاہ زمزم میں گر جائے تو کنواں ناپاک ہونا اور اس کا سارا پانی نکالنے کا فتویٰ جاری کرنا اور یہ فتویٰ ابن زبیر اور ابن عباس جیسے افراد کی طرف منسوب تھے۔ اسی طرح کی اور کئی باتیں وجود میں آ چکی تھیں۔ اہل الرائے کا گروہ پیدا ہو چکا تھا۔ یہ لوگ وہی بات اختیار کرتے جس کی طرف ان کی طبیعت کا میلان ہوتا یا جس سے امراء وسلاطین کی خوشنودی مقصود ہوتی۔ یہ لوگ فقیہہ کہلاتے تھے اور اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے اور اہلحدیث ان کے سامنے بالکل بے بس تھے۔

ایسے حالات میں امام شافعیؒ جو منصب تجدید پر فائز تھے اُٹھے۔ انہوں نے گہری اور خداداد فراست سے حدیث پر کام کیا۔ چنانچہ انہوں نے قلیل واسطوں سے ہر شہر کے مشہور محدثین اور اماموں سے جن کی عظمت وجلالت پر اتفاق تھا احادیث صحیحہ جمع کیں۔ مختلف فقہاء و محدثین کے اصول سے عوام کو آگاہ کیا۔ حدیثوں کی تدوین میں انہوں نے مکے، مدینے، کوفے، بصرے وغیرہ کے سفر اختیار کیے اور بلادِ اسلامیہ کا کوئی محدث ایسا نہ رہا جس کے سامنے انہوں نے زانوئے تلمذ طے نہ کیا ہو۔ امام ضیاء الدین نے امام شافعیؒ کے حدیث کے شیوخ کی تعداد انیس بتائی ہے۔

موضوع حدیثوں کا سیلاب جس شدت سے دین میں چلا آ رہا تھا اس سے دین دار لوگ گھبرا اُٹھے اور بہت سے خادمان دین کی توجہ اس کے روکنے کی طرف لگ گئی۔ مگر حدیث کی روایت اور اس سے مسائل اخذ کرنے کے فن کو جو سراسر ایک منقولی فن تھا علوم حکمیہ کے پایہ تک پہنچا دینا محمد بن ادریس الشافعیؒ کا ہی کام تھا...... اب تک اس فن کی کوئی اصطلاحات قائم نہ ہوئی تھیں اور یہ فخر امام شافعی کیلئے ہی مقدر تھا کہ وہ قرآن وحدیث کے احکام اخذ کرنے کے فن کو ایک مہتمم بالشان فن بنائیں اور پھر اس پر حیرت انگیز اسلامی عمارات تعمیر کی جائیں۔ [۲۱]

حدیث رسول کی آپ کی نظر میں بہت اہمیت تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے ”جس نے کتب حدیث کا مطالعہ کر لیا اس کی حجت قوی ہو گئی“۔ [۲۲]

آپ فرمایا کرتے تھے **ان اصح الحدیث فھو مذھبی** اور اگر صحیح حدیث مل جاتی تو اپنا

مسلک فوراً بدل دیتے اور فرمایا کرتے تھے ''قول وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ کا قول ہے اور میرا قول بھی وہی ہے''۔ بار بار یہی الفاظ دہراتے رہے۔ ۲۳

معجم یاقوت میں ربیع بن سلیمان کی روایت ہے ''ایک شخص شافعی سے ایک مسئلہ دریافت کر رہا تھا اثنائے گفتگو اس نے کہا نبی کریم ﷺ سے تو ایسا مروی ہے اور اے ابو عبداللہ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی شافعیؒ کانپنے لگے ان کا رنگ زرد پڑ گیا۔ حالت متغیر ہوگئی۔ انہوں نے کہا ''کون سی زمین مجھے پناہ دے گی اور کون سا آسمان مجھے اپنے زیر سایہ رکھے گا۔ اگر میرے سامنے رسول اللہ کی کوئی حدیث بیان کی جائے اور میں یہ نہ کہوں ہاں، بے شک، بہ سرو چشم''۔ ۲۴

اصلاح علوم حدیث

۱۔ امام شافعیؒ کے وقت راوی یوں کہتے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم یوں کرتے تھے یا اس وقت یہ سنت تھی۔ تو اس کو بھی حدیث رسول میں شمار کیا جاتا تھا۔ امام صاحب نے اس کی مخالفت کی کہ ہوسکتا ہے کہ یہ سنت صحابہ ہو یا ممکن ہے کہ یہ جاہلیت کا رواج ہو اور اصل سنت رسول اس کے برعکس ہو۔ اس لیے اس کا مقام قول و فعل رسول کے مترادف نہیں ہوسکتا............ ابوبکر صیرنی، ابوبکر رازی اور ابن حزم ظاہری نے آپ کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔ ۲۵

۲۔ ''مقطوع وموقوف'' احادیث کے بارے میں آپ نے فرمایا یہ بے اعتبار اور ناقابل عمل ہیں۔ حنفی صحابی یا تابعی کے قول کے مقابلے میں حدیث رسول کو ترک کر دیتے تھے۔ امام شافعی نے اس کی مخالفت کی۔

۳۔ ''مرسل'' کے بارے میں آپ نے جمہور سے ہٹ کر یہ رائے دی کہ ایسی احادیث پر اعتقاد عمل کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ صرف تابعی کا ہی قول ہو۔ آپ کی یہ رائے بہت مقبول ہوئی اور حضرت شاہ ولی اللہ نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں لکھا ہے ''**و کم من مرسل لا اصل له و کم من مرسل یخالف مسندا**۔ کتنی ہی مرسل ایسی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں اور کتنی ہی مرسلات ہیں جو مسند احادیث کے خلاف ہیں''۔ اور اسی طرح امام بخاری و مسلم بلکہ جملہ محدثین نے امام شافعیؒ کے اس اصول کو اپنا مقتدا قرار دیا اور اب یہ ایک مسلّم اصول بن گیا ہے کہ حدیث مرسل ناقابل اعتبار ہے۔ ۲۶

۴۔ اسی طرح مدلس، مستور الحال اور مجاھیل احادیث کو حنفی ثقہ راوی کی بنیاد پر قبول کر لیتے تھے۔مگر امام صاحب کے نزدیک شکوک وشبہات والی احادیث نا قابل اعتبار ہیں اور انہیں قوانین شریعت کا ماخذ قرار دینا غلطی ہے۔

۵۔ صحتِ حدیث کیلئے آپ نے یہ شرط لگائی کہ جو حدیث خلاف عقل ہو وہ نا قابل اعتبار ہے اور اپنے شاگردوں کو کہا کرتے تھے اگر میں تمہیں کوئی ایسی بات کہوں جو تمہاری عقل کے مخالف ہو تو اسے ہرگز قبول نہ کرو کیونکہ صحیح بات وہی ہے جو عقل کے خلاف نہ ہو۔

۶۔ حنفی کوفے والوں کی احادیث پر اصرار کیا کرتے تھے مگر امام شافعی صحیح احادیث پر زور دیتے تھے خواہ جس شہر سے بھی ملے۔آپ نے امام احمد سے فرمایا"**فان کان خبر صحیح فاعلمونی حتی اذھب الیہ کوفیا کان او بصریا او شامیا**"۔اگر حدیث صحیح ہو تو مجھے اس سے آگاہ کرو تاکہ میں اس کو لے لوں خواہ کوفے کی ہو، بصرہ کی ہو یا شام کی ہو۔

۷۔ دو متعارض احادیث میں بھرپور کوشش کرتے کہ تطبیق ہو سکے۔اس کیلئے آپ نے ایک رسالہ بھی لکھا جس کا نام "اختلاف الحدیث" ہے۔

۸۔ امام شافعیؒ کو ایسے لوگوں سے واسطہ پڑا جو حجیت سنت کے منکر تھے۔بعض لوگ سرے سے سنت کو تسلیم ہی نہیں کرتے تھے۔بعض احکام قرآن سے ماوراء سنت کے احکام مثبتہ کا انکار کرتے تھے۔ان کے نزدیک سنت مبین قرآن تو ہے اس پر اضافہ نہیں کر سکتی۔بعض خبر احاد کی حجیت کے منکر تھے۔امام شافعیؒ نے دلائل سے ثابت کیا کہ سنت حجت ہے خواہ خبر احاد ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ اس کے راوی ثقہ ہوں۔کتاب الام میں اس کی تفصیلی بحث موجود ہے اور آپ کی اس بارہ میں الگ تصنیف بھی ہے۔آپ نے متعدد قرآنی دلائل سے حجیت سنت ثابت کی ہے۔مثلاً

☆ خدا نے اپنے ساتھ رسول پر ایمان اور اس کی پیروی کو لازمی قرار دیا ہے۔جیسا کہ وہ فرماتا ہے **فامنوا باللہ و رسولہ ...... واتبعوہ لعلکم تھتدون**۔پس رسول اللہ کے اقوال وافعال و تقریرات کی اطاعت واجب ہوئی۔

☆ اسی طرح رسول اللہ کا ایک کام حکمت کتاب کا بیان ہے اور اس سے مراد سنت نبوی ہے۔

☆ رسول کی اطاعت دراصل خدا کی اطاعت ہے **من یطع اللہ فقد اطاع اللہ**۔

☆ رسول کی مخالفت مومنوں کا شیوہ نہیں۔ **فليحذر الذين يخالفون عن امره ان تصيبهم فتنة او يصيبهم عذاب اليم**۔ سورہ نور 65

۹۔ امام شافعیؒ خبر احاد اور مرسل (جن میں شک وشبہ کی گنجائش ہوتی ہے) بڑی دقیق شرائط کے ساتھ لیتے ہیں۔ [۲۷]

یہ وہ اصول ہیں جن کی صحت میں کسی منصف مزاج کو کلام نہیں۔ تمام ائمہ اہلحدیث نے امام صاحب کے فن کو حدیث میں اپنا مقتدا قرار دیا۔ امام صاحب کے ان اصولوں کی مضبوطی نے اہل رائے کے دلوں پر بھی یہاں تک اثر ڈالا کہ اکثر ذی علم اہل رائے اپنا پرانا مذہب چھوڑ کر ان کی شاگردی میں داخل ہوئے اور حکام وقت پر اتنا اثر پڑا کہ وہ امام صاحب کے ساتھ بے انتہاء تعظیم وتکریم سے پیش آنے لگے۔ اب وہ علی الاعلان اہل رائے کے مذہب کی قباحتیں بیان کرنے لگے۔ امام صاحب کی وجہ سے اہلحدیث کے حوصلے بھی بڑھ گئے۔ علم حدیث کو روز بروز ترقی ہونے لگی۔ غرض اس طریق پر آپ نے اہل الرائے کے فتنے کو دور کیا اور حدیثوں کی تنقید کی بنیاد ڈالی۔ [۲۸]

سلسلۃ الذھب

روایت حدیث میں صحت کے لحاظ سے امام شافعیؒ کا اتنا مقام ہے۔ مندرجہ ذیل سند کو محدثین نے "سلسلۃ الذھب" (سونے کی زنجیر) قرار دیا ہے۔ شافعی عن مالک عن نافع عن ابن عمر۔ [۲۹]

فقہ اور امام شافعیؒ

امام شافعیؒ سے پیشتر فقہ کی کیفیت یہ تھی کہ نہ اس وقت اس کے اصول وقواعد ایجاد ہوئے تھے اور نہ غلط وصحیح مسائل کو معلوم کرنے کا کوئی حقیقی معیار تھا۔ نہ احادیث مختلفہ میں تطبیق دینے اور ان کے تعارض کو دور کرنے کا کوئی قانون تھا۔ اس زمانے کے فقہاء عموماً مرسل ومنقطع احادیث سے استنباط مسائل کیا کرتے تھے اور تعارض کی صورت میں اپنے اطمینان قلب اور فراست طبع سے کسی ایک حدیث کو دوسری پر ترجیح دیتے تھے اور اس پر عمل کرتے اور دوسری کو متروک خیال کرتے۔ اکثر ضعیف احادیث کے مقابلے میں صحیح احادیث چھوڑ دیتے ...... رائے مخالفِ شرع کو قیاس صحیح شرع سے خلط کرتے اور اس کا نام استحسان رکھتے۔

ایسے حالات میں امام شافعیؒ نے حنفی و مالکی مذہب کے اصول وفروع کو دیکھ کر اوران کے تمام کلیات وجزئیات پر نظر کر کے ان باتوں کو جوان مذہبوں میں ناقص تھیں پورا کیا اور نئی طرز سے اصول و قواعد کو ترتیب دیا۔سب سے اوّل انہوں نے اصول فقہ کی ایک کتاب ترتیب دی۔ یوں آپ اصول فقہ کے بانی خیال کیے جاتے ہیں۔آپ نے جوقواعد مرتب کیے ان کا ماحصل یہ تھا۔

۱۔ حدیثِ مرسل و منقطع پر استناد نہ کرنا۔

۲۔ احادیث مختلفہ میں باہم تطبیق کی کوشش کرنا۔

۳۔ احادیث صحیحہ کو ترک کرنے سے پرہیز کرنا اور اگر کسی مسئلہ میں حدیث مل جائے تو قیاس کو ترک کر دینا (دراصل حنفیوں میں قیاس اس وجہ سے بھی زیادہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے وقت میں احادیث کی تدوین پوری طرح نہ ہوئی تھی اوران کے پاس احادیث کا ذخیرہ کم تھا)۔

۴۔ اگر اقوالِ صحابہ مخالف حدیث ہوں تو ان سے استدلال نہ کرنا۔آپ کہا کرتے تھے **رجالٌ و نحن رجالٌ**۔

۵۔ رائے خلاف شرع اور قیاس شرع میں تمیز کرنا۔آپ استحسان کے خلاف تھے۔فرماتے تھے **من استحسن فانه اراد ان یکون شارعًا**۔

۶۔ حدیث خواہ کسی درجہ کی بھی ہو ناسخ قرآن نہیں ہوسکتی۔

۷۔ قرأت شاذ، جو قرأت متواترہ کے مخالف ہیں قابل عمل نہیں۔

۸۔ اگر کوئی حکم وقت یا شرط پر معلق ہو اور وقت یا شرط جاتی رہے تو ایسا حکم موقوف ہوگا۔

۹۔ اجماع سکوتی حجت نہیں۔

۱۰۔ حکمِ مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جائے گا۔

۱۱۔ ایسا کوئی عمومی حکم نہیں جس میں کچھ نہ کچھ تخصیص ہو۔ [۳۰]

اختلافی مسائل اور امام صاحب کا مسلک

خلق قرآن کا مسئلہ بڑی اہمیت اختیار کر گیا تھا۔حتیٰ کہ بادشاہوں تک اس کے قائل تھے کہ قرآن مخلوق ہے مگر امام شافعیؒ دوسری صدی کے وہ سرخیل ہیں جو اس کے خلاف ڈٹ گئے اور انہوں

نے دلائل سے ثابت کیا کہ قرآن غیر مخلوق ہے اور آپ نے دلیل دی کہ خدا فرماتا ہے **و کلم الله موسی تکلیمًا**۔ خدا نے کلام کیا خلق نہیں کیا۔

۲۔ دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ روز محشر رویت باری نصیب ہوگی یا نہیں۔ اس بارہ میں آپ کا مسلک مثبت تھا اور دلیل یہ دیتے تھے کہ قرآن میں ہے **کلا انهم عن ربهم یومئذٍ لمحجوبون**۔ پس جب ناراضگی میں حجاب ہے تو خوشنودی میں دیدار ہوگا۔

۳۔ قضاء وقدر کے بارے میں آپ فرماتے ہیں کہ لوگ اپنے اعمال کے خالق نہیں ہیں۔ بلکہ خدا ہی ہے جس نے ان کے اعمال کی تخلیق کی ہے۔

۴۔ ایک مسئلہ یہ تھا کہ ایمان کی تعریف کیا ہے۔ اس میں کمی بیشی ممکن ہے یا نہیں۔ آپ فرماتے ہیں ایمان تصدیق وعمل کا نام ہے اور کم اور زیادہ ہوتا ہے۔ جب تحویل قبلہ ہوئی تو صحابہ نے قبلہ اوّل کی جانب پڑھی گئی نمازوں کی بابت پوچھا تو آیت نازل ہوئی **ما کان الله لیضیع ایمانکم**۔ یہاں خدا نے صلوٰۃ کو ایمان قرار دیا ہے اور صلوٰۃ میں تو کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

۵۔ آپ خلفائے ثلاثہ کی فضیلت کے قائل تھے۔ اسی طرح آپ کی تحریرات سے حب آل رسول اور حب علیؓ کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ آپ کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔

ان کان رفضًا حب اٰل محمدؐ

فلیشهد الثقلان انی رافض

اگر آل محمد سے محبت کرنا رفض ہے تو فرشتوں کو چاہیے کہ گواہی دیں کہ میں رافضی ہوں۔

اسی طرح حضرت علیؓ کے بارے میں فرمایا ''علی کرم اللہ وجہہ علم قرآن اور علم فقہ میں مخصوص امتیاز کے حامل تھے...... آنحضرت ﷺ نے انہیں حکم دیا تھا کہ لوگوں کے فیصلے چکایا کریں''۔ ۱۳؎

۶۔ امام شافعیؒ نے علم کے پانچ مراتب یوں بیان فرمائے ہیں۔

(۱) کتاب وسنت (سنت ایسی جو ثابت شدہ ہو)۔ امام صاحب کے نزدیک ان دونوں کا مرتبہ عملاً ایک ہی ہے کیونکہ سنت کتاب ہی کی وضاحت کرتی ہے اور سنت قرآن کی معارض نہیں ہوسکتی۔ تاہم خبر احاد قرآن کے برابر نہیں۔

(۲) جہاں کتاب وسنت میں واضح حکم نہ ملے تو وہ مسئلہ اجماع کبار فقہاء سے طے کیا جائے گا۔

(۳) اس کے بعد صحابی کی رائے کو اختیار کیا جائے گا اگر وہ دوسرے صحابی کی رائے کے خلاف نہ ہو۔

(۴) اگر اختلاف ہو تو اس کی رائے مانی جائے گی جو کتاب اللہ کے زیادہ قریب ہو۔

(۵) قیاس۔ اگر کوئی مسئلہ کتاب، سنت اور اجماع سے نہ ملے، نہ اس کے بارہ میں کسی صحابی کا قول ملے تو مندرجہ بالا ماخذ کی روشنی میں قیاس کیا جائے۔ ۳۲

امام شافعیؒ اور علم کلام

اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ امام صاحب علم الکلام سے نالاں اور اس کے خلاف تھے۔ لیکن درحقیقت اس وقت علم کلام یہ تھا کہ کہ قرآن ونصوص کے خلاف صرف اپنی عقل سے مسائل بنا لیے جائیں۔ امام صاحب اس من گھڑت علم کلام کے خلاف تھے۔ اس کا اظہار وہ اپنے اشعار میں یوں کرتے ہیں۔

لم یبرح اللہ حتی احد ثوا بدعا فی الدین بالرأی لم یبعث بہ الرسل

حتی استخف بدین اللہ اکثرھم و فی الذین حکموا من حقّہ شغل

ترجمہ: خدا اس وقت تک بندوں کے ساتھ رہا حتی کہ انہوں نے اپنی اٹکلوں سے دین میں ایسی بدعات ایجاد کیں جن کی تعلیم رسول نہیں لائے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کے دین کو اکثر لوگ خفیف سمجھنے لگے اور ان باتوں میں مشغول ہو گئے جن کو انہوں نے اپنی رائے سے خدا کے حق میں تجویز کیا۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ امام شافعیؒ نے جس علم کلام کی مذمت کی ہے وہ وہی علم کلام ہے جس سے اہل بدعت اپنے عقائد باطلہ کی ترویج کرتے تھے۔ ورنہ جو دلائل وحدانیت اور نبوت اور قدر وغیرہ امور کے ثبوت میں امام شافعی سے منقول ہیں، سچ تو یہ ہے کہ ان سے بہتر آج تک کسی متکلم نے بیان نہیں کیے۔ ۳۳

جو کلام قرآن وسنت میں رہتے ہوئے تھا آپ اس کے جید عالم تھے۔ چنانچہ ہارون الرشید نے ایک مرتبہ خدا کی دلیل پوچھی تو آپ نے متعدد دلائل بیان کیے جن میں سے ایک آوازوں کا اختلاف بھی تھا۔ اسی طرح آپ نے نبوت محمدی ﷺ کی صداقت کے بھی کئی دلائل بیان کیے ہیں۔ آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے براہمہ منکرین نبوت کے ردّ میں کتاب لکھی ۳۴ اور اس میں صداقت نبوت کے

دلائل قائم کیے۔آپ نے صداقت حضرت محمد ﷺ کے دلائل دیتے ہوئے لکھا کہ مندرجہ ذیل چیزیں صداقت پر دال ہیں۔

القرآن المنزل و اجماع الناس و الایات التی لا تلیق باحد غیرہ۔ ۳۵

کہ قرآن کریم،لوگوں کا اجماع اور آپ کی امتیازی نشانیاں جو دوسروں میں نہیں۔

= آپ مناظرہ و بحث مباحثہ میں تکفیر بازی کے خلاف تھے جو اس وقت متکلمین کا مرغوب مشغلہ تھا۔چنانچہ آپ نے فرمایا''جس چیز میں بھی مناظرہ کرو اس میں دوسرے کے بارے میں یہ تو کہہ سکتے ہو کہ تم نے غلطی کی نہ یہ کہ تم نے کفر کیا''۔

= آپ قضاء قدر کے بارے میں اس بات کے قائل تھے کہ انسان خدا کی مرضی کا پابند ہے اور اس لیے بہت سے دلائل دیتے۔جیسے کہتے کہ کافر ہمیشہ ایمان کا ارادہ کرتا ہے اگر اعمال میں اختیار ہوتا تو وہ کافر کیوں رہتا۔اس طرح اپنے دعویٰ کے ثبوت کے طور پر حضرت علیؓ کا یہ قول پیش کرتے''**عرفت ربی بنقص العزائم و فسخ الھم** کہ میں نے اپنے رب کو ارادوں کے ٹوٹنے اور ہمتوں کے ناکارہ ہونے سے پہچانا''۔

امام رازی کہتے ہیں کہ قضاء وقدر کے جتنے دلائل امام شافعیؒ نے جمع کیے ہیں بڑے بڑے متکلمین نے بھی اپنی تصانیف میں نہیں لکھے۔ ۳۶

قیاس،استحسان اور امام شافعیؒ

سب سے اوّل صحت قیاس کے مسئلہ کو بھی امام شافعیؒ ہی نے ظاہر کیا اور اس علم میں کتابیں لکھیں اور لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔آپ نے قیاس کی تین اقسام بیان کی ہیں۔(۱) قیاس المعنیٰ۔قیاس الشبہ وغیرہ۔ ۳۷

امام رازی رقمطراز ہیں:-

''نہ ابوحنیفہ اور نہ ان کے اصحاب نے ایک ورق بھی اثبات قیاس میں لکھنے کی زحمت گوارا کی۔ سب سے پہلے اس مسئلہ پر جس نے لب کشائی کی اور دلائل کا انبار جمع کر دیا وہ امام شافعیؒ تھے''۔ ۳۸

امام صاحب کے نزدیک استحسان باطل ہے اور اس سے مراد ایسا فتویٰ ہے جو کتاب،سنت، اجماع،قیاس پر مبنی نہ ہو۔استحسان کے ابطال کیلئے آپ نے ایک رسالہ''ابطال استحسان'' بھی رقم فرمایا

اوراس میں بہت سے دلائل بیان کیے جیسے؛

۱۔ قرآن میں ہے **أیحسب الانسان ان یترک سدی**۔ گویا ایسا مسئلہ کوئی نہیں جس میں انسان کو شترِ بے مہار کہا گیا ہو۔

۲۔ آنحضورﷺ نے لزوم جماعت کا حکم دیا گویا یہ حکم دیا کہ جماعت کے متفقہ فیصلہ سے نہ ہٹو۔

۳۔ استحسان کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔

۴۔ حضور نبی کریمﷺ استحسان نہیں کرتے تھے بلکہ نئے پیدا شدہ مسئلہ کیلئے وحی کا انتظار کیا کرتے تھے۔ [۳۹]

جس غور و تدبر سے امام شافعیؒ نے اپنے اصول وقواعد ایجاد کیے ہیں اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے۔ وہ خود لکھتے ہیں کہ ''میں نے اجماع کی حجت ہونے کی دلیل تلاش کرنے میں تین سو مرتبہ اوّل سے آخر تک قرآن مجید پڑھا ہے۔ بالآخر اس آیت پر میرا اطمینان ہوگیا۔ **ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی و یتبع غیر سبیل المومنین نولّه ما تولی و نصلیه جهنم و سأت مصیرًا**۔ سورہ النساء 116 [۴۰]

متفرق

آپ صحابہ کا بہت احترام کرتے تھے۔ فرماتے تھے ''علم واجتہاد کی رو سے، ورع وعقل کے اعتبار سے اور رسائی فہم کے لحاظ سے بہرحال صحابہ ہم پر فوقیت رکھتے ہیں۔ ان کی آراء ہمارے لیے بہترین اور برتر ہیں اور ہماری رائے سے اولیٰ ہے۔ [۴۱]

امام شافعیؒ شریعت کے اصول وفروع اور قضایا کی تفسیر میں ظاہری مسلک سے سرمو تجاوز نہیں کرتے۔ ان کا خیال ہے کہ ظاہر کو چھوڑ کر دوسرا مسلک اختیار کرنا محض ظن وتواہم ہے اور ظن وتوہم میں خطا کا پہلو غالب ہے اور صواب کا کمزور۔ [۴۲]

امام شافعیؒ کے اقوال مختلفہ

ان کی کتب میں ان کے مختلف یا متضاد اقوال بھی ملتے ہیں۔ اس کا حل کئی صورتوں میں ممکن

ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی نے یہ اقوال ان کی طرف منسوب کردیے ہوں یا امام صاحب نے دو مسلک بیان کر کے بعد میں ایک کی نفی کی ہو یا بعد میں قدیم قول سے رجوع کرلیا ہو۔ ہر دو اقوال کے نفی و اثبات کے دلائل بیان کر کے توقف اختیار کرلیا ہو۔ ایسا کرنا ان کی غایت درجہ کی دیانت اور ورع کی دلیل ہے۔ گویا آپ طالب حق تھے اور تلاش حق میں جہاں آپ کوئی روشنی ملتی اسے اختیار کرلیتے۔

آپ نے ''علم اصول فقہ'' ایجاد کیا۔ دنیا کے سامنے ایسا قانونِ کُلّی رکھ دیا کہ ادلہ شرعیہ کے مراتب کی معرفت آسان تر ہوگئی۔ پس جس طرح دنیا یہ مانتی ہے کہ استخراج منطق کا اتنا بڑا کارنامہ ہے جس میں ارسطو کا کوئی حریف نہیں اس طرح دنیا کو یہ بھی ماننا چاہیے کہ شافعی رضی اللہ عنہ نے علم اصول فقہ ایجاد کر کے اسے رفعت و جلالت کی انتہاء تک پہنچا دیا اور وہ جملہ مجتہدین سے ممتاز ہوگئے۔ علوم اصول فقہ کیلئے آپ نے ایک کتاب ''الرسالہ'' لکھی۔

تصنیفات

آپ نے ایسا شاندار لٹریچر چھوڑا ہے جو آپ کے تجدیدی کارناموں کا سب سے بڑا ثبوت ہے جس کے ذریعے دوسری صدی سے لے کر اب تک مخلوق خدا استفادہ کرتی ہے اور کرتی رہے گی۔ یقیناً یہ ایک عظیم الشان خدمت ہے۔

اصول تالیف

آپ سب سے پہلے ان مبادی کا تذکرہ کرتے ہیں جو انہوں نے بسلسلہ استنباط وضع کیے ہوتے ہیں پھر مسائل مختلف فیہ کا تذکرہ ہوتا ہے پھر ان مسائل میں سنت رسول اور صحابہ کے اختلاف کو زیر بحث لاتے ہیں اور یہ سب کچھ بیان کرنے کے بعد جس رائے کو صحیح خیال کرتے ہیں اسے مرجح قرار دیتے ہیں۔

تعصب آپ میں بالکل نہیں تھا۔ آزادانہ تحقیق کرتے اگر بعد میں کوئی بات پہلے مسلک کے خلاف مل جاتی تو اپنے مسلک سے رجوع کرلیتے۔ آپ فرماتے تھے ''میری ان کتابوں میں مخالفِ کتاب وسنت تم کوئی بات نہ پاؤ گے کیونکہ ایسی تمام باتوں سے میں رجوع کر چکا ہوں''۔[۴۳]

آپ نے اکہتر کتب قیام بغداد کے دوران لکھیں۔ مصر میں دوبارہ ان کی کانٹ چھانٹ کی اور

پھر یہ کتب سارے عالم اسلام میں مشتہر ہو گئیں۔ ربیع کی روایت ہے کہ مصر کے چار سالوں میں آپ نے ڈیڑھ ہزار ورق املا کرائے۔ تصنیفات میں کتاب ''الام''، کتاب السنن اور بہت سی کتب ان کے علاوہ ہیں اور یہ سارا کام چار برس میں انجام پایا۔ؔ

ملا علی قاری نے آپ کی تصنیفات کی تعداد ایک سو تیرہ لکھی ہے۔ امام ذولاق کا قول ہے کہ امام صاحب نے اصول دین میں چودہ جلدیں اور فروع میں سو سے زائد جلدیں لکھی ہیں۔ کتاب الام آپ کی مایہ ناز تصنیف ہے۔ ہر زمانے کے علماء اس سے حوالے اخذ کرتے رہے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ صاحب اس کتاب کے عمدہ ہونے کے معترف ہیں۔ وہ کہتے ہیں اس کتاب نے مجھے مرتبہ اجتہاد تک پہنچایا ہے۔

شیخ ابن حجر نے آپ کی مشہور کتب کے نام بتائے ہیں جن میں چند حسب ذیل ہیں۔

رسالہ قدیمہ۔ رسالہ جدیدہ۔ اختلاف الحدیث۔ اختلاف السنن۔ اجماع الامام ابطال استحسان۔ احکام القرآن۔ بیان الفرض۔ صفتہ الامر والنہی۔ اختلاف مالک والشافعی اختلاف الشافعی ومحمد بن الحسن۔ کتاب علی وعبداللہ۔ فضائل قریش۔ کتاب المبسوط سیر الاوزاعی۔ سیر الواقدی (مؤخر الذکر دو کتب کتاب الام کا حصہ ہیں)۔

آپ کے علاوہ مندرجہ ذیل مجدّدین دوسری صدی میں مانے جاتے ہیں۔

یحییٰ بن معین بن عون عطفانی۔ اشہب بن عبدالعزیز بن داؤد قیس۔ ابوعمرو مالکی مصری۔ خلیفہ مامون رشید بن ہارون۔ قاضی حسن بن زیاد حنفی۔ جنید بن محمد بغدادی صوفی۔ سہل بن ابی سہل بن رخلہ شافعی۔ بقول امام شعرانی حارث بن اسعد طالبی ابوعبداللہ صوفی بغدادی۔ اور بقول علامہ عینی احمد بن خالد الخلال۔ ابوجعفر حنبلی بغدادی۔

حوالہ جات

۱۔ سیرۃ الشافعی۔صفحہ 166
۲۔ توالی التاسیس الابن حجر بحوالہ سیرۃ ائمہ اربعہ۔صفحہ 318
۳۔ سیرۃ ائمہ اربعہ۔صفحہ 319
۴۔ آثار امام شافعی۔صفحہ 76
۵۔ حجج الکرامہ۔صفحہ 135
۶۔ آثار امام شافعی ترجمہ۔صفحہ 155
۷۔ ملفوظات۔جلد چہارم صفحہ 501
۸۔ انوار العلوم۔جلد 5 صفحہ 478
۹۔ آثار امام شافعی ترجمہ۔صفحہ 155
۱۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔جلد 11 صفحہ 576
۱۱۔ مناقب امام شافعی بحوالہ سیرۃ الشافعی۔صفحہ 43
۱۲۔ ایضاً۔صفحہ 76
۱۳۔ سیرۃ الشافعی۔صفحہ 76
۱۴۔ ایضاً۔صفحہ 167
۱۵۔ آثار امام شافعی۔صفحہ 253
۱۶۔ ایضاً۔صفحہ 78
۱۷۔ ایضاً ۔صفحہ 300
۱۸۔ توالی التاسیس بحوالہ سیرۃ الشافعی۔صفحہ 75
۱۹۔ آثار امام شافعی۔صفحہ 320
۲۰۔ ایضاً ۔صفحہ 78
۲۱۔ سیرۃ الشافعی۔صفحہ 128

۲۲ے سیرۃ الشافعی۔صفحہ 76

۲۳ے ایضاً ۔ صفحہ 85

۲۴ے ایضاً ۔ صفحہ 85

۲۵ے ایضاً ۔ صفحہ 130-129

۲۶ے ایضاً ۔ صفحہ 131-131

۲۷ے ماخوذ از سیرۃ الشافعی۔صفحہ 130-135

۲۸ے سیرۃ الشافعی۔صفحہ 133

۲۹ے ابن خلکان بحوالہ سیرۃ الشافعی۔صفحہ 141

۳۰ے سیرۃ الشافعی (ماخوذ)

۳۱ے آثار امام شافعی۔صفحہ 146-149

۳۲ے ایضاً۔ صفحہ 301

۳۳ے سیرت الشافعی۔صفحہ 199

۳۴ے مناقب الشافعی بحوالہ سیرت الشافعی۔صفحہ 205

۳۵ے ایضاً

۳۶ے مناقب الشافعی لرزای بحوالہ سیرۃ الشافعی۔صفحہ 5-2

۳۷ے آثار امام شافعی۔صفحہ 376,137

۳۸ے ایضاً۔ صفحہ 376

۳۹ے آثار امام شافعی۔صفحہ 435

۴۰ے سیرۃ الشافعی۔صفحہ 166

۴۱ے اعلام الموقعین جلد 2 صفحہ 191 بحوالہ آثار امام شافعی۔صفحہ 141

۴۲ے آثار امام شافعی۔صفحہ 435

۴۳ے آثار امام شافعی۔صفحہ 267 تا 269

۴۴ے ایضاً

۴۵ے سیرۃ الشافعی۔صفحہ 93

تیسری صدی کے مجدد

حضرت ابوالحسن اشعری

رَحمَۃُ اللّٰہِ عَلَیہ

۲۰۲ھ - ۳۲۴ھ

آپ معتزلہ کے پاس جایا کرتے تھے۔جب کسی نے اعتراض کیا تو فرمایا: ''کیا کروں؟ وہ بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں ...... وہ اپنے عہدے کی وجاہت کے باعث میرے پاس آنے سے رہے اگر میں بھی ان کے پاس نہ گیا تو حق کیسے ظاہر ہوگا''۔ [1]

ولادت وابتدائی حالات

ابوالحسن علی بن اسمٰعیل بن اسحٰق بن اسمٰعیل بن عبداللہ بن موسیٰ بن بلال بن ابی بردۃ بن ابی موسیٰ الاشعری نام تھا۔ گویا آپ مشہور صحابی رسولؐ ابوموسیٰ اشعریؓ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کا لقب امام المتکلمین تھا۔ آپ کے سن ولادت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض جگہ ۲۰۲ھ اور بعض جگہ ۲۰۶ھ اور بعض جگہ ۲۰۷ھ ہے۔ آپ بصرہ میں پیدا ہوئے۔ مجمع البحار میں ہے:

"ھو الامام فی المتکلمین علی بن اسمٰعیل من اولاد ابی موسیٰ ...... ولد سنة اثنین و مأتین و مات قبل الثلثین و ثلثمائة" ۔ آپ کا نام علی بن اسماعیل ہے۔ آپ امام المتکلمین ہیں۔ ابوموسیٰ اشعریؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۳۰ھ سے قبل فوت ہوئے۔ ۲

آپ کو مجدد بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی صاحب لکھتے ہیں:-

"و ابن شریح ثالث الائمہ والاشعری عدة من احد" اور ابن شریح تیسرے امام ہیں اور اشعری بھی ان میں سے ایک ہیں۔ ۳

نواب صدیق حسن خانصاحب نے بھی آپ کو مجدد تسلیم کیا ہے۔ فرماتے ہیں:-

ترجمہ: تیسری صدی کے نزدیک قرامطیوں کا فتنہ ظاہر ہوا۔ اکثر شہروں سے ہوتا ہوا یہ مکہ معظّمہ تک جا پہنچا۔ حاجیوں کو بڑی شدت سے قتل کر کے چاہ زمزم میں پھینک دیا اور حجر اسود کو ہتھوڑوں سے توڑا پھوڑا اور اکھاڑ کر اپنے شہروں میں لے گئے۔ اور بیس سال سے زائد ان کے پاس رہا اور پھر کسی نے تیس دینار میں خرید کر دوبارہ مکے میں لاکر نصب کر دیا اور اس صدی کے مجدّدین میں ابن شریح اور ابوالحسن اشعری اور اسی طرح کے اور لوگ ہیں۔ ۴

قاضی ابوبکر باقلانی جو خود مجدد تھے انہوں نے فصاحت وحسن تقریر کے باعث انہیں "لسان الامۃ" کا خطاب دیا۔ کسی نے کہا آپ کا کلام ابوالحسن اشعری کے کلام سے زیادہ بلند اور واضح معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا "میری یہی سعادت ہے کہ میں ابوالحسن کے کلام کو سمجھ لوں"۔ ۵

ابوالحسن باہلی نے آپ کے بارے میں لکھا:-

''میری حیثیت امام ابوالحسن اشعری کے سامنے ایسی تھی جیسے سمندر کے پہلو میں قطرہ''۔ ۶

آپ کے ایک خادم احمد بن علی فقیہہ جس نے بیس برس آپ کی خدمت کی سے مروی ہے کہ میں نے ابوالحسن اشعری سے زیادہ عفیف اور پارسا اوران سے بڑھ کر امور دنیا میں احتیاط برتنے والا اور امورِ آخرت میں شاداں وفرحاں اور کسی شخص کو نہیں پایا۔ ۷

وفات

۳۲۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور بغداد میں دفن ہوئے۔آپ کی وفات پر کہا گیا کہ آج ''ناصر سنت'' کا انتقال ہوگیا''۔ ۸

اعتزالی دور

آپ کی والدہ نے خاوند کی وفات کے بعد ابوعلی جبائی سے نکاح کرلیا جو اپنے وقت کے معتزلہ کے امام تھے۔شیخ ابوالحسن جبائی کی آغوش تربیت میں پرورش پائی۔ان کے مایہ ناز شاگرد ہوئے اور جلد ہی ان کے معتمد اور دست راست بن گئے۔ابوالحسن کو لحن داؤدی ودیعت ہوا تھا۔حاضر جواب بھی تھے اس لیے بہت جلد وہ سر حلقہ اور مجالس بحث کے صدر نشین ہوگئے اور چالیس برس معتزلہ کی ترویج اور اشاعت میں گزار دیے۔

اعتزال سے علیحدگی

خدا کی قدرت دیکھئے وہی شخص جو چالیس برس تک معتزلہ کا سرگرم مبلغ تھا خدا نے اسے ہی سنت کے احیاء کیلئے منتخب کیا۔چنانچہ آپ کو بار بار رسول کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اور آپؐ نے بار بار یہی تاکید کی کہ اعتزال کی روش کو چھوڑ کر میرے سیدھے سادھے منہاج کی تائید کیلئے اُٹھ کھڑے ہو جو کتاب اللہ، سنت اور سلف کی روایات پر مبنی ہے۔ ۹

چنانچہ چالیس سال کے بعد آپ کی زندگی کا ایک تاریخی موڑ آیا جب آپ کی طبیعت معتزلہ کی تاویلوں سے متنفر ہونے لگی۔انہوں نے محسوس کیا کہ یہ اپنے مذہب کی پیچ ہے۔حقیقت وہی ہے جو صحابہ اور سلف صالحین کا مسلک تھا۔چنانچہ جب طبیعت میں جولانی بڑھی تو گھر سے بھاگ گئے۔پندرہ

دن غائب رہے سولھویں دن جامعہ مسجد پہنچے تو جمعہ کا دن تھا اور مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی تھی۔ آپ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا:-

''جو مجھے جانتا ہے وہ جانتا ہے۔ جو نہیں جانتا اس کو بتلاتا ہوں کہ میں ابوالحسن اشعری، میں معتزلی تھا۔ فلاں فلاں عقیدہ کا قائل تھا، اب توبہ کرتا ہوں۔ اپنے سابقہ خیالات سے باز آتا ہوں۔ آج سے میرا کام معتزلہ کی تردید اور ان کی کمزوریوں اور غلطیوں کا اظہار ہے''۔ [10]

تجدیدی کارنامے

معتزلہ کے عقائد آپ کے دور کا عظیم فتنہ تھا اور آپ معتزلہ کی اصلاح کو فرض عین اور جہاد کبیر خیال کرتے تھے۔ معتزلہ کی مجالس میں جا کر اور ان کے ممتاز لوگوں سے مل کر ان کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے اور جب کسی نے اعتراض کیا کہ آپ خود اہل بدعت سے کیوں ملتے ہیں حالانکہ ان سے مقاطعہ کا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا کیا کروں؟ ''وہ بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ ان میں سے کوئی حاکم شہر ہے اور کوئی قاضی ہے۔ وہ اپنے عہدے کی وجاہت کے باعث میرے پاس آنے سے رہے۔ اگر میں بھی ان کے پاس نہ گیا تو حق کیسے ظاہر ہوگا اور انہیں کیسے معلوم ہوگا کہ اہلسنت کا مددگار اور دلائل سے ان کے مذہب کو ثابت کرنے والا بھی کوئی ہے''۔ [11]

آپ معتزلیوں کے سوالات کے جوابات آسانی سے دیتے تھے جیسے کوئی کہنہ مشق استاد طفلانِ مکتب کے سوالات حل کر رہا ہو۔ عبداللہ بن حنیف بیان کرتے ہیں:-

''میں شیراز سے بصرہ آیا تو مجھے ابوالحسن کی زیارت کا شوق تھا۔ لوگوں نے مجھے ان کا پتہ دیا۔ میں آیا تو وہ ایک مجلس مناظرہ میں تھے۔ وہاں معتزلہ کی ایک جماعت تھی اور لوگ گفتگو کر رہے تھے۔ جب یہ لوگ خاموش ہوئے اور انہوں نے اپنی بات پوری کر لی تو آپ نے گفتگو شروع کی۔ ابوالحسن اشعری نے ایک ایک سے مخاطب ہو کر کہا یہ تم نے یہ کہا تھا اور اس کا جواب یہ ہے اور تم نے یہ اعتراض کیا تھا اس کا یہ جواب ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے سب کے سوالات کا جواب دے دیا''۔ [12]

ابوبکر بن الصیر فی کہتے ہیں:-

''معتزلہ نے بہت سر اُٹھایا تھا۔ ان کے مقابلہ کیلئے اللہ تعالیٰ نے امام ابوالحسن اشعری کو پیدا کر دیا۔ انہوں نے معتزلہ کو اپنی ذہانت و استدلال سے بند کر دیا اور ان کے اس کارنامے کی وجہ سے لوگوں نے انہیں مجدّدین و محافظین سنت میں شمار کیا ہے اور ابوبکر اسماعیلی جیسے بعض اہل نظر نے تجدید دین اور حفاظت شریعت کے سلسلہ میں امام احمد کے بعد ان کا نام لیا ہے۔ آپ کا ایک بڑا تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے عقلی دلائل سے عقائد و احکام کی حکمتیں بیان کیں اور ان کی برتری ثابت کی۔ اس بارہ میں سیّد سلیمان ندوی رقمطراز ہیں:-

''ان کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے کتاب وسنت کے حقائق اور اہلسنت کے عقائد کو عقلی دلائل سے ثابت کیا اور معتزلہ اور دوسرے فرقوں سے ان کے ایک ایک مسئلہ اور ایک ایک عقیدہ میں ان کی زبان اور اصطلاحات میں بحث کر کے عقائد اہلسنت کی صداقت اور ان کا منقول اور معقول کے مطابق ہونا واضح کیا''۔ [۱۳]

امام اشعری احمد بن حنبل کی طرح ''قدامت پسند'' ہیں یعنی کتاب وسنت پر عامل ہیں۔ البتہ اس کے ساتھ عقلی دلائل بھی تلاش کرتے ہیں، جہاں صرف عقلی دلیل بن سکتی ہو وہاں بے دھڑک وہی استعمال کرتے ہیں۔ آج کل اشاعرہ جو صرف معقولات پر حصر کئے ہوئے ہیں یہ اشعری کی طبع سے کوسوں دور تھا۔ چنانچہ ان کی تعلیم کیا تھی اس کا اندازہ اس حوالے سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:-

"قولنا الذی نقول به و دیانتنا الذی ندین بها التمسک بکتاب ربنا عز وجل وبسنة نبینا علیه السلام وما روی عن الصحابة والتابعین وائمة الحدیث و نحن بذالک معتصمون و بما کان یقول به ابوعبدالله احمد بن حنبل نضرالله وجهه'' [۱۴]۔ جو بات ہم کہتے ہیں یا جو دین ہم اختیار کرتے ہیں وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اور اقوال صحابہ اور تابعین اور آئمہ الحدیث کو مضبوطی سے پکڑنا ہے ہم اس پر اور جو امام احمد بن حنبل (خدا آپ کا چہرہ شاداب رکھے) کہیں اس پر مضبوطی سے قائم ہیں۔

معتزلہ سے اختلاف

مندرجہ ذیل مسائل میں آپ نے معتزلہ سے اختلاف کیا۔

۱۔ معتزلہ خدا کی ذات اور صفات کو جدا نہیں سمجھتے۔ مگر آپ نے فرمایا خدا کی صفات علم، بصارت، کلام ازلی وابدی ہیں اور ذاتِ حق سے جدا ہیں۔

۲۔ اللہ کا ہاتھ، چہرہ، عرش حقیقتاً اور مادی طور پر نہیں ہیں۔ ان سے مراد خدا کا فضل اور اس کی ذات وغیرہ ہے۔

۳۔ معتزلہ کے نزدیک قرآن مخلوق ہے اور امام اشعری کے نزدیک غیر مخلوق ہے اور یہ خدا کی صفت کا ظہور ہے۔

۴۔ معتزلہ کے نزدیک رویت باری حقیقتاً ممکن نہیں مگر اشعری کے نزدیک روز محشر میں ایسا ممکن ہوگا گو ہم اس کی تفصیلات سے ناآشنا ہیں۔

۵۔ معتزلہ کے نزدیک انسان کو افعال میں اختیار ہے۔ جبکہ اشعری کہتے ہیں کہ ہر چیز اللہ اور اس کے ارادے کے تحت ہے۔ ہر خیر وشر خدا کی مشیت پر ہے۔ عقیدہ کسب اشعری عقائد کا جزو ہے۔

۶۔ معتزلہ المنزلة بین المنزلتین عقیدہ کی بناء پر کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب مسلمان نہ مومن رہتا ہے اور نہ کافر۔ مگر اشعری کہتے ہیں کہ وہ مومن تو رہتا ہے لیکن جرم کی پاداش میں عذاب جہنم کا مستحق ہو جاتا ہے۔

۷۔ معتزلی حوض کوثر، پل صراط، میزان، شفاعت وغیرہ امور کے یا تو سرے سے منکر ہیں یا ان کی تاویل کر لیتے ہیں۔ جبکہ اشعری ان کی اصلیت کے قائل ہیں۔ [۱۵]

تصانیف

آپ کی مجددانہ شان آپ کی تصنیفات سے عیاں ہے۔ اس وقت تو ایسے صاحب قلم مرد میدان کی ضرورت تھی جو اپنے عہد کا ''سلطان اللہ'' ہوتا ہے اور اسی عقل کو دین کی خدمت کیلئے استعمال کرتا جسے معتزلہ دین سے دور ہٹنے کیلئے استعمال کر رہے تھے۔ جو کتاب وسنت کی افادیت بیان کرتا ہے۔

چنانچہ وقت کے تقاضا کے مطابق امام ابوالحسن اشعری خدا کی طرف سے مجدد مبعوث ہوئے۔آپ نے سینکڑوں کتب تصنیف فرمائیں جن کے ذریعہ سے معتزلہ کوشکست فاش ہوئی اور فلاسفہ کا غرور خاک میں مل گیا۔

آپ کی کتب کی تعداد میں بہت اختلاف ہے۔ قاضی ابوالمعالی بن عبدالما لک نے ان کی تعداد تین سو بتائی ہے ۔اسی طرح ابن فورک نے بھی تین سو کتب بتائی ہیں۔ تاہم ابن عساکر نے ننانوے اور علامہ ابن حزم نے پچپن بتائی ہے اور مقالات اسلامیین میں آپ کی ایک سو دو کتب کی فہرست موجود ہے۔ ذہبی کے نزدیک آپ کی تفسیر القرآن تیس اجزاء میں ہے۔

آپ کی کتب سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے ہاں نہ بے جا فلسفہ ہے نہ عقلی موشگافیاں، نہ تجرید (Abstraction) کی بے راہ روی اور نہ حکمت و دانش کی وہ بے جان خنکی ہے جو علم کلام کے ساتھ مخصوص ہے۔اسی طرح ان کتب میں اعتزال، جہمیت، تعلق پرستی، ثنویت اور دہریت کے دلائل کا قلع قمع کیا گیا ہے۔ گویا امام ابوالحسن اشعری اس سلسلہ الذہب کی ایک درخشاں کڑی ہیں جس نے ہر دور میں اسلام اور اہل اسلام کا سر فخر سے بلند رکھا۔

کتب کی اقسام

آپ کی تصنیفات کو مندرجہ ذیل اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ معتزلی دور کی کتب

۲۔ وہ کتب جو خارج از اسلام زمروں، فلاسفہ، طبعیوں، دہریوں، براہمہ، یہود اور نصاریٰ کے ردّ میں لکھیں۔

۳۔ وہ کتب جو خارجیہ، جہمیہ، شیعہ، معتزلہ، ظاہریہ جیسے اسلامی فرقوں کے ردّ میں لکھیں۔

۴۔ وہ کتب جن میں مسلم و غیر مسلم علماء کے مقالات وغیرہ نقل کیے ہیں۔

۵۔ ایسے سوالات کے جوابات پر مبنی رسالے جو لوگوں نے پوچھے۔جیسے **مقالات اسلامیین. الابانة من اصول الديانة. رسالة الايمان. قول جمله اصحاب الحديث و اهل السنة في الاعتقاد . رساله استحسان. الخوض فی علم الكلام**۔

آپ کی دوسری کتب میں **الفصول. المرجز. کتاب فی الجسم. اللمع الکبیر. اللمع الصغیر. مقالات غیر اسلامیین. مقالات المسلمین. المنخل الادراک. المختزن. کتاب المعارف. کشف الاسرار وھتک الاستار. اللمع الموجز. ایضاح البرھان. القبیس عن اصول الدین. کتاب القیاس. کتاب الاجتھاد** ۔آپ کی مشہور کتاب"**الفصول**" ہے جو بارہ کتب کا مجموعہ ہے۔اس میں آپ نے فلاسفہ،طبائعین ،دہریہ، ہندوؤں، یہودیوں،عیسائیوں اور مجوسیوں کا ردّ کیا ہے۔آپ نے اپنی کتاب العمد میں جو وفات سے چار سال قبل کی ہےاس میں خود اپنی اڑسٹھ کتب کی فہرست دی ہے جس میں اکثر ضخیم ہیں۔

آپ نے ہرطرح کے موضوعات پر قلم اٹھایا۔آپ کی ایک کتاب اس موضوع پر ہے کہ اجرام فلکی کی حرکت کی جو توجیہہ ارسطو نے بیان کی ہے وہ صحیح نہیں ہے اور اس حقیقت سے پردہ کشائی کی ہے کہ گردشِ افلاک سے سعادت و نجوم کا جو مفہوم از راہ جہل و نادانی وابستہ کرلیا گیا ہے اس کی علمی سطح پر تائید نہیں کی جاسکتی۔دوسرے ان کی مشہور تفسیر ہے جو **المختزن** کے نام سے موسوم ہے۔افسوس کہ دست و برد زمانہ سے یہ ثروتِ علمی ضائع ہوگئی۔یہ تفسیر کیا تھی ایک طرح کا موسوعہ تھی جس کے مضامین پانچ سو جلدوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ابن عربی نے نظامیہ کتب خانہ میں جاکر یہ تفسیر دیکھی اور اس کی تعریف کی ہے۔ [۱۶]

پس امام ابوالحسن اشعری نے اپنی تصنیفات کے ذریعہ معتزلہ او رفلاسفہ کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو تھام لیا۔شریعت سے اکھڑے ہوئے قدموں کو جمادیا،عقائد اہل سنت اور طریقہ سلف کی پرزور مدلل حمایت کرنے کی وجہ سے اہل سنت میں نیا اعتماد اور نئی زندگی پیدا ہوئی اور وہ احساسِ کمتری ختم ہوگیا جو گھُن کی طرح سوادِ اُمت کو کھا رہا تھا۔ان کے علاوہ تیسری صدی کے مجدد درجِ ذیل ہیں۔

قاضی احمد بن شریح بغدادی شافعی۔ابوجعفر طحاوی ازدی حنفی۔احمد بن شعیب
ابوعبدالرحمٰن نسائی۔خلیفہ مقدر باللہ عباسی (قریشی)۔حضرت شبلی صوفی۔عبیداللہ بن حسین
ابوالحسن کرخی صوفی حنفی۔امام بقی بن مخلد قرطبی مجدد اندلس اہلحدیث۔حضرت ابوشریحؒ

حوالہ جات

١۔ تاریخ دعوت وعزیمت 1/133

٢۔ مجمع البحار۔ صفحہ 548

٣۔ حجج الکرامہ۔ صفحہ 138

٤۔ ایضاً۔ صفحہ 138

٥۔ تاریخ دعوت وعزیمت۔ صفحہ 135

٦۔ ایضاً۔ جلد نمبر 1 صفحہ 135

٧۔ بحوالہ ماہنامہ خالد جنوری 1982ء

٨۔ ابن خلکان۔ صفحہ 464۔ بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت جلد 1 صفحہ 143

٩۔ دیباچہ مقالات اسلامیین۔ صفحہ 6

١٠۔ ابن خلکان بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت۔ جلد اوّل صفحہ 132

١١۔ ایضاً۔ جلد 1 صفحہ 133

١٢۔ تبیین کذب المفتری صفحہ 95 بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت۔ جلد 1 صفحہ 134

١٣۔ ایضاً۔ صفحہ 138

١٤۔ ایضاً۔ صفحہ 137

١٥۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد 2 صفحہ 799 زیر لفظ اشعری

١٦۔ مقالات اسلامیین (مقدمہ) اردو ترجمہ۔ صفحہ 3

چوتھی صدی کے مجدد

حضرت ابوبکر باقلانی

رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ

۳۳۸ھ - ۴۰۳ھ

فرمایا:

''اسلوب قرآن بھی معجزہ ہے......قرآن کے الفاظ، جملے، آیات کا آغاز و اختتام، صوتی زیروبم، معانی ومطالب، ترتیب، نظم ونسق سبھی معجزہ ہیں''۔ [۱]

ولادت وتعارف

آپ کا نام محمد بن الطیب بن جعفر تھا۔ بصرہ میں پیدا ہوئے۔ لیکن بغداد میں سکونت اختیار کی۔ آپ کا سن پیدائش 338ھ ہے۔ آپ چوتھی صدی کے مجدد ہیں۔

علمی فضائل کے ساتھ ساتھ زہد وتقویٰ، ریاضت وعبادت میں بھی مشہور ہیں۔ سفر وحضر میں ہمیشہ رات کے وقت بیس رکعت نفل ادا کیا کرتے تھے اور اس کے بعد قوت حافظہ کی مدد سے پینتیس ورق روزانہ لکھا کرتے تھے۔ آپ نے اساتذہ فن سے حدیث وعلم کلام حاصل کیا اور پھر متبحر عالم بنے۔ بغداد کے ''جامع المصور'' میں درس دیا کرتے تھے اور آپ کا حلقہ بہت وسیع تھا۔

امام ابن تیمیہؒ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

''یہ اشاعرہ میں افضل المتکلمین تھے۔ ان میں ایسا شخص نہ تو کوئی پہلے ہوا، نہ بعد میں''۔

آپ نے ابوبکر بن مالک، القطیعی، ابومحمد، ابواحمد الحسین بن علی النیشاپوری سے حدیث سنی اور علم النظر ابوعبداللہ بن مجاہد الطائی سے سیکھا۔ ؎

اکثر احباب انہیں مالکی مانتے ہیں۔ لیکن امام ابن کثیر نے ایک جگہ انہیں شافعی اور ایک جگہ خود تعجب کرتے ہوئے انہیں حنبلی بھی لکھا ہے۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ آپ کسی ایک مسلک کی کورانہ تقلید کے قائل نہ تھے بلکہ ایک مجدد اور مجتہد تھے۔ جو چیز جہاں صحیح لگی اسے اختیار کرنے میں تامل نہیں کرتے تھے۔

اُس زمانے کے مسائل

آپ کے وقت میں مسلمان حکمرانوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ وہ تمام اسلامی روایات کو فراموش کر چکے تھے۔ قرآنی تعلیمات زینت طاقِ نسیاں ہو چکی تھیں۔ طاقت کے نشے میں چور بادشاہ اپنے آپ کو خدا خیال کرنے لگے تھے۔ چنانچہ حاکم بامراللہ نے بادشاہ کو سجدۂ تعظیمی کرنے کا حکم دیا۔ مسجدیں جو ذکر اللہ کیلئے مخصوص ہیں اور خدا کا ارشاد ہے فلا تدعوا مع اللہ احدًا۔ وہاں بادشاہوں کی شان میں مبالغہ آمیز قصائد پڑھے جاتے تھے۔ ان کی شان بیان کی جاتی تھی اور مسلمانوں کی تربیت کی کسی کو کوئی پرواہ نہیں تھی۔ اسی زمانے کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے نواب صدیق حسن خانصاحب

لکھتے ہیں:-

''و نزد مائۂ چہارم حاکم بامراللہ بود وَوی ہر چہ فساد وخرابی کرد ظاہر است بلکہ درشر بدتر و بیشتر از حجاج بود۔ مردم را حکم کرد کہ ہر گاہ نام او در خطبہ ذکر کنند سجدہ نمایند و پیش از وی احدی بسجدہ تزوذ کر نام خود نکردہ وافاعیل ومفاعیل حاکم مذکور مشہور ومعروف است ونیز نزد رأس مائت درسنۃ سبع دار بعمائۂ رکن یمانی کعبہ وجدار قبر مطہر ومرقد بنور نبوی صلعم وقبہ کبیر کہ بر حجرہ بیت المقدس بود دفعتہً ساقط شدہ وایں را از عجائب وغرائب اتفاقات شمردند ومنجملۃ مجدّدین ایں مائۂ قاضی ابوبکر باقلانی وشیخ ابواحمد ا لفرینی اند''۔ [3]

(ترجمہ): چوتھی صدی کے نزدیک حاکم بامراللہ (بغداد کا) حکمران تھا اور اس نے ہر طرف فتنہ وفساد برپا کر رکھا تھا۔ بلکہ شرارتوں میں حجاج سے بدتر اور بیشتر تھا۔ رعایا کو حکم دیا کہ جہاں بھی خطبہ میں اس کا نام آئے اسے سجدہ کیا جائے اور اس سے پہلے کسی نے اپنے نام کے ساتھ سجدہ کا حکم نہ دیا تھا اور اس بادشاہ کی اور بھی خرعبیلات مشہور ومعروف ہیں اور صدی کے سر کے نزدیک یعنی 404ھ میں رکن یمانی اور روضہ نبوی کی دیوار اور قبہ کبیر جو کہ بیت المقدس پر تھا اچانک گر گئے اور اسے بڑا عجیب و غریب اتفاق شمار کیا گیا اور اس صدی کے مجدّدین میں قاضی ابوبکر باقلانی اور شیخ ابواحمد الفرائینی ہیں۔

وفات

مورخہ 23 ذیقعد 403ھ میں فوت ہوئے۔ [4]

تجدیدی کام

آپ اشاعرہ میں بلند مقام رکھتے ہیں اور آپ نے ابوالحسن اشعری کے کام کو ہی آگے بڑھایا۔ آپ نے امام اشعری کی بحثوں کو مرتب کیا۔ توحید کے دلائل عقلیہ بیان کئے۔ آپ علم کلام کے امام تسلیم کیے جاتے ہیں۔ روایت حدیث میں ثقہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ قاضی عیاض نے انہیں سیف السنۃ اور لسان الامۃ کا خطاب دیا۔ آپ اہل بصرہ کے امام وقت اور مالکیہ کے سرخیل کہلاتے ہیں۔ آپ نے ''سنت'' کی خوب نصرت فرمائی اور معتزلہ کا قلع قمع کیا۔ ایک دن دارقطنی نے باقلانی کا منہ چوم کر کہا

''یہ اہل الاہواء کا ردّ کرتا ہے''۔

عضداللہ کے دربار میں آپ کی علمیت اور مناظروں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔اسی بادشاہ نے آپ کو شاہ روم کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ چنانچہ قسطنطنیہ میں شاہ باسیلیوس ثانی کے دربار میں پادریوں سے آپ کے متعدد کامیاب مناظرے ہوئے۔ ۵؎

آپ نے عقائد ایمانیہ کیلئے دلائل عقلیہ کے انبار لگا دیے۔اس طریق استدلال کو اوجِ کمال تک پہنچایا۔اس کام سے دینی ونظری علوم کو تقویت پہنچی۔آپ نے مسئلہ بقا میں الاشعری سے اختلاف کیا۔باقلانی کے نزدیک بقا ذاتِ باری سے الگ صفت قرار نہیں دی جاسکتی۔

معتزلہ نے آپ کو پس پشت ڈال دیا تھا اور وہ اعجاز قرآن کے منکر ہو رہے تھے۔آپ نے اس کے ردّ میں فرمایا کہ قرآن تو معجزوں سے بھرا پڑا ہے۔''اسلوب قرآن بھی معجزہ ہے اور کوئی کتاب نہیں جو بلاغت، لطافت معانی فوائد جلیلہ اور حکم کثیرہ میں قرآن کا لگا کھا سکے۔قرآن کے الفاظ، جملے، آیات کا آغاز واختتام، صوتی زیروبم، معانی ومطالب، ترتیب، نظم ونسق سبھی معجزہ ہیں''۔ ۶؎

تصنیفی کام

آپ نے معتزلہ اور ملحدین کے ردّ میں یادگار لٹریچر چھوڑا ہے۔آپ کے تصنیفی کام کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ پینتیس ورق روزانہ رقم فرمایا کرتے تھے۔آپ نے ملحدین کے خلاف کثرت سے کتب لکھیں۔آپ کی پچپن کتب کا ذکر ملتا ہے۔جن میں سے چند مشہور کتب کے اسماء درج ذیل ہیں۔

اعجاز القرآن. تمهيد. مناقب الائمه. وقائع الكلام. كتاب الانصاف. كتاب البيان. كتاب الاصول. كتاب الاستشهاد. كتاب الابانة. هداية المسترشدين. الانتصار فى نقل القرآن. كتاب الامامة. الكبيرة. كشف الاسرار. (ابن کثیر کے نزدیک یہ باقلانی کی تصنیف ہے) **دقائق الكلام۔**

خصوصاً اعجاز القرآن عربی میں ایک اہم تصنیف ہے۔مختلف نوع سے اس میں اعجاز کا جائزہ لیا گیا ہے اور ان سب کو قرآن میں ثابت کیا گیا ہے۔آپ کے نزدیک اعجاز القرآن نبوتِ محمدیہ کی سب سے

بڑی دلیل ہے۔یہی وجہ ہے کہ باوجود تحدی کے کوئی قرآن کی مثیل لانے کیلئے مقابل پر نہیں آسکا۔ ے
آپ کے علاوہ چوتھی صدی کے مجدّدین کی فہرست یہ ہے۔
خلیفہ قادر باللہ عباسی (قریشی)۔ابوحامد اسفرانی۔حافظ ابونعیم۔ابوبکر خوارزمی حنفی
حضرت ابوطالب ولی اللہ صوفی قوت القلوب۔حافظ احمد بن علی بن ثابت بن خطیب بغدادی
ابواسحٰق شیرازی۔ابراہیم بن علی بن یوسف فقیہہ ومحدث اور شاہ ولی اللہ کے نزدیک
امام حاکم نیشاپوری اور ابوعبیداللہ نیشاپوری

حوالہ جات

۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ زیر اہتمام دانش گاہ لاہور جلد 3 صفحہ 980

۲۔ ایضاً صفحہ 978

۳۔ حجج الکرامہ۔صفحہ 136

۴۔ اردو دائرۃ المعارف۔جلد 3 صفحہ 976

۵۔ ایضاً

۶۔ ایضاً صفحہ 980

۷۔ ایضاً صفحہ 378

پانچویں صدی کے مجدد

حضرت امام غزالی

رَحمَۃُ اللّٰہِ عَلَیہ

۴۴۵ھ - ۵۰۵ھ

''امام صاحب کو عقائد۔اعمال۔اخلاق۔تعلیم وغیرہ شعبوں میں جس قدر اصلاح کرنے کا موقع ملا وہ بلا شبہ ایک مجدد کا کام ہے۔آپ نے کئی فقہی نزاعیں دُور کر کے صحیح اسلامی نظریے پیش کئے''۔ ۱؎

حالاتِ زندگی

(1059-1111ء) مشہور مسلمان مفکر، محمد نام، لقب مجدد الاسلام عرفیت غزالی 445ھ کو خراسان کے علاقہ طاہران میں پیدا ہوئے۔ان کے باپ محمد روئی فروش تھے اس مناسبت سے ان کا خاندان غزالی کہلایا کیونکہ روئی کاتنے والے کو عربی میں غزالی کہتے ہیں۔

امام صاحب کے والد تعلیم سے محروم تھے جس کا انہیں بہت قلق تھا۔مرتے وقت وہ اپنے دونوں بیٹوں کو ایک بزرگ کے سپرد کر گئے کہ ان دونوں بھائیوں کو تعلیم دلانا۔ چنانچہ ابتدائی تعلیم طاہران ہی میں ہوئی۔فقہ کی کتابیں احمد بن محمد وافکانی سے پڑھیں۔پھر جرجان امام ابونصر اسماعیلی کی خدمت میں پہنچے اور زانوئے تلمذ طے کیا۔علمی نوٹس جنہیں تعلیقات کہا جاتا ہے آپ نے بھی دیگر طلباء کی طرح تیار کر لیے۔وطن واپسی پر راستہ میں ڈاکہ پڑا اور سب کچھ لٹ گیا۔امام صاحب کو اور تو کسی چیز کا غم نہ تھا البتہ تعلیقات کے ضائع ہو جانے پر بہت صدمہ ہوا۔ جب آپ ڈاکوؤں کے سردار کے پاس نوٹس مانگنے گئے تو اس نے طنزاً کہا ایسے علم کا کیا فائدہ جو کاغذات کا رہین منت ہو۔اس طنز نے امام صاحب پر بڑا اثر کیا اور وطن واپس پہنچ کر ان تمام کاغذات کو حفظ کر لیا۔مزید تعلیم کیلئے امام صاحب اس وقت کے سب سے بڑے عالم علامہ ابواسحٰق شیرازی کے پاس نیشاپور پہنچے اور ان کی وفات تک ان سے پڑھتے رہے۔اسی دوران امام صاحب نے کئی تصانیف لکھیں۔ان کے انتقال کے بعد نیشاپور سے اس شان سے نکلے کہ تمام مسلمان ممالک میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔اس وقت ان کی عمر 28 برس تھی۔

نیشاپور سے آپ نظام الملک کے دربار میں پہنچے۔علمی شہرت کی بنا پر نظام نے بڑی تعظیم کی اور علمی مناظروں کا اہتمام کیا۔مناظروں میں ہمیشہ امام صاحب ہی غالب رہتے۔اس کامیابی پر آپ کی شہرت بہت چمکی اور نظام نے انہیں مدرسہ نظامیہ کا افسر اعلیٰ مقرر کر دیا۔اس وقت آپ کی عمر 34 برس تھی۔اتنی عمر میں یہ منصب امام غزالی سے پہلے کسی کو بھی حاصل نہیں ہوا تھا۔ مدرسہ نظامیہ کی مسند تدریس جب آپ نے سنبھالی تو تھوڑے ہی عرصہ میں ان کے علم وفضل کی دھاک بیٹھ گئی حتیٰ کہ سلطنت کے اہم امور بھی ان کی شرکت کے بغیر انجام نہیں پا سکتے تھے۔487ھ میں خلیفہ مقتدر باللہ کی وفات کے بعد مستنصر خلیفہ بنا تو اس کی بیعت میں دیگر اراکین سلطنت کے ساتھ امام غزالی بھی شریک تھے۔

مستنصر نہایت علم دوست اور قدر دان ہونے کی بنا پر امام صاحب کا حد درجہ احترام کرتا تھا۔ فرقہ باطنیہ نے جب زور پکڑا تو اس نے امام صاحب سے ان کے ردّ میں کتاب لکھنے کی درخواست کی۔ اس کتاب کا نام بھی انہوں نے ''مستنصر'' رکھا۔

علمی لحاظ سے آپ کی جلالت کا یہ عالم تھا کہ ان کے درس میں تین سو مدرسین اور امراء، رؤسا بالتزام حاضر ہوتے۔ علمی وعظ بھی کرتے اور ان وعظوں کو آپ کے ایک شاگرد صاعد نے دو ضخیم جلدوں میں جمع کیا اور اس کا نام ''مجالس غزالی'' مشہور ہوا۔

امام صاحب جس ماحول میں رہ رہے تھے اس کا تقاضا تو یہی تھا کہ رائج الوقت مسلک پر کاربند رہا جائے لیکن امام غزالی میں اجتہاد کا جذبہ بہت تھا۔ چاہتے تھے کہ دوسروں کے مسائل پر بھی نگاہ ڈالی جائے۔ اس زمانے میں بغداد واحد شہر تھا جو تمام مذاہب کا دنگل سمجھا جاتا تھا۔ امام صاحب خود بغداد گئے اور بڑے قریب سے سارے مذاہب کو پرکھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقلید کی بندش ٹوٹ گئی۔ رفتہ رفتہ یقین کسی مذہب کی تاویلات پر نہ رہا۔ اس وقت چار فرقے مشہور تھے۔ متکلمین، باطنیہ، فلاسفہ اور صوفیہ۔ ان سب فرقوں کے علوم وعقائد کی تحقیقات شروع کیں، قدما کی ساری تصانیف پڑھ ڈالیں لیکن تسلی نہ ہوئی۔

488ھ میں بغداد میں بڑی صوفیانہ حالت میں نکلے اور دمشق پہنچ کر مجاہدہ وریاضت شروع کر دی۔ مراقبہ وغیرہ کے ساتھ ساتھ جامع اموی میں درس بھی دیتے رہے۔ دو برس بعد بیت المقدس زیارت کیلئے پہنچے۔ زیارت کے بعد حج کی نیت سے مصر و اسکندریہ سے ہوتے ہوئے مکہ پہنچے۔ 490ھ میں مقام خلیل پہنچے تو عہد کیا کہ کسی بادشاہ کے دربار میں نہ جاؤں گا، نہ ہی عطیہ قبول کروں گا، نہ ہی کسی مناظرے میں حصہ لوں گا۔ چنانچہ مرتے دم تک اس عہد پر قائم رہے۔ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ امام صاحب نے احیاء العلوم اسی سفر کے دوران تصنیف کی تھی۔

جب آپ نے تحقیق کا ذوق پورا کر لیا تو 499ھ میں امام صاحب نے سلجوقی علم دوست بادشاہ کے اصرار پر دوبارہ نیشاپور کے مدرسے نظامیہ میں پڑھانا شروع کر دیا۔ فخر الملک 500ھ میں فوت ہو گیا تو امام صاحب نے دوبارہ گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

آپ کی اس عظیم شہرت نے کچھ حاسد بھی پیدا کیے۔ کسی زمانہ میں امام صاحب نے ایک مسئلہ

میں امام ابوحنیفہؒ پر تنقید کی تھی۔ مخالفین نے اسے بنیاد بنا کر سنجر جو خود صاحب علم نہ تھا کے پاس شکایت کردی اور امام صاحب پر زندیقیت کا فتویٰ لگا دیا گیا۔ سنجر نے امام صاحب کو طلب کیا۔ چونکہ امام صاحب عہد کر چکے تھے کہ کسی بادشاہ کے دربار میں نہ جائیں گے۔ اس وجہ سے ایک خط بادشاہ کے نام لکھا۔ اس سے بادشاہ بہت متاثر ہوا۔ اس نے ایک دستہ روانہ کیا۔ امام صاحب کو زبردستی دربار میں لے آیا۔ وہاں پہنچنے پر آپ نے ایک زوردار تقریر کی۔ بادشاہ بہت مرعوب ہوا اور آپ کو دوبارہ مسند تدریس کی پیشکش کردی اور بھی دعوتیں آئیں لیکن امام صاحب نے معذرت کردی اور گوشہ عافیت میں جاگزیں ہوئے۔ آپ کو حدیث کی تکمیل کا چونکہ موقع ابھی تک نہیں مل سکا تھا اس لیے آپ کے دل میں حدیث پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اتفاقاً ان دنوں مشہور محدث حافظ عمر بن ابی الحسنؒ طوس آئے ہوئے تھے۔ امام صاحب نے انہیں اپنے ہاں مہمان ٹھہرالیا اور صحیح بخاری و مسلم کی سند لی۔

امام غزالی کی عمر صرف 55 برس تھی۔ تقریباً دس برس کے تھے کہ تصنیف و تالیف کا شغل اختیار کرلیا۔ دس گیارہ برس صحرانوردی اور بادیہ پیمائی میں گزرے۔ درس و تدریس ہمیشہ جاری رکھی۔ ان کے تلامذہ کی تعداد کسی وقت بھی ڈیڑھ سو سے کم نہیں رہی۔ فقر و تصوف کے مشغلے اس سے جدا۔ دور دور سے فتاویٰ آتے ان کا جواب الگ لکھتے۔ اس کے باوجود آپ نے سینکڑوں کتابیں لکھیں۔ فقہ میں آپ کی مشہور کتابیں بسیط اور خاصۃ الرسائل۔ اصول فقہ میں تحصیل الماخذ، شفاء العلیل، مفصل الخلاف فی اصول القیاس۔ منطق میں معیار العلیم، محکم النظر۔ میزان العمل۔ فلسفہ میں مقاصد الفلاسفہ۔ علم کلام میں تہامۃ الفلاسفہ۔ منقذ، الجام التوام۔ تصوف و اخلاق میں احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، مشکوٰۃ الانوار، منہاج العابدین بہت مشہور ہیں۔ امام کی کچھ تصانیف صرف یورپ میں موجود ہیں اور کچھ کا ترجمہ عالم اسلام کی زبانوں میں ہو چکا ہے۔

علامہ نوویؒ نے بستان المحدثین میں ایک شخص کا بیان نقل کیا ہے کہ امام صاحب کی تصنیفات ان کی عمر کے لحاظ سے روزانہ 16 صفحے کے حساب سے لکھی گئی جو اتنے مشغلوں کے باوجود بالتزام حیرت انگیز ہیں۔ یاقوت التاویل تفسیر آپ کی طرف منسوب ہے جس کی ضخامت 40 جلدیں بیان کی جاتی ہے۔ لیکن علامہ شبلی کے مطابق فن تفسیر کو آپ نے ہاتھ نہیں لگایا۔ یاقوت التاویل ایک فرضی نام ہے۔ امام زین الدین عراقیؒ امام نوویؒ، شیخ ابومحمد وغیرہ کا اتفاق ہے کہ سب سے زیادہ مشہور اور مفید تصنیف

احیاء العلوم ہے۔ بعض صوفیا نے پوری کی پوری حفظ کر لی تھی۔ بعض صوفیا اسے الہامی تصنیف سمجھتے تھے۔ شیخ محی الدین اسے خانہ کعبہ کے سامنے بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔ قطب شاہ ولی اپنا خواب بیان کرتے ہیں کہ اسے آنحضرت ﷺ نے بہت پسند فرمایا۔

امام غزالی کی تصانیف پر بہت سے علماء نے حاشیے لکھے اور یورپ کے علماء نے بالخصوص ان کی قدر کی۔ علم کلام میں امام صاحب کو وہی مقام حاصل ہے جو ارسطو کو منطق میں۔ تقلید کے سخت دشمن تھے اور عقائد کی اصلاح میں مصروف رہتے۔ آپ نے بڑے بڑے بادشاہوں کو خط لکھے اور ان کو اصلاح عقائد کی دعوت دی اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ تاریخ اس بارے میں خاموش ہے۔

آج تقریباً تمام دنیا میں الٰہیات، نبوات اور معاد کے متعلق مسلمانوں کے جو معتقدات اور مسلمات ہیں یہ درحقیقت امام غزالی کے ہی مقرر کردہ ہیں۔

حضرت امام غزالیؒ کے متعلق ارشادات حضرت مسیح موعود

فقراء ریاکار ہو گئے ہیں

فرمایا:

''صوفیوں نے اس قسم کے ملامتی لوگوں کے بہت قصے لکھے ہیں۔ امام غزالیؒ نے بھی لکھا ہے کہ آج کل کے فقراء ریاکار ہوتے ہیں۔ تن کی آسانی کو مدنظر رکھ کر موٹے جھوٹے کپڑے تو پہنتے نہیں اس لیے باریک کپڑوں کو گیرو یا سبز رنگ لیتے ہیں اور اس کے جبے پہن کر اپنے کو فقراء مشہور کرتے ہیں۔ مقصود ان کا یہ ہوتا ہے کہ لوگوں سے متمیز ہوں اور عوام الناس خصوصیت سے ان کی طرف دیکھیں۔ پھر روزہ داروں کا ذکر لکھا ہے کہ کوئی روزہ دار مولوی کسی کے ہاں جاوے اور اسے مقصود نہ ہو کہ اپنے روزہ کا اظہار کرے تو مالک خانہ کے استفسار پر بجائے اس کے کہ سچ بولے کہ میں نے روزہ رکھا ہوا ہے اس کی نظروں میں بڑا نفس کش ثابت کرنے کیلئے جواب دیا کرتے ہیں کہ مجھے عذر ہے۔ غرضیکہ اسی طرح کے بہت سے مخفی گناہ ہوتے ہیں جو اعمال کو تباہ کرتے ہیں''۔ [2]

حضرت امام غزالی کے زمانہ کے پیرزادے اور فقراء

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانے کے پیرزادوں اور فقیروں کے عجیب عجیب حالات لکھے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ افسوس ہے بڑی ابتری پھیل گئی ہے کیونکہ یہ فقیر جو اس زمانہ میں پائے جاتے ہیں وہ فقیر اللہ نہیں بلکہ فقیر الخلوق ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے ہر حرکت وسکون، لباس، خوردونوش اور کلام میں حکمت پر عمل کرتے ہیں۔ مثلاً کپڑوں کیلئے وہ دیکھتے ہیں کہ اگر ہم عام غریبوں کی طرح گزی گاڑھے کے کپڑے پہنیں گے تو وہ عزت نہ ہوگی جو امراء سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ہم کو کم حیثیت اور ادنیٰ درجہ کے لوگ سمجھیں گے۔ لیکن اگر اعلیٰ درجہ کے کپڑے پہنتے ہیں تو پھر وہ ہم کو کامل دنیا دار سمجھ کر توجہ نہ کریں گے اور دنیا دار ہی قرار دیں گے۔ اس لیے اس میں یہ حکمت نکال لی کہ کپڑے تو اعلیٰ درجہ کے اور قیمتی اور باریک لے لیے لیکن ان کو رنگ دے لیا جو فقیری کے لباس کا امتیاز ہو گئے۔

اسی طرح حرکات بھی عجیب ہوتی ہیں۔ مثلاً جب بیٹھتے ہیں تو آنکھیں بند کر کے بیٹھتے ہیں اور اس حالت میں لب ہل رہے ہیں گویا اس عالم میں نہیں ہیں حالانکہ طبیعت فاسد ہوتی ہے۔ نمازوں کا یہ حال ہے کہ بڑے آدمیوں سے ملیں تو بہت ہی لمبی لمبی پڑھتے ہیں اور بطور خود سرے سے ہی نہ پڑھیں۔ ایسا ہی روزوں میں عجیب عجیب حالت پیش آتے ہیں۔ مثلاً یہ ظاہر کرنے کیلئے کہ نفلی روزے ہم رکھتے ہیں وہ یہ طریق اختیار کرتے ہیں کہ جب کسی امیر کے ہاں گئے اور وہاں کھانے کا وقت آ گیا تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ آپ کھائیے مجھے کچھ عذر ہے۔ اس کے معنے دوسرے الفاظ میں یہ ہوئے کہ مجھے روزہ ہے۔ اس طرح پر وہ گویا اپنے روزوں کو چھپاتے ہیں اور دراصل اس طرح پر ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ ظاہر کریں کہ ہم نفلی روزہ رکھتے ہیں۔

غرض انہوں نے اپنے زمانہ کے فقراء کے اس قسم کے بہت گند لکھے ہیں اور صاف طور پر لکھا ہے کہ ان میں تکلّفات بہت ہی زیادہ ہیں۔ ایسی حالت میں اس زمانہ میں بھی قریب قریب واقع ہو گئی ہے۔ جو لوگ ان پیروں اور پیرزادوں کے حالات سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ قسم قسم کے تکلّفات اور ریاکاریوں سے کام لیتے ہیں مگر اصل بات یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اسی سے امید رکھتا ہے وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کیلئے درست کرتا ہے اور اس طرح پر درست کرتا ہے جس

طرح پر اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور ہدایت کرتا ہے۔لیکن جو مخلوق سے ڈرتا اور مخلوق سے امید رکھتا ہے وہ اپنے آپ کو مخلوق کیلئے درست کرتا ہے۔خدا والوں کو مخلوق کی پرواہ نہیں ہوتی بلکہ وہ اسے مرے ہوئے کیڑے سے بھی کمتر سمجھتے ہیں۔اس لیے وہ ان بلاؤں میں نہیں پھنستے اور دراصل وہ ان کو کیا کرے اللہ تعالیٰ خود اس کے ساتھ ہوتا ہے اور وہی اس کی تائید اور نصرت فرماتا ہے۔وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے اور جانتا ہے کہ وہ خدا اپنی مخلوق کو خود اس کے ساتھ کر دے گا۔یہی سِرّ ہے کہ انبیاء علیہم السلام خلوت کو پسند کرتے ہیں اور میں یقیناً اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ وہ ہرگز ہرگز پسند نہیں کرتے کہ باہر نکلیں، لیکن اللہ تعالیٰ ان کو مجبور کرتا ہے اور پکڑ کر باہر نکالتا ہے۔ [۳]

وفات

14 جمادی الثانی 505ھ میں بمقام طاہران انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔امام صاحب کی وفات پر عالم اسلام کو بہت صدمہ پہنچا اور اکثر شعراء نے مرثیے لکھے۔ [۴]

امام صاحب کو عقائد، اعمال، اخلاق، تعلیم وغیرہ شعبوں میں جس قدر کام کرنے کا موقع ملا وہ بلاشبہ ایک مجدد کا کام ہے۔آپ نے کئی فقہی نزاعیں دور کر کے صحیح اسلامی نظریے پیش کیے۔ [۵]

آپ کے علاوہ پانچویں صدی کے مجدد حسب ذیل مانے جاتے ہیں۔

احمد بن حنبلؒ اور علامہ عینی اور کرمانی کے نزدیک حضرت راعونی حنفی،

خلیفہ مستظہر بالدین مقتدی باللہ عباسی (قریشی)، عبداللہ بن محمد انصاری،

ابو اسماعیل ہروی، ابو طاہر سلفی، محمد بن احمد ابوبکر شمس الدین سرخسی فقیہہ حنفی۔

حوالہ جات

۱۔ قاموس المشاہیر جلد دوم صفحہ 110۔ نیز دیکھیں الغزالی از علامہ شبلی و امام غزالی سیّد حسن نورانی۔ اسلامیہ کالج لکھنؤ

۲۔ ملفوظات۔ جلد چہارم صفحہ 88

۳۔ ملفوظات۔ جلد چہارم صفحہ 419-418

۴۔ شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا از سیّد محمود قاسم۔ صفحہ 88-1187

۵۔ قاموس المشاہیر جلد دوم صفحہ 110 نیز دیکھیں الغزالی از علامہ شبلی و امام غزالی سیّد حسن نورانی۔ اسلامیہ کالج لکھنؤ

چھٹی صدی کے مجدد

حضرت سیّد عبدالقادرِ جیلانی

رَحمَۃُ اللّٰہِ عَلَیہ

سنہ ۴۸۰ھ - سنہ ۵۶۱ ھ

فرمایا:
''جناب رسول اللہ کے دین کی دیواریں پے در پے گر رہی ہیں اور اس کی بنیاد بکھری جاتی ہے۔ باشندگانِ زمین آؤ جو گر گیا ہے اسے مضبوط کر دیں اور جو ڈھے گیا ہے اسے درست کر دیں۔ یہ چیز ایک سے پوری نہیں ہوتی۔ سب ہی کو مل کر کام کرنا چاہیے۔ اے سورج، اے چاند اور اے دن تم سب آؤ''۔ [1]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی بہت ساری کتب میں اس عظیم بزرگ کا ذکر فرمایا ہے۔ اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے بھی مختلف اوقات میں ذکر فرمایا ہے۔ ان ہر دو بزرگ ہستیوں کے انمول موتی حضرت سیّد عبدالقادر جیلانیؒ کی نظر کرتے ہیں۔

ولادت و نام و نسب

آپ کا اسم گرامی عبدالقادر تھا۔ آپ 470ھ بمطابق 1077ء کو بمقام جیل جو واسط اور بغداد کے درمیان ایک گاؤں ہے، میں پیدا ہوئے۔ بعض ماخذوں میں آپ کو بحیرہ خزر کے جنوبی صوبے جیلان کے ایک مقام ''نیف'' کا رہنے والا بتایا گیا ہے۔ والد کا نام ابو صالح اور والدہ کا نام ام الخیر امۃ الجبار فاطمہ تھا۔ آپ کی کنیت ابو محمد اور القاب محی الدین، محبوب سبحانی، غوث اعظم، سلطان الاولیاء وغیرہ ہیں۔

نسب نامہ یوں ہے۔ محمد الدین ابو محمد عبدالقادر بن ابو صالح بن جنگ دوست موسیٰ بن ابی عبداللہ بن یحییٰ الزائد بن محمد بن واحد بن موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ الجون بن عبداللہ بن حسن المثنیٰ بن امیر المومنین ابو محمد الحسن بن امیر المومنین علی المرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اسی طرح آپ والدہ کی طرف سے بھی حسینی ہیں۔ [2]

حالاتِ زمانہ

پانچویں صدی ہجری تک عالم اسلام میں سیاسی و فکری اضمحلال اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا۔ عہد اموی میں جہالت کی رجعتِ قہقری کے ادوار میں خلق قرآن، اعتزال میں اسلام کے ملحدانہ فلسفہ اور باطنیت کے فتنوں نے اہل اسلام کے خواص میں تشکیک و الحاد اور عوام میں بے راہ روی کے بیج بو دیئے تھے۔ یہ نزاع انتہائی مشکل اختیار کر گیا تھا کہ آیا انسانوں کو ایسا مسلک لادینی اختیار کر لینا چاہیے کہ وہ رسماً و رواجاً مسلمان رہے اور بس۔ یا ایسا دین عقل پرست اختیار کرے جو اہل دین کے مسلّمہ عقائد سے متصادم ہو اور علم کی نسبت یہ گمان تھا کہ وہ مردہ علم ہے جو مردہ لوگوں نے اوروں تک پہنچایا ہے۔ ایک تیسرا طبقہ اُن صوفیا کا تھا جنہوں نے اپنی شریعت بنا رکھی تھی۔ اور وہ نماز، روزہ سے برگشتہ ہو رہے تھے۔ اور ایک مجدد کے سامنے سوال یہ تھا کہ اس تصوف کو شریعت اسلامیہ کا ہم آہنگ کیسے کیا جائے۔

اور یہاں یہ حال تھا کہ ایک طرف یہ نام نہاد تصوف عروج پر تھی تو دوسری طرف تصوف کی شدید مخالفت میں کتب تصانیف ہورہی تھیں۔ گویا ایک حصہ افراط کا شکار تھا اور دوسرے حصہ پر تفریط غالب تھی اور اسلام جو میانہ رو ہے اس کا نشان نہ ملتا تھا۔

ایسے پُرآشوب حالات میں مصلحین اُمت نے عظیم تجدیدی کام کیا اور پانچویں صدی کے آخر اور چھٹی صدی کے نصف اوّل میں دو جرنیل بالخصوص ابھر کر سامنے آئے۔ یہ امام غزالی اور سیّد عبدالقادر جیلانی تھے۔ امام غزالی کی فکری تحریک سے شکوک والحاد کے فتنے کا سدّ باب ہو گیا لیکن جمہور امت میں بے یقینی اور بے عملی کے روگ کا مداوا ابھی باقی تھا۔ یہ کام عظیم صوفی مبلغ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے انجام دیا۔ جنہوں نے اپنے علم روحانی، تصنیف و تالیف اور خطابت سے مردہ مسلمانوں میں حیات نو پیدا کردی۔ آپ نے بے عمل صوفیا کو بھی متنبہ کیا۔ عوام وخواص کو بھی پکارا اور اس کے علاوہ غیر مسلموں میں بھی تبلیغ و دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دیا۔ آئندہ صفحات میں انشاءاللہ آپ کے تجدیدی و تبلیغی کام کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔ لیکن ضروری ہے کہ اس سے قبل آپ کے عظیم روحانی مقام اور عظمت کردار کا ذکر بھی مختصراً کر دیا جائے۔

عظیم رُوحانی مقام

آپ کے روحانی مقام کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مجدد اعظم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب اور ملفوظات میں متعدد بار آپ کا ذکر ملتا ہے۔ آپ کی کتب کے حوالے حضور نے درج کیے ہیں۔ حضور پرنور کے الہامات، رؤیا وکشوف میں بھی آپ کا ذکر ہے۔ آپ نے ان کتب کا مطالعہ بھی فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

۱۔ ''سیّد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب فتوح الغیب بڑی عمدہ کتاب ہے۔ میں نے اس کو کئی مرتبہ پڑھا ہے۔ بدعات سے پاک ہے''۔ [۲]

۲۔ حضرت اقدس نے آپ کو مجدد تسلیم کیا۔ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

''فانظر ایها العزیز کان اللہ معک ان هذ القائل بتأثیر النجوم عالم ربانی من علماء الهند و کان هوا مجدد زمانه و فضائله متبینة فی هذه الدیار و هو اما م فی عین الکبار ولا یختلف فی علّو شانه احد من

المومنین"۔ ۴؎

(ترجمہ) اے عزیز دیکھو۔ دیکھو خدا تمہارے ساتھ ہو۔ تاثیر نجوم کے متعلق یہ بات کہنے والا شخص ایک عالم ربانی از علماء ہند ہے اور وہ اپنے زمانے کا مجدد تھا۔ اس کے فضائل ان علاقوں میں واضح اور مسلّمہ ہیں۔ وہ ہر چھوٹے اور بڑے کی نظروں میں امام ہیں اور مومنوں میں سے کوئی ایک بھی ان کے علوّ مرتبت میں اختلاف نہیں کرتا۔

آپ کے مقام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:-

"حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے اکابر میں سے ہوئے ہیں ان کا نفس بڑا مطہر تھا"۔ ۵؎

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات میں حضور کو عبدالقادر بھی کہا گیا ہے۔ اس سے عبدالقادر جیلانیؒ کے مقام کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور کو الہام ہوا "**یا عبدالقادر انی معک و انک الیوم لدینا مکین امین**"۔ ۶؎

پھر الہام ہوا "**یا عبدالقادر انی معک اسمع و اری غرست لک بیدی رحمتی و قدرتی**"۔ ۷؎

حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"فطرتاً بعض طبائع کو بعض طبائع سے مناسبت ہوتی ہے۔ اسی طرح میری روح اور سیّد عبدالقادر کی روح کو خمیر فطرت سے باہم ایک مناسبت ہے جس پر کشوف صحیحہ صریحہ سے مجھ کو اطلاع ملی ہے۔ اس بات پر تیس برس کے قریب زمانہ گزر گیا ہے کہ جب ایک رات مجھے خدا تعالیٰ نے اطلاع دی کہ اس نے مجھے اپنے لیے اختیار کر لیا ہے۔ تب یہ عجیب اتفاق ہوا کہ اسی رات ایک بڑھیا کو خواب آئی جس کی عمر قریباً اسّی برس کی تھی اور اس نے صبح مجھ کو آ کر کہا میں نے رات سیّد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا ہے اور ساتھ ان کے ایک اور بزرگ تھے اور دونوں سبز پوش تھے اور رات کے پچھلے حصے کا وقت تھا۔ دوسرا بزرگ عمر میں ان سے کچھ چھوٹا تھا۔ پہلے انہوں نے ہماری جامع مسجد میں نماز پڑھی اور پھر مسجد کے باہر کے صحن میں نکل آئے اور میں ان کے پاس کھڑی تھی۔ اتنے میں مشرق کی

طرف سے ایک چمکتا ہوا ستارہ نکلا۔ تب اس ستارہ کو دیکھ کر سیّد عبدالقادر بہت خوش ہوئے اور ستارہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا **السلام علیکم** اور ایسا ہی ان کے رفیق نے السلام علیکم کہا اور وہ ستارہ میں تھا۔ **المُومن یُری و یری له**"۔ ۸

حافظ محمد ابراہیم صاحب بیان کرتے ہیں کہ 1883ء میں جب شہب گرے تو حضور اقدسؑ نے فرمایا "اس وقت میں دیکھ رہا تھا کہ میں اور سیّد عبدالقادر برابر کھڑے ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ شیخ سعدی اور سیّد عبدالقادر ایک باغ میں سیر کر رہے ہیں"۔ ۹

حافظ نور محمد صاحب سکنہ فیض اللہ چک ضلع گورداسپور نے بیان کیا:-

"ایک دفعہ حضورؑ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں ایک مرتبہ دیکھا کہ سیّد عبدالقادر صاحب جیلانی آئے ہیں اور آپ نے پانی گرم کرا کر مجھے غسل دیا ہے اور نئی پوشاک پہنائی ہے اور گول کمرہ کی سیڑھیوں کے پاس کھڑے ہو کر فرمانے لگے کہ آؤ ہم اور تم برابر کھڑے ہو کر قد ناپیں۔ پھر انہوں نے میرے بائیں طرف (دائیں طرف۔ الحکم) کھڑے ہو کر کندھے سے کندھا ملایا تو اس وقت دونوں برابر رہے"۔ ۱۰

اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:-

"اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جس طرح رسول کریم ﷺ کے ذریعے ایک زندہ خدا لوگوں کو نظر آیا۔ اسی طرح ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ اور علیؓ کے ذریعے بھی لوگوں کو ایک زندہ خدا نظر آیا تھا اور پھر ویسا ہی زندہ خدا حضرت حسن بصری، حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت شہاب الدین سہروردی، حضرت معین الدین چشتی اور سیّد عبدالقادر جیلانی وغیرہ کے ذریعے بھی نظر آتا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اسلام کے زندگی بخش اثرات کو برابر قائم رکھا"۔ ۱۱

اسی طرح دوسرے بزرگوں نے بھی آپ کا مقام بیان کیا ہے۔ چنانچہ ابن خلکان کہتے ہیں:-

"لم یکن فی اخر عمرہ فی عصرہ مثلہ ...... و کان شیخ الشیوخ ببغداد ...... و کان لہ مجلس وعظ وعلی وعظہ قبول کثیر و لہ نفس مبارک"۔ ۱۲

(ترجمہ) آخری عمر میں آپ کے زمانے میں کوئی آپ کا مثیل نہیں تھا اور آپ بغداد

کے شیخ الشیوخ تھے۔آپ مجلس وعظ منعقد کیا کرتے تھے اور آپ کے وعظ میں بڑی مقبولیت تھی اور آپ بابرکت وجود تھے۔

عبدالحق محدث دہلوی نے شیخ کا مقام روحانی ان الفاظ میں بیان کیا ہے

''مرتبۂ قطبیت کبریٰ وولایت عظمیٰ''۔ [۱۳]

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تحریر سے بھی آپ کا مقام واضح کیا جائے۔آپ فرماتے ہیں:۔

''شمس طلوع نہیں ہوتا مگر یہ کہ وہ مجھے سلام کرتا ہوا نکلتا ہے۔اور اسی طرح سے سال اور مہینے مجھے سلام کرتے ہیں اور تمام واقعات کی مجھے اطلاع دیتے ہیں۔ نیک بخت اور بد بخت بھی میرے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ میری نظر لوحِ محفوظ پر ہے اور میں اس کے علوم و مشاہدات کے سمندروں میں غوطے لگا رہا ہوں۔ **میں نائب رسول اور آپ کا وارث اور تم پر حجت ہوں**۔ تمام اولیاء، انبیاء علیہم السلام کے قدم بقدم ہوں۔آپ (ﷺ) نے اپنا کوئی قدم نہیں اُٹھایا مگر یہ کہ وہاں بجز اقدام نبوت کے میں نے اپنا قدم رکھا۔میں ملائکہ وانس وجن کل کا ہوں''۔ [۱۴]

ان کا مشہور فقرہ ہے ''**قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله**'' کہ میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔

عظمتِ کردار

تجدیدی کارناموں میں مجدد کے کردار کا بیان بھی ضروری ہے کیونکہ سیرت و کردار سب سے بڑی تبلیغ ہوا کرتا ہے اور بہت سی روحیں اسوہ دیکھ کر ہی راہ حق پر آجاتی ہیں۔ چنانچہ مفتی عراق محی الدین ابوعبداللہ محمد بن حامد بغدادی نے آپ کے اخلاق کا نقشہ یوں بیان کیا ہے:۔

''......توفیق وتائید الٰہی آپ کے ساتھ تھی۔علم آپ کا مربی و مہذب اور قرب الٰہی آپ کا اتالیق اور حضور آپ کا خزانہ اور معرفت آپ کا تعویذ اور کلام آپ کا مشیر اور نظیر آپ کا سفیر اور انس آپ کا مصاحب اور بسط آپ کی جان اور راستی آپ کا علم اور فتوحاتِ روحانی

آپ کی پونجی اور حلم آپ کا پیشہ اور ذکر آپ کا وزیر اور فکر آپ کا فسانہ گو اور مکاشفہ آپ کی غذا اور مشاہدہ آپ کی شفاء اور آدابِ شریعت آپ کا ظاہر اور اوصاف و اسرار حقیقت آپ کا باطن تھا''۔ ۱۵؎

شیخ معمر رقمطراز ہیں:۔

''آپ باوجود عظمت و بزرگی و افضلیت علمی کے چھوٹوں کے ساتھ کھڑے ہو جاتے اور بڑوں کی تعظیم کرتے اور انہیں سلام کیا کرتے۔ غرباء و فقراء کو اپنے پاس بٹھاتے اور ان سے عاجزی سے پیش آتے۔ امراء و رؤساء کی تعظیم کیلئے آپ کبھی کھڑے نہیں ہوئے اور نہ کبھی وزراء و سلاطین کے دروازہ پر گئے''۔ ۱۶؎

امراء سے اس سلوک کا باعث یہ تھا کہ وہ متکبر ہو چکے تھے اور دوسروں سے خدمت کرانے کے خواہشمند ہوتے تھے اور یہ بڑی بری بات ہے۔ اس لیے ایک مجدد کی حیثیت سے آپ نے انہیں احساس دلایا کہ اسلام ان بری عادات سے منع کرتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ امراء سے ذرا سختی سے بھی پیش آتے تھے۔ ان کی برائیوں کی طرف انہیں توجہ دلاتے تو لکھتے کہ ''عبدالقادر تمہیں حکم دیتا ہے۔ تم پر اس کا حکم نافذ اور اس کی اطاعت واجب ہے۔ وہ تمہارا پیشوا اور تم پر حجت ہے''۔

آپ کی مجلس میں بیٹھنے والا ہر شخص یہ گمان کرتا تھا کہ آپ سب سے زیادہ اسے پیار کرتے ہیں۔ آپ اپنے مریدوں کو یاد رکھتے اور ان کا حال پوچھتے۔ ان کے قصور کو معاف کر دیتے۔ اگر کوئی شخص آپ کے سامنے قسم کھا لیتا تو اس کی تصدیق کرتے اور اس کے متعلق اپنا حال مخفی رکھتے۔

آپ کی راست گوئی کا مشہور واقعہ آپ کے بچپن کا ہے۔ جب چوروں کے ایک قافلے کو آپ کی راست گوئی کے سبب ہدایت نصیب ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ''چوروں قطب بنایا ای'' میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

شیخ محمد قائد روانی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کے پاس تھا۔ میں نے آپ سے یہ پوچھا کہ آپ کی عظمت و بزرگی کا دارومدار کس بات پر ہے۔ آپ نے فرمایا راست گوئی پر۔ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا حتیٰ کہ جب میں مکتب میں پڑھتا تھا جب بھی کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ ۱۷؎

دیدارِ رسولؐ اور علم لدنی

آپ خود فرماتے ہیں:-

''ایک دن میں نے ظہر کے وقت سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا۔آپ نے مجھ سے فرمایا میرے فرزند تم وعظ ونصیحت کیوں نہیں کرتے۔میں نے عرض کیا میرے بزرگوار والد ماجد میں ایک عجمی شخص ہوں۔فصحائے بغداد کے سامنے کس طرح زبان کھولوں۔آپ نے فرمایا اپنا منہ کھولو۔ میں نے منہ کھولا۔آپ نے سات دفعہ تھتکارا۔پھر آپ نے فرمایا جاؤ تم وعظ ونصیحت کرو اور حکمت عملی سے لوگوں کو نیک بات کی طرف بلاؤ۔پھر میں نماز ظہر پڑھ کر بیٹھا تو خلقت میرے پاس جمع ہوگئی اور میں کچھ مرعوب ہوگیا۔اس کے بعد میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھا۔آپ نے فرمایا اپنا منہ کھولو میں نے منہ کھولا تو آپ نے چھ دفعہ اس میں تھتکارا۔میں نے عرض کیا آپ پوری سات دفعہ کیوں نہیں تھتکارتے۔آپ نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کا ادب کرتا ہوں۔پھر آپ مجھ سے پوشیدہ ہوگئے۔پھر میں نے دیکھا کہ غواصِ فکر دِل کے دریا میں غوطے لگا لگا کر حقائق ومعارف کے موتی نکالنے اور ساحل سینہ پر ڈال کر زمانِ مترجم اور فسانہ گو کو پکارنے لگا۔لوگ آ کر اطاعت وعبادت کے بے بہا اور گرانمایہ قیمتیں گذران کر انہیں خریدتے اور خدا کے گھروں کو ذکر الٰہی سے آباد کرتے اور یہ شعر پڑھتے

علی مثل لیلیٰ یقتل المرء نفسه — لیلیٰ کی طرح آدمی اپنے نفس کو قتل کر دیتا ہے اور پھر

ویحلوله مرّ المنایا و العذاب [18] — اسے عذاب اور موتیں شیریں محسوس ہوتی ہیں۔

آپ کا یہ کشف سچا ثابت ہوا۔آپ نے واقعی علوم ومعارف کے دریا بہا دیے اور ہدایت کے پیاسوں کو جام مئے عرفان بھر بھر کر دیتے رہے۔شرک کا قلع قمع کرتے رہے اور توحید الٰہی کا درس دیتے رہے۔

تجدیدی کارنامے

آپ کے دور میں رسوم وبدعات، قبر پرستی، پیر پرستی زوروں پر تھی۔آپ نے اس کے خلاف جہاد کیا۔شرک سے بچنے کی ہدایت کی۔لیکن وائے حسرت یہ عالی مرتبت بزرگ جو ساری عمر شرک کے

خلاف نبردآزما رہے آج لوگ ان کی قبر پر جا کر مشرکانہ افعال کرتے ہیں اور مستزاد یہ ہے کہ ان کی طرف مشرکانہ عقائد منسوب کر رکھے ہیں۔ جیسے آپ کا عزرائیل سے روحوں کا تھیلا چھین کر روحیں آزاد کر دینا اور کئی سال کی ڈوبی ہوئی کشتی کو مع مسافروں سمیت دوبارہ نکال دینا اور تمام مسافروں کا زندہ سلامت نکلنا۔

یہ سراسر ان کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہم ایسی خرافات کو بالکل تسلیم نہیں کرتے اور یہ ان ہستیوں پر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔ اس لیے ایسے واقعات کو ظاہری رنگ میں ہرگز تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ ایسا کرنا نصوص کے خلاف ہے۔ تاہم اگر ان کو کشف وغیرہ تسلیم کیا جائے تو اندریں صورت ان کو قبول کیا جاسکتا ہے۔ آپ نے معمولی باتوں کو بھی شرک کا حصہ سمجھا ہے اور توحید کی گہرائی میں جاتے ہوئے فرماتے ہیں:-

''آج تو اعتماد کر رہا ہے اپنے نفسوں پر، مخلوق پر، اپنے دیناروں پر، اپنے درہموں پر، اپنی خرید وفروخت پر، اپنے شہر کے حاکم پر، ہر چیز کہ جس پر تو اعتماد کرے وہ تیرا معبود ہے اور ہر وہ شخص جس سے تو خوف کرے یا توقع رکھے وہ تیرا معبود ہے اور ہر شخص جس پر نفع و نقصان کے متعلق تیری نظر ہو اور تو یوں سمجھے کہ حق تعالیٰ ہی اس کے ہاتھوں اس کا جاری کرنے والا ہے تو وہ تیرا معبود ہے''۔ [۱۹]

آپ کی ساری زندگی شرک کے خلاف جہاد میں گزری۔ حتیٰ کہ مرض الموت میں اپنے صاحبزادے عبدالوہاب کو یوں وصیت کی:-

''ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہو اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرو اور نہ اس کے سوا کسی سے امید رکھو اور اپنی تمام ضروریات اللہ کے سپرد کر دو صرف اسی پر بھروسہ رکھو اور سب کچھ اُسی سے مانگو......توحید اختیار کرو''۔ [۲۰]

شکستہ دلوں کیلئے موجب راحت

آپ نے مردہ دلوں میں حیات نو بخشی۔ آپ کی زبان جادو اور قلم سحر تھا۔ آپ کے دل میں دوسروں کیلئے تڑپ تھی۔ آپ کس درد دل کے ساتھ بھٹکے ہوؤں کو صنم سے ملنے کی دعوت دیتے ہیں۔

''اے خالی ہاتھ فقیر! اے وہ جس سے تمام دنیا برگشتہ ہے۔اے گمنام، اے بھوکے پیاسے ننگے، جگر جھلسے ہوئے، اے ہر مسجد و خرابات سے نکالے ہوئے، اے ہر درد سے پھٹکارے ہوئے، اے وہ کہ ہر مراد سے محروم خاک پر پڑا ہے، اے وہ جس کے دل میں آرزوؤں اور ارمانوں کے پشتے لگے ہوئے ہیں ......مت کہہ کہ خدا نے مجھے محتاج کر دیا، دنیا کو مجھ سے پھیر دیا، مجھے پامال کر دیا، چھوڑ دیا، مجھ سے دشمنی کی، مجھے پریشان کیا اور جمعیت نہ بخشی اور مجھے ذلیل کیا اور دنیا سے میری کفایت نہ کی......اے فقیر خدا نے تیرے ساتھ یہ برتاؤ اس لیے کیا کہ تیری سرشت مٹیا رز میں (کے مثیل) بے ریت ہے اور رحمت حق کی بارشیں تجھ پر برابر ہو رہی ہیں۔از قسم صبر و رضا و یقین و موافقت و علم اور ایمان و توحید کے انوار تیرے گرداگرد ہیں......اس نے آخرت میں تجھ کو مقام بخشا ہے اور اس میں تجھ کو مالک بنایا ہے۔اور عقبیٰ میں تیرے لیے اتنی کثرت سے برکتیں رکھی ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کان نے سنی اور نہ کسی انسان کے دل میں گزریں''۔ ۲۱

تعلیمات

نفس انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے اور یہ چھپ کر وار کرتا ہے۔آپ نے نفس کشی کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:-

''یاد رکھو کہ دل کی کدورت نہیں جا سکتی تاوقتیکہ نفس کی کدورت دور نہ کی جائے۔جب تک کہ نفس اصحاب کہف کے کتے کی طرح رضا کے دروازے پر نہ بیٹھ جائے اس وقت تک دل میں صفائی پیدا نہیں ہو سکتی۔اس وقت یہ خطاب بھی ملے گا **یأیتھا النفس المطمئنہ الخ** یعنی اے نفسِ مطمئنہ نہایت خوش و خرم ہو کر اپنے پروردگار کی طرف چلا جا۔اس وقت وہ حضرت القدس میں بھی باریابی حاصل کر سکے گا اور توجہات و نظر رحمت کا کعبہ بنے گا۔اس کی عظمت، اس کا جلال اس پر منکشف ہو گا اور مقام رفیع اعلیٰ سے اس کو سنائی دینے لگے گا **یا عبدی و کل عبدی انت لی و انا لک**''۔ ۲۲

بروز کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا ''**ھذا وجود جدی محمد** ﷺ **لا وجود عبدالقادر**''۔ ۲۳

آپ ذکر الٰہی اور دعاؤں میں خود بھی مشغول رہتے اور دوسروں کو بھی تلقین کرتے۔آپ یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

"اللھم انا نعوذ بوصلک من صدّک و بقربک من طردک وبقبولک من ردّک واجعلنا من اھل طاعتک و ودّک و اھّلنا لشکرک و حمدک یا ارحم الراحمین"۔ ۲۴

(ترجمہ) اے اللہ ہم تیرے ردّ کرنے سے تیرے وصل کی اور تیرے دھتکارنے سے تیرے قرب کی اور تیرے ردّ کرنے سے تیرے قبول کرنے کی پناہ چاہتے ہیں۔اے اللہ ہمیں اپنی عبادت اور کامل محبت کا اہل بنا اور ہمیں اپنے شکر اور حمد کے مقام پر نازل کر۔ یا ارحم الراحمین۔

قبولیت دُعا

اور مقبولان الٰہی کی پہلی علامت استجابت دعا ہے۔ چنانچہ صرف ایک واقعہ آپ کی قبولیت دعا کا درج کیا جاتا ہے۔

"ایک مجذوم کے پاس سے گزرے اس کے جسم سے کیڑے ٹپکتے تھے اور خون اور پیپ اس کے جسم سے بہتا تھا اور اطباء اس کے علاج سے عاجز ہو گئے تھے۔آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے پروردگار تو اسے عذاب دینے سے بے پرواہ ہے تو اس کو صحت عطا فرما۔ چنانچہ وہ تندرست ہو گیا"۔ ۲۵

راست گوئی

جیسا کہ ذکر گزر چکا ہے کہ راستبازی آپ کی فطرت ثانیہ تھی۔اس بارہ میں آپ فرماتے ہیں:

"تم ہر حال میں سچائی اور نیک نیتی اختیار کرو اور یاد رکھو کہ اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوتیں تو کسی شخص کو تقرب الی اللہ حاصل نہ ہوتا۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے **اذا قلتم فاعدلوا** جب تم بات کہو تو انصاف کی کہو اور سچ بولا کرو"۔ ۲۶

تصنیفات

آپ نے بھی دیگر مجدّدین کی طرح شاندار لٹریچر بطور یادگار چھوڑا۔ آپ کی تصنیفات میں گہرے معارف اور علوم ہیں۔ ان کی اہمیت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان کا مطالعہ فرمایا کرتے تھے اور ''فتوح الغیب'' کو آپ نے کئی مرتبہ پڑھا، اسے عمدہ اور بدعات سے پاک کتاب قرار دیا ہے۔ آپ کی چند کتب درج ذیل ہیں۔

۱- **الغنیة الطالبین طریق الحق** ۔ اس میں آپ کی حیثیت ایک معلّم دینیات کی ہے۔ اس میں ایک مسلمان کے اخلاقی و معاشرتی فرائض کی وضاحت ہے اور وہ معلومات ہیں جن کا حاصل کرنا ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے۔

۲- **الفتح الربانی** ۔ یہ آپ کے خطبات کا مجموعہ ہے۔ اس میں نہایت سادہ زبان میں عوام الناس کو ولی کامل کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ آپ نے اس میں نفس کے خلاف جہاد کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔

اس کے علاوہ آپ کی تصنیفات یہ ہیں۔

الفیوضات الربانیة فی الاوراد القادریة. فتوح الغیب. بشائر الخیرات. تحفة المتقین و سبیل العارفین. حزب الرجاء والانتهاء. الرسالة الغوثیه. الکبریت الاحمر فی الصلوٰة علی النبی ﷺ مراتب الوجود. یواقیت الحکم. معراج لطیف المعانی. جلاء الخاطر فی الباطن والظاهر. سّر الاسرار و مظهر الانوار فیما یحتاج الیه الابرار. اداب السلوک التوصل الی منازل ملک المملوک۔

علاوہ ازیں مفتی طرابلس کے کتب خانے میں تفسیر کا ایک قلمی نسخہ ہے جو ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ [۲۷]

وفات

آپ کی وفات 90 برس کی عمر میں 10 ربیع الاوّل 561ھ بمطابق 11 اپریل 1166ء میں ہوئی۔ [۲۸]

آپ کی سیرت بزبان حضرت مسیح پاکؑ

آپ کا نفس بڑا مطہّر تھا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:-

’’میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ حضرت سیّد عبد القادر جیلانیؒ جو بڑے اکابر میں سے ہوئے ہیں ان کا نفس بڑا مطہّر تھا۔ ایک بار انہوں نے اپنی والدہ سے کہا کہ میرا دل دنیا سے برداشتہ ہے میں چاہتا ہوں کہ کوئی پیشوا تلاش کروں جو مجھے سکینت اور اطمینان کی راہیں دکھلائے۔ والدہ نے جب دیکھا کہ یہ اب ہمارے کام کا نہیں رہا تو اس کی بات کو مان لیا اور کہا کہ اچھا میں تجھے رخصت کرتی ہوں۔ یہ کہہ کر اندر گئی اور اسّی اشرفیاں جو اس نے جمع کی ہوئی تھیں اُٹھا لائی اور کہا کہ ان اشرفیوں (مہروں) سے حصہ شرعی کے موافق چالیس اشرفیاں تیری ہیں اور چالیس تیرے بڑے بھائی کی۔ اس لیے چالیس مہریں تجھے بحصہ رسدی دیتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ چالیس مہریں ان کی بغل کے نیچے پیراہن میں سی دیں اور کہا کہ امن کی جگہ پہنچ کر نکال لینا اور عند الضرورت اپنے صرف میں لانا۔ سیّد عبد القادر صاحب نے والدہ سے عرض کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرماویں۔ انہوں نے کہا بیٹا جھوٹ کبھی نہ بولنا اس سے بڑی برکت ہوگی۔ اتنا سن کر آپؒ رخصت ہوئے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جس جنگل سے ہو کر آپ گزرے اس میں چند راہزن قزاق رہتے تھے جو مسافروں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ دور سے سیّد عبد القادر صاحب پر بھی ان کی نظر پڑی۔ قریب آئے تو انہوں نے کمبل پوش فقیر دیکھا۔ ایک نے ہنسی سے دریافت کیا کہ تیرے پاس کچھ ہے؟ آپ ابھی اپنی والدہ کی تازہ نصیحت سن کر آئے تھے کہ جھوٹ نہ بولنا۔ فی الفور جواب دیا کہ ہاں چالیس اشرفیاں (مہریں) میری بغل کے نیچے ہیں جو میری والدہ صاحبہ نے کیسہ کی طرح سی دی ہیں۔ اس قزاق نے سمجھا کہ یہ ٹھٹھا کرتا ہے۔ دوسرے قزاق نے جب پوچھا تو اس کو بھی یہی جواب دیا۔ الغرض ہر ایک چور کو یہی جواب دیا۔ وہ ان کو اپنے امیر قزاقان کے پاس لے گئے کہ

بار بار یہی کہتا ہے ۔امیر نے کہا اچھا اس کا کپڑا دیکھو تو سہی ۔ جب تلاشی لی گئی تو واقعی چالیس اشرفیاں (مہریں) برآمد ہوئیں۔ وہ حیران ہوئے کہ یہ عجیب آدمی ہے،ہم نے ایسا آدمی کبھی نہیں دیکھا۔امیر نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ تو نے اس طرح پر اپنے مال کا پتہ بتادیا؟ آپ نے فرمایا کہ میں خدا کے دین کی تلاش میں جاتا ہوں،روانگی پر والدہ صاحبہ نے نصیحت فرمائی تھی کہ جھوٹ کبھی نہ بولنا۔ یہ پہلا امتحان تھا میں جھوٹ کیوں بولتا۔ یہ سن کر امیر قزاقان رو پڑا اور کہا کہ آہ میں نے ایک بار بھی خدا تعالیٰ کا حکم نہ مانا۔ چوروں سے مخاطب ہوکر کہا اس کلمہ اور اس شخص کی استقامت نے میرا تو کام تمام کر دیا ہے۔اب میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا اور توبہ کرتا ہوں۔اس کے کہنے کے ساتھ ہی باقی چوروں نے بھی توبہ کر لی...... میں ’’چوروں قطب بنایا ای‘‘ اس واقعہ کو سمجھتا ہوں۔الغرض سیّد عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ پہلے بیعت کرنے والے چور ہی تھے‘‘۔ ؎۲۹

خدا کے مقرب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:-

’’دیکھو ابوالحسن خرقانی، بایزید بسطامی یا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ وغیرہ یہ سب خدا تعالیٰ کے مقرب تھے اور انہوں نے بھی شریعت ہی کی پابندی سے یہ درجہ پایا تھا نہ کہ کوئی نئی شریعت بنا کر۔جیسا کہ آج کل کے گدی نشین کرتے ہیں۔ یہی نماز تھی،یہی روزے تھے مگر انہوں نے اس کی حقیقت اور اصل غرض کو سمجھا ہوا تھا۔بات یہ تھی کہ انہوں نے اعمال کو بیگار کے طور پر پورا نہ کیا بلکہ صدق اور وفا کے رنگ میں ادا کرتے تھے۔سو خدا نے ان کے صدق وصفا کو ضائع نہ کیا۔خدا کسی کا احسان اپنے اوپر نہیں رکھتا۔وہ ایک پیسہ کے بدلے میں جب تک ہزار نہ دے تب تک نہیں چھوڑتا۔پس جس کسی انسان میں وہ برکات اور نشانات نہیں ہیں (البدر میں ہے ’’جب انسان نیکی کرنے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس سے کوئی فائدہ نظر نہیں آتا اور اس کو اس کے پھل عطا نہیں ہوتے تو وہ جھوٹا ہے‘‘) (البدر جلد 2 صفحہ 9، 20 مارچ 1903ء) اور وہ خدا کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔خدا پر الزام نہیں لگاتا بلکہ اپنا گند ظاہر کرتا ہے۔خدا کی جناب میں بخل ہرگز نہیں۔پس کوشش کرو کہ اس کی رضا کے موافق

عملدرآمد کرسکو"۔ ۳۰

فتوح الغیب سوانح شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

کا ذکر کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا:-

"فتوح الغیب کو اگر دیکھا جاوے تو بہت سیدھے سادے رنگ میں سلوک اور توحید کی راہ بتلاتی ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی قائل ہیں کہ جو شخص ایک خاص تعلق اور پیوند خدا تعالیٰ سے کرتا ہے اس سے ضرور مکالمہ الٰہی ہوتا ہے۔ یہ کتاب ایک اور رنگ میں ان کے سوانح معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے جیسے اللہ تعالیٰ کا فضل ان پر ہوتا رہا وہ ترقی مراتب کرتے رہے ویسے ویسے بیان کرتے رہے"۔ ۳۱

فتوح الغیب کی تعریف

حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کی تصنیف فتوح الغیب کی تعریف کرتے ہوئے حضورؑ نے فرمایا:-

"صوفی تو ایسے ہیں جیسے ہر وقت کوئی مرنے کو تیار رہتا ہے۔ان کی کتابوں کو پڑھ کر طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ان سے خوشبو آتی ہے کہ وہ صاحبِ حال ہیں صاحبِ قال نہیں۔ اگر فراست صحیحہ ہو تو انسان ان باتوں کو سمجھ لیتا ہے۔سیّد عبدالقادر جیلانیؒ کی کتاب فتوح الغیب بڑی عمدہ کتاب ہے۔ میں نے اسے کئی مرتبہ پڑھا ہے۔ بدعات سے پاک ہے۔ بعض کتابیں صوفیوں کی اس قسم کی بھی ہیں کہ ان میں بدعات داخل ہو گئی ہیں لیکن یہ کتاب بہت عمدہ ہے"۔ ۳۲

سیّد عبدالقادر جیلانی نہایت درجہ حسین تھے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:-

"روحانی حسن کی بنا پر بعض نے سیّد عبدالقادر جیلانی کی نعت میں یہ شعر کہے ہیں اور ان کو ایک نہایت درجہ حسین اور خوبصورت قرار دیا ہے۔اور وہ اشعار یہ ہیں

آن تُرک عجم چوں زمئے عشق طرب کرد
غارت گرمئے کوفہ و بغداد و حلب کرد
صد لالہ رُخے بود بصد حسن شگفتہ
نازاں ہمہ راز ہر قدم کرد عجب کرد ۳۳؎

عشق الٰہی کا خاصہ

فرمایا:۔

''اولیاء اللہ اور اہل اللہ کا یہی مسلک اور عقیدہ ہوتا ہے۔ سیّد عبدالقادر جیلانی لکھتے ہیں کہ عشق کا خاصہ ہے کہ مصائب آتے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے:

عشقا! برآ! تو مغز گرداں خوردی
باشیر دلاں چہ اسمی باکردی
اکنوں کہ بما روئے نبرد آوردی
ہر حینہ کہ داری نکنی نامردی

مصائب اور تکالیف پر اگر صبر کیا جائے اور خداتعالیٰ کی رضا کے ساتھ رضامندی ظاہر کی جاوے تو وہ مشکل کشائی کا مقدمہ ہوتی ہے۔

ہر ہلاکیں قوم را او دادہ است
زیر آں یک گنج با بنہادہ است ۳۴؎

سیّد عبدالقادر جیلانی کی فضیلت

فرمایا: ''حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی بڑے مخلص اور شان کے لائق تھے۔ کیا ان کے عہد میں لوگ نماز روزہ نہ رکھا کرتے تھے؟ پھر ان کو سب پر سبقت اور فضیلت کیوں ہے؟ اس لیے کہ دوسروں میں وہ بات نہ تھی جو ان میں تھی۔ یہ ایک روح ہوتی ہے، جب پیدا ہو جاتی ہے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدوں میں شامل کر لیتا ہے''۔ ۳۵؎

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا مقام مقامِ انعام تھا مقام ابتلاء نہیں تھا

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا:-

''ابتلاء اور ہوتے ہیں اور جزاء اور ہوتی ہے۔ اور بعض جزائیں تو ایسی ہوتی ہیں جو اعلیٰ درجہ کے روحانی مقامات حاصل کرنے کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام کے طور پر ملتی ہے۔ جیسے حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ میں اس وقت تک کھانا نہیں کھاتا جب تک خدا مجھے نہیں کہتا کہ اے عبدالقادر تجھے میری ذات ہی کی قسم کہ یہ کھانا کھا اور میں کپڑا نہیں پہنتا جب تک مجھے خدا نہیں کہتا کہ اے عبدالقادر تجھے میری ذات ہی کی قسم کہ یہ کپڑا پہن۔ یہ ابتلاء والا مقام نہیں بلکہ ایک روحانی عہدہ حاصل کرنے کا انعام ہے۔ ان لوگوں کو سَرَّاء اور ضَرَّاء میں گزر کر اللہ تعالیٰ ان کے اخلاق اور ان کے اندرونہ کو دنیا پر اچھی طرح ظاہر کر دیتا ہے۔ اس لیے یہ ضرورت نہیں رہتی کہ ان پر ابتلاء وارد کیے جائیں۔ لیکن تمام لوگوں کی یہ حالت نہیں ہوتی۔ ان کے دل پر کبھی گناہوں کی وجہ سے اتنا زنگ لگ جاتا ہے کہ نہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والی فراخی کا ان پر کوئی اثر ہوتا ہے اور نہ اس کی طرف سے آنے والی مشکلات ان میں تغیر پیدا کرتی ہیں وہ اندھے پیدا ہوتے ہیں اور اندھے ہونے کی حالت میں ہی اس جہاں سے گزر جاتے ہیں''۔ ۳۶

حضرت سیّد عبدالقادر جیلانیؒ کی کتب توحید سے بھری ہوئی ہیں

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا:-

''سیّد عبدالقار جیلانی ہیں ان کی کتابوں میں توحید ہی توحید بھری ہوئی ہے۔ اب اگر ان کے معتقد شرک کرنے لگ جائیں تو کوئی دھوکا نہیں لگ سکتا۔ اگر کوئی کہے کہ میں جیلانی صاحب کا معتقد ہوں تو ہم آپ کی کتابیں نکال کر اس کے سامنے رکھ دیں گے کہ دیکھو آپ تو بڑے موحد تھے۔ تمہیں بھی ان کی پیروی کرنی چاہیے۔ گویا مسلمانوں کی غلطیوں کو ظاہر کرنے کے مواقع موجود ہیں''۔ ۳۷

میری روح سیّد عبدالقادر جیلانی کی روح سے مناسبت رکھتی ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:-

''فطرتاً بعض طبائع کو بعض طبائع سے مناسبت ہوتی ہے۔اسی طرح میری روح اور سیّد عبدالقادر جیلانی کی روح کو خمیر فطرت سے باہم ایک مناسبت ہے جس پر کشوف صحیحہ صریحہ سے مجھ کو اطلاع ملی ہے''۔ ۳۸

اندرونی تبلیغ اور اصلاح

آپ کے عہد میں جیسا کہ ضرورت تھی کہ اپنے مسلمانوں کی پہلے اصلاح کی جائے اور ''مسلمان را مسلمان باز کردند'' کا مظاہرہ کیا جائے۔ چنانچہ سیّد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے امراء، حاکموں اور ہر خواص وعام کو تقریر و تحریر اور اپنے عمل سے صحیح اسلام سے روشناس کرایا۔ابن نجار کہتے ہیں:-

''انتهت اليه الرياسة فى تربية المريدين و دعاء الخلق الى الله''۔ ۳۹

مریدوں کی تربیت اور مخلوق کو دعوت الی اللہ میں آپ پر ریاست ختم ہے۔

آپ نے تدریس وافتاء، خانقاہی تربیت اور تصنیف و تالیف کے ساتھ عامۃ الناس کی اصلاح کیلئے تبلیغ و موعظت کا سلسلہ جاری کیا۔ 521ھ میں بغداد میں ابوالفتوح الاسفراینی نے خطبات کا سلسلہ جاری کیا جس میں نازیبا روایات کی بھرمار ہوتی۔جس سے عوام میں بے چینی پیدا ہوئی۔ چنانچہ آپ نے موقعہ کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے مواعظ کا سلسلہ جاری کیا تو لوگ ذوق وشوق سے شیخ کی مجالس میں آنے لگے۔اس طرح ان کا اضطراب تسلی میں تبدیل ہوتا گیا۔اور رجوع خلق کا یہ عالم تھا کہ مدرسہ میں توسیع کرنا پڑی۔ایسے لگتا تھا جیسے سارا بغداد اُمڈ آتا ہو۔حتیٰ کہ جگہ کی کمی کے باعث یہ وعظ عیدگاہ میں ہونے لگا۔آپ کی تقریروں میں اسلام کی زبوں حالی کے خلاف جدوجہد اور دِلی تڑپ کا اظہار ہے اور عوام الناس کے علاوہ چار سو علماء آپ کے وعظ میں اس لیے شریک ہوتے کہ آپ کے ارشادات قلمبند کریں۔اسی طرح تمام اراکین حکومت بھی آپ کے وعظ میں شریک ہوتے۔آپ کی تنقید حکومت پر بہت سخت ہوتی لیکن کسی کی مجال نہیں تھی جو آپ کے بیان میں ذرا گرفت کر سکے۔اکثر دس دس اور بیس بیس ہزار کا مجمع ہوتا۔ ۴۰

آپ کے ہمسائے میں ایک جوئباز رہتا تھا۔ایک دِن کھیلتے ہوئے وہ سارا مال ہار گیا۔ یہاں تک کہ اس نے ہاتھ کٹا دینے پر بازی کھیلی اور وہ بھی ہار گیا۔اب شرکاءمُصر تھے کہ یا تو ہاتھ کٹاؤ یا ہار مانو اور یہ تیار نہ ہوتا تھا۔ اتنے میں شیخ اپنی چھت پر آئے اور اسے کہا کہ یہ سجادہ لے لو اور بازی کھیلو۔ وہ کھیلا اور اس نے سارا مال واپس جیت لیا اور یہ کرامت دیکھ کر آپ کے ہاتھ پر تائب ہوگیا اور سارا مال خدا کی راہ میں خرچ کر دیا۔اس کی روزانہ کی آمدنی دوسو دینار تھی۔ [۴۱]

اگر اس واقعہ میں کچھ مبالغہ بھی ہو تو تب بھی اتنا اندازہ تو ہوتا ہے کہ آپ ہر قسم کے لوگوں کو ہدایت دیا کرتے تھے۔

اظہار علی الحق

آپ خدا کی طرف سے تجدید کے منصب پر فائز تھے۔اس لیے آپ جہاں غلطی پاتے اس کی اصلاح کیلئے کوشش کرتے اور کسی کی پرواہ نہ کرتے کہ آپ کے اس فعل سے حکمران ناراض ہو جائیں یا آپ کو نقصان پہنچائیں۔آپ حکمرانوں پر کڑی تنقید کیا کرتے تھے۔ چنانچہ خلیفہ المقتفی لامر اللہ نے ابوالوفاء یحییٰ جو ابن المرجم الظالم کہلاتا تھا کو قاضی نامزد کر دیا۔شیخ نے بھری مجلس کے سامنے اس منبر پر اس کی مذمت کی اور فرمایا”**ولیت علی المسلمین اظلم الظالمین ماجوابک غدًا عند ربّ العالمین ارحم الراحمین**“۔ [۴۲]

تم نے مسلمانوں پر ایسے شخص کو حاکم بنایا ہے جو سب سے بڑا ظالم ہے۔کل قیامت کے روز ربّ العالمین کو کیا جواب دو گے جو ارحم الراحمین ہے۔

عمادالدین ابن کثیر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:۔

”**کان یامر المعروف و ینھی عن المنکر للخلفاء والوزراء والسلاطین والقضاء والخاصة والعامة یصدعھم بذالک علی رؤس الاشھاد و رؤس المنابر و فی المحافل و ینکر علی من یولی الظلمة ولا تأخذ فی اللہ لومة لائم**“۔ [۴۳]

(ترجمہ) آپ معروف باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے تمام خلفاءاور وزراء اور سلاطین اور قضاة ہر خاص و عام کو منع کرتے تھے۔اور آپ علی الاعلان یہ باتیں منبروں پر

اور محفلوں میں کہا کرتے تھے۔ جو کسی ظالم کو حاکم بناتا اس پر اعتراض کرتے اور خدا کے معاملہ میں آپ کو کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہ ہوتی تھی۔

ایک اور جگہ امراء اور علماء سے جو راہ راست سے ہٹ چکے تھے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''اے علم و عمل میں خیانت کرنے والے تم کو ان سے کیا نسبت۔ اے اللہ اور اس کے رسول کے دشمنو، اے بندگان خدا کے ڈاکوؤ! تم کھلے ظلم اور کھلے نفاق میں ہو۔ یہ نفاق کب تک رہے گا۔ اے عالمو! اے زاہدو! شاہان اور سلاطین کیلئے کب تک منافق بنے رہو گے کہ ان سے دنیا کا زرومال اور اس کی شہوات ولذات لیتے رہو۔ تم اور اکثر بادشاہ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کے مال اور اس کے بندوں کے متعلق ظالم اور خائن بنے ہوئے ہیں۔ بارِالٰہ، منافقوں کی شوکت توڑ دے اور ان کو ذلیل فرما، ان کو توبہ کی توفیق دے اور ظالموں کا قلع قمع فرما اور زمین کو ان سے پاک کردے یا ان کی اصلاح فرمادے''۔ ۴۴

آپ کے دل میں عشق اسلام اور عشق رسول کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ چنانچہ آپ اسلام کی خستہ حالی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''جناب رسول اللہ کے دین کی دیواریں پے در پے گر رہی ہیں اور اس کی بنیاد بکھری جاتی ہے۔ اے باشندگانِ زمین آؤ جو گر گیا ہے اس کو مضبوط کردیں اور جو ڈھے (گر) گیا ہے اس کو درست کردیں۔ یہ چیز ایک سے پوری نہیں ہوتی۔ سب ہی کو مل کر کام کرنا چاہیے۔ اے سورج، اے چاند اور اے دن تم سب آؤ''۔ ۴۵

پس آپ نے خشک ملائیت کے خلاف جہاد کیا۔ آپ نرے صوفی ہی نہیں تھے بلکہ باعمل ولی اللہ تھے۔ شیخ نے صوفی مبلغ کی حیثیت سے چالیس سال تک کام کیا اور عملاً ثابت کر دیا کہ تصوف وطریقت پر محض اہل خلوت کا ہی قبضہ اور اجارہ داری نہیں۔ آپ پُراسرار رمزیت کے خلاف تھے۔ آپ تصوف کو شریعت کے ہم آہنگ اور کھلی شاہراہ کی طرح دیکھنا چاہتے تھے اور شریعت کے خلاف تصوف کے ردّ میں فرماتے ہیں:۔

''اگر حدودِ الٰہی میں سے (احکام شرعی) کوئی حد ٹوٹتی ہو تو سمجھ لو کہ تم فتنہ میں پڑ گئے ہو

اور شیطان تم سے کھیل رہا ہے۔فوراً شریعت کی طرف رجوع کرو اور اس کو مضبوط تھام لو۔ نفس کی خواہشات کو جواب دو اس لیے کہ ہر وہ حقیقت جس کی شریعت تائید نہیں کرتی باطل ہے''۔ [۴٦]

بیرونی تبلیغ

آپ نے اندرونی اصلاح کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں کو دعوت الی اللہ کا فریضہ بھی سرانجام دیا۔چنانچہ شیخ عمر کیسانی کہتے ہیں کہ کوئی مجلس آپ کی ایسی نہ ہوتی تھی جس میں یہود اور عیسائی اسلام نہ قبول کرتے ہوں اور رہزن خونی اور جرائم پیشہ توبہ سے مشرف نہ ہوتے ہوں۔فاسد الاعتقاد اپنے غلط اعتقاد سے توبہ نہ کرتے ہوں۔آپ کے درس کا ذکر گزر چکا ہے اس میں مسلمانوں کے علاوہ کثیر تعداد میں یہودی اور عیسائی بھی شریک ہوتے اور آپ کی زبان ترجمان قرآن سے وعظ سن کر مسلمان ہو جاتے۔لکھا ہے کہ آپ کے دست حق پرست پر پانچ سو سے زائد یہودیوں اور عیسائیوں نے اسلام قبول کیا۔ [٤٧]

ایک مرتبہ آپ کی مجلس میں ایک راہب سنان نامی آیا اور اس نے اسلام قبول کیا۔مجمع عام میں کھڑے ہو کر اس نے بیان کیا کہ میں یمنی ہوں اور میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی ہے میں اسلام قبول کروں۔میں نے ارادہ کیا کہ میں یمن میں جو شخص سب سے بڑا ہو گا اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کروں گا۔پھر مجھے نیند آ گئی تو میں نے حضرت عیسیٰؑ کو دیکھا۔انہوں نے فرمایا سنان تم بغداد میں جاؤ اور شیخ عبدالقادر جیلانی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرو کیونکہ وہ اس وقت روئے زمین کے تمام لوگوں سے افضل ہیں۔

اسی طرح شیخ صاحب خود فرماتے ہیں کہ میرے پاس تیرہ نصاریٰ آئے اور کہا کہ ہمیں ہاتف غیبی نے پکارا کہ عبدالقادر کے ہاتھ پر اسلام لاؤ تاکہ تمہارے دل ایمان سے بھر جائیں۔

شیخ عبداللہ بن جبائی بیان کرتے ہیں کہ شیخ صاحب نے مجھے فرمایا کہ میرے ہاتھ پر پانچ ہزار یہود و نصاریٰ نے اسلام قبول کیا اور ایک لاکھ سے زیادہ قطاع الطریق اور مفسد لوگوں نے توبہ کی۔ [٤٨]

اسی طرح آپ زندگی بھر تبلیغ اسلام و تجدید دین میں مصروف رہے۔آپ نے مریدوں کی

اصلاح کیلئے ’’طریقہ قادریہ‘‘ بھی جاری کیا۔آپ کی زندگی میں ہی لاکھوں انسان اس طریقہ سے فائدہ اٹھا کر ایمان کی حلاوت سے آشنا اور اسلامی زندگی اور اخلاق سے آراستہ ہوئے اور آپ کے بعد آپ کے مخلص خلفاء اور باعظمت اہل سلسلہ نے تمام ممالک اسلامیہ میں دعوت الی اللہ اور تجدید ایمان کا یہ سلسلہ جاری رکھا جن سے فائدہ اٹھانے والوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بیان نہیں کرسکتا۔یمن، حضرموت اور ہندوستان میں پھر حضرمی مشائخ کے ذریعہ جاوا اور سماٹرا میں اور دوسری طرف افریقہ کے براعظموں میں لاکھوں آدمیوں کی تکمیل ایمان اور لاکھوں غیر مسلموں کے قبول اسلام کا ذریعہ بنا۔

رضی اللہ عنہ و ارضاہ و جزاء عن الاسلام خیر الجزاء۔ ۴۹

چھٹی صدی کے آخر میں دوسرے مشہور اور عظیم الشان مجدد امام محمد بن عمر ابوعبداللہ فخر الدین رازی قریشی ہیں۔آپ 543ھ میں پیدا ہوئے اور 606ھ میں وفات پائی۔ بہت بڑے فلسفی اور متکلم تھے۔آپ حضرت عمرؓ کی اولاد میں سے تھے۔آپ کی کتابیں اسّی سے زائد ہیں۔سب سے مشہور تفسیر کبیر ہے۔جس کا حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے بھی ذکر فرمایا ہے اور آپ کے بعض حوالوں کو بہت عمدہ کہہ کر بیان فرمایا۔ ۵۰

چھٹی صدی کے دوسرے مجددّین میں مندرجہ ذیل ہیں۔

علی بن محمد عزالدین ابن کثیر۔امام رافعی شافعی صاحب زبدۃ شرح شفاء

یحییٰ بن جبش بن فیرک حضرت شہاب الدین سہروردی شہید امام طریقت

یحییٰ بن اشرف بن حسن محی الدین ولی۔حافظ عبدالرحمٰن بن جوزی۔

حوالہ جات

۱۔ تاریخ دعوت وعزیمت جلد 1 صفحہ 280

۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔جلد 2 صفحہ 924

۳۔ ملفوظات۔جلد 8 صفحہ 52

۴۔ حمامۃ البشریٰ۔صفحہ 76 ایڈیشن اوّل

۵۔ ملفوظات۔جلد 1 صفحہ 79

۶۔ اربعین نمبر 2 صفحہ 6

۷۔ براہین احمدیہ۔چہارم حصص صفحہ 514

۸۔ ضمیمہ براہین احمدیہ۔حصہ پنجم صفحہ 65 حاشیہ

۹۔ الحکم 21 مارچ 1936ء صفحہ 5

۱۰۔ سیرۃ المہدی۔جلد 1 صفحہ 760

۱۱۔ تفسیر کبیر۔جلد 7 صفحہ 198

۱۲۔ تاریخ دعوت وعزیمت۔جلد 1 صفحہ 290

۱۳۔ اخبار الاخیار۔صفحہ 11

۱۴۔ حیات جاودانی۔صفحہ 49

۱۵۔ ایضاً۔صفحہ 50

۱۶۔ الطبقات الکبریٰ للشعرانی بحوالہ حیات جاودانی۔صفحہ 48

۱۷۔ ایضاً۔ صفحہ 20

۱۸۔ ایضاً۔صفحہ 33

۱۹۔ فیوض یزدانی مجلس نمبر 20 بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت۔جلد اوّل صفحہ 271

۲۰۔ ایضاً صفحہ 286

۲۱؎ رموز الغیب مقالہ نمبر 25 بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت۔ جلد اوّل صفحہ 276

۲۲؎ ایضاً صفحہ 144

۲۳؎ گلدستہ کرامات۔ صفحہ 10

۲۴؎ حیات جاودانی۔ صفحہ 106

۲۵؎ ایضاً۔ صفحہ 254

۲۶؎ ایضاً۔ صفحہ 66

۲۷؎ اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد نمبر 12 صفحہ 932

۲۸؎ اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد نمبر 12 صفحہ 924

۲۹؎ ملفوظات۔ جلد 1 صفحہ 50-49، صفحہ 245

۳۰؎ ملفوظات۔ جلد سوئم صفحہ 154

۳۱؎ ایضاً۔ صفحہ 565

۳۲؎ ملفوظات۔ جلد 4 صفحہ 396

۳۳؎ روحانی خزائن۔ جلد 21 صفحہ 221

۳۴؎ ملفوظات۔ جلد دوم صفحہ 298

۳۵؎ ملفوظات۔ جلد چہارم صفحہ 662

۳۶؎ تفسیر کبیر۔ جلد ششم صفحہ 563

۳۷؎ تفسیر کبیر۔ جلد دہم صفحہ 340

۳۸؎ روحانی خزائن۔ جلد 1 صفحہ 224 حاشیہ

۳۹؎ مرأۃ الجنان ملیافعی جلد نمبر 4 صفحہ 81 بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت جلد اوّل صفحہ 290

۴۰؎ دس ولی۔ صفحہ 94

۴۱؎ حیات جاودانی۔ صفحہ 135

۴۲؎ قلائد الجواہر۔ صفحہ 6

۴۳؎ قلائد الجواہر۔ صفحہ 8

۴۴ تاریخ دعوت وعزیمت۔جلداوّل صفحہ 280

۴۵ فیوض یزدانی بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت۔جلد 1 صفحہ 280

۴۶ حیات جاودانی۔صفحہ 40

۴۷ دس ولی۔صفحہ 92

۴۸ حیات جاودانی۔صفحہ 47

۴۹ تاریخ دعوت وعزیمت۔جلداوّل صفحہ 285

۵۰ امام رازی۔عبدالسلام ندوی، معارف پریس اعظم گڑھ 1950ء
وآئینہ کمالات اسلام صفحہ 119

ساتویں صدی کے مجدد

حضرت خواجہ معین الدین چشتی

رَحمَۃُ اللّٰہِ عَلَیہ

۵۳۶ھ - ۶۳۳ھ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا:-
"معین الدین آ میں تجھے حج اور زیارت سے بھی زیادہ ضروری کام بتاؤں۔ واپس لوٹ جا اور صحیح معنوں میں معین الدین بن جا اور تبلیغ اسلام کیلئے ہندوستان کا رُخ کر"۔ [1]

خواجہ معین الدین چشتیؒ

ولادت، نام ونسب

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری 14 / رجب المرجب 536ھ بمطابق 1341ء بمقام "سخر" (سیستان) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام سیّد غیاث الدین تھا جو کہ ایک خدا رسیدہ اور صاحب اثر و دولت انسان تھے۔ آپ کی والدہ کا نام بی بی مہ نور تھا جو اپنی پارسائی کے باعث "ام الورع" کہلاتی تھیں۔ آپ کا سلسلہ نسب تیرھویں پشت میں حضرت امام حسینؓ سے اور دسویں پشت پر حضرت امام حسنؓ سے ملتا ہے۔ اس اعتبار سے آپ حسنی الحسینی سیّد ہیں۔

ابتدائی حالات

آپ کے والدین اس وقت سیستان سے ہجرت کر کے خراسان آ گئے جب کہ آپ کی عمر بہت چھوٹی تھی۔ 15 برس کی عمر میں آپ کے والد نے رحلت فرمائی اور اِسی سال والدہ بھی راہ عدم کو کوچ کر گئیں۔ ایسے کڑے حالات میں جہاں نہ ماں کی آغوش محبت اور نہ باپ کا سایہ عاطفت تھا آپ کی پرورش ہوئی۔ اسی لیے آپ کے اساتذہ کا خاص علم نہیں ہوتا۔ تاہم مولانا محمد حسام بخاریؒ سے چند کتب پڑھیں اور بعد ازاں موضع ہارون میں آ کر حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے حلقہ ارادت میں بیعت کر کے شامل ہوئے۔ دراصل آپ میں علمی بیداری اس طرح ہوئی کہ آپ پہلے ایک قلندرانہ زندگی گزارتے تھے۔ اپنا ایک باغ تھا اسی پر گزارہ تھا اور وہیں روز و شب گزرتے تھے کہ ایک دن ایک ولی اللہ کا وہاں سے گزر ہوا۔ قلندر کی ایک نظر میں آپ کے دل کی کایا پلٹ گئی اور آپ "ہر چہ بادا باد" کہہ کر حصول علم کی راہوں میں چل نکلے اور اتنے بڑھے کہ مجدد زمانہ ٹھہرے۔ **و ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔**

وفات

آپ کی وفات حسرت آیات 97 برس کی عمر میں 6 / رجب 633ھ کو ہوئی۔ آپ کی تاریخ وفات کو حضرت سرمد نے اشعار میں یوں بیان کیا ہے۔

شدز دنیا چو در بہشت مریں | وہ معین الدین جو مرشد و متقی تھا دنیا سے
مرشد و متقی معین الدینؒ | بہشت میں چلا گیا۔ ان کی رحلت کی تاریخ
گفت تاریخ رحلتش سرمد | سرمد بیان کرتا ہے۔ جو محرمِ دل تھے اور ولی
محرم دل ولی معین الدین ۶۳۳ھ | اللہ تھے۔ آپ کا نام معین الدین تھا۔ ہم
افسانہ یاران کہن خواندم و رفتیم | پرانے دوستوں کا فسانہ پڑھا اور چلے گئے۔
درباب کہ لعل و گہر افشاندم و رفتیم [٢] | اس بارہ میں لعل و گوہر بکھیرے اور چلے گئے۔

باخدا انسان۔ روحانی مقام

۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بزرگان امت کے باخدا لوگوں میں آپ کا ذکر بھی فرمایا ہے۔[٣]

۲۔ اسی طرح حضرت مصلح موعودؓ آپ کے متعلق فرماتے ہیں:-

”جس طرح فقہ کے چار امام ہیں۔ اسی طرح روحانی علوم کے بھی چار امام ہیں اور ان میں سے ایک حضرت خواجہ معین الدین چشتی کا نام نامی ہے“۔[٤]

حالاتِ زمانہ

جب آپ نے ہوش سنبھالا تو خراسان گہوارۂ رنج والم تھا۔ تاتاریوں نے مسلم دنیا میں کشت و خون پھیلایا ہوا تھا۔ اہل اللہ مظالم کا شکار تھے۔ اسلام کی بے حرمتی ہو رہی تھی۔ 549ھ میں جب آپ کی عمر تیرہ برس کی تھی کہ سلطان سنجر کو تاتاریوں کے ہاتھوں شکست ہوئی اور وسط ایشیا کے لٹیرے خراسان، نیشاپور، طوس، مشہد مقدس میں داخل ہوگئے۔ جہاں بے گناہ بندگان خدا کے لہوؤں کی ندیاں بہادی گئیں، کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کیے گئے، عورتوں کی آبروریزی کی گئی، مکانات منہدم کردیے گئے، مسلمانوں کو غلام بنالیا گیا، مساجد نذرِ آتش کردی گئیں، یگانہ روز علماء مثلاً محمد بن یحییٰ، عبدالرحمٰن بن عبدالصمد نیشاپوری، حسن بن عبدالمجید رازی وغیرہ کو شہید کردیا گیا۔ یہ تو بیرونی آفات تھیں اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی اندرونی حالت بھی انتہائی ناگفتہ بہ تھی اور دراصل تاتاریوں کے یہ حملے بھی حضور ﷺ کی پیشگوئی کو پورا کر رہے تھے کہ **یاایھا الکفار اُقتل الفجار**۔ اس وقت

مسلمانوں کی اکثریت فسق و فجور میں مبتلا تھی۔ اس لیے خدا نے ان کو عبرت سکھانے کیلئے کفار ان پر مسلط کردیے جنہوں نے ان کی آبادیوں کو ویرانوں میں بدل دیا۔

آپ کے عہد میں مسلمانوں کا اکثر حصہ کفر و بت پرستی کا دلدادہ تھا۔ برصغیر میں ہر طرف ہندو چھائے ہوئے تھے اور معاشرہ ان کی بدرسومات کا اسیر ہو رہا تھا۔ چھوت چھات کا رواج تھا اور ہندوؤں کی دیدہ دلیری کہ وہ مسلمانوں کے ہندوستان میں قدم رکھنے کو ناپاک خیال کرتے تھے۔ یہ وہ حالات تھے جن میں خدا کی طرف سے خواجہ صاحب تجدید دین کیلئے کھڑے کیے گئے۔ آپ نے ظلمت کدوں میں کس طرح نور ہدایت پہنچایا اس کا تذکرہ آئندہ چند صفحات میں کیا جائے گا۔ لیکن گزشتہ طریق کے مطابق تجدیدی کارناموں سے قبل آپ کی عظمت، کردار اور تعلیم کا اجمالی ذکر بھی ضروری ہے۔ کیونکہ انسان کا عملی نمونہ سب سے بڑی تبلیغ ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کون سی تعلیم تھی جسے آپ دنیا کے سامنے پیش کرتے تھے کہ لوگ جوق در جوق آپ کے حلقہ ارادت میں آتے جاتے اور قرب الٰہی کے مقامات طے کرتے جاتے۔

دیدارِ رسول اور بعثت

آپ باون سال تک فقیرانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ اسی دوران آپ نے سفر حج اور زیارت روضۃ النبیؐ کا ارادہ کیا اور عازم سفر ہوئے۔ راستے میں ہی تھے کہ خواب میں حضرت نبی کریم ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''معین الدین آ میں تجھے حج اور زیارت سے بھی زیادہ ایک ضروری کام بتاؤں۔ واپس لوٹ جا اور صحیح معنوں میں معین الدین بن جا اور تبلیغ اسلام کیلئے ہندوستان کا رُخ کر''۔ جب آنکھ کھلی تو تعمیل حکم میں یہ بے نوا فقیر فوراً اپنی گدڑی سنبھال، پاپیادہ ہندوستان کی طرف روانہ ہوگیا۔ ہندوستان ایک ایسا ملک جو آپ کیلئے اجنبی مطلق تھا اور مستزاد یہ کہ بت پرستی سے گھرا ہوا۔ مگر یہ فقیر حق آشنا تنِ تنہا ہندوستان کو فتح کرنے چلا۔ عشق سرمدی کا یہ دیوانہ ہر مشکل کو طے کر کے پہلے لاہور پھر دہلی اور بالآخر اجمیر پہنچا۔ ۵

شخصیت و عظمت کردار

آپ کے مرشد حضرت عثمان ہارونی نے آپ کے متعلق فرمایا:۔

''معین الدین محبوب خدا است و مرا فخر است بر مریدی او'' معین الدین خدا کے محبوب ہیں اور مجھے ان کی مریدی پر فخر ہے۔

لارڈ کرزن نے لکھا:۔

''میں نے اپنی زندگی میں دو ایسے بزرگ دیکھے ہیں جو اپنی وفات کے بعد بھی لوگوں کے دلوں پر اس طرح حکمرانی کر رہے ہیں کہ جیسے بنفسِ نفیس ان کے درمیان موجود ہوں۔ ان میں سے ایک تو مغلیہ حکمران اورنگ زیب عالمگیر ہے اور دوسرے خواجہ معین الدین اجمیری''۔ [۶]

ریاضت

بابا فرید آپ کی ریاضت کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

''خواجۂ ہند نے اپنی ریاضت کے ابتدائی زمانہ میں کچھ ایسے طریقے سے جہادِ نفس کیا کہ لوگوں کو محوِ حیرت کر دیا اور ریاضت کا وہ طریقہ اختیار کیا کہ اس کی نظیر عارفانِ حقیقت کے زمرہ میں مشکل سے ملے گی۔ آپ لگاتار سات سات دن تک روزہ رکھتے اور صرف پانچ مثقال کی ٹکیہ سے روزہ افطار کرتے''۔ [۷]

اخلاقِ حسنہ

آپ کے عہد میں حکمران طاقت کے نشے میں چور تھے۔ اس لیے رعایا کا خیال نہ رکھتے اور مظلومین کی دادرسی نہ ہو سکتی۔ مگر آپ اس امر کا اہتمام کرتے کہ جب بھی کوئی حاجتمند آپ کے پاس آ کر اپنی بپتا بیان کرتا تو آپ حتی المقدور اس کی دادرسی فرماتے۔ چنانچہ ایک کاشتکار نے آپ سے شکایت کی کہ فلاں حاکم نے میری زمین ضبط کر لی ہے۔ اگر آپ شاہِ التمش سے سفارش کر دیں تو میری زمین واپس مل سکتی ہے۔ آپ اس کے ہمراہ اجمیر سے دہلی تشریف لائے اور التمش کو فرمایا اس کی زمین واپس دلائی جائے۔ شاہ نے آپ کی بڑی عزت افزائی کی اور آپ کی سفارش منظور کر لی۔ اس واقعہ سے اندازہ کریں کہ مخلوق خدا کی ہمدردی کا جذبہ کس حد تک آپ کے دل میں موجزن تھا۔

تعلیمات

حقیقی نیکی اور حقیقی تصوف کی تعلیم دیتے ہوئے بیان فرماتے ہیں:-

''فقیر کون ہے۔ بندہ پر فقیر کا لفظ اس وقت صادق آتا ہے کہ جب تک آٹھ سال تک بائیں ہاتھ کا فرشتہ جو بدی تحریر کرنے پر مامور ہے اس کے نامۂ اعمال میں ایک بدی بھی تحریر نہ کرے''۔ [8]

پھر فرمایا: ''عارف کے تین ارکان ہیبت، تعظیم اور حیا ہیں۔ ہیبت یہ ہے کہ اپنے معاصی پر شرمندہ ہو۔ تعظیم سے مراد ہمیشہ اطاعت میں کوشاں رہے اور حیا یہ ہے کہ سوائے خدا کے کسی پر نظر نہ ڈالے''۔

اسی طرح مزید فرمایا:-

''ندی نالہ اور دریا کے پانی بہنے میں شور غل ہوتا ہے لیکن جب سمندر میں جا کر مل جاتے ہیں تو وہ آواز جاتی رہتی ہے۔ اس پر سلوک کی منزلوں کا قیاس کر لینا چاہیے''۔

تجدیدی کارنامے

آپ نے اشاعت دین کے سلسلے میں کئی سفر کیے۔ آپ لاہور، دہلی اور اجمیر تشریف لائے اور اجمیر میں آپ نے قیام فرمایا اور دعوت اسلام کا کام جاری رکھا۔ لوگ جوق در جوق آپ کے ہاتھ پر جمع ہوتے گئے۔ یہاں کے حاکم جس کا نام رائے پتھورا تھا، نے آپ کی مخالفت پر کمر باندھی مگر جلد ہی شہاب الدین غوری نے ہند پر حملہ کیا اور فاتح نصیب جرنیل ہو کر ابھرا۔ اس حملے میں رائے پتھورا قتل ہوا۔ یوں آپ کے راستے کی رکاوٹ اللہ تعالیٰ نے دور کر دی اور آپ کے راستوں میں موانعات اور مزاحمتوں کا خطرہ ٹل گیا۔ [9]

آپ کے سفروں کے درمیان ایمان افروز واقعات رونما ہوتے تھے۔ ہرات سے روانہ ہو کر جب آپ سبزوار آئے تو یہاں کا حاکم یادگار علی تھا۔ یہ بڑا ظالم، فاسق و فاجر تھا۔ آپ ایک دن ایک باغ میں تلاوت فرما رہے تھے اتنے میں بادشاہ آیا، آپ محو تلاوت رہے۔ اسے یہ دیکھ کر بہت غصہ آیا کہ اس

نے میری طرف ذرہ بھر توجہ نہیں کی، اُٹھ کر استقبال نہیں کیا۔ چنانچہ اس نے کہا کہ اس فقیر کو نکال دو۔ آپ نے ایک نظر اُٹھا کر اسے دیکھا۔ نجانے اس نظر میں کیا جادو تھا کہ وہ اپنی جگہ پر تھر تھر کانپنے لگا اور آپ کے ہاتھ پر تائب ہو گیا۔

؎ جادو نگہے از اثر چشم سیہ مست

پیمانۂ مئے و مئے پیماند فروشد ؎۱۰

اسی طرح آپ ایک مرتبہ بغداد میں تھے۔ یہاں سات آتش پرست مشہور تھے۔ وہ آپ کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ جب آپ کی نظر کیمیا ان پر پڑی تو وہ ہیبت سے کانپنے لگے۔ آپ نے انہیں ارشاد فرمایا گمراہو! آگ چھوڑ کر خدا کو اختیار کرو۔ انہوں نے عرض کیا ہم آگ کے جلنے، جلانے سے ڈرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا جب تک خدا کو نہیں مانتے نجات ممکن نہیں۔ انہوں نے پوچھا آپ خدا کو مانتے ہیں۔ کیا آگ آپ کو نہیں جلاتی۔ آپ نے بڑے جوش سے فرمایا ''میں تو خدا کا بندہ ہوں۔ آگ اس بندے کے جوتے کو بھی نہیں جلا سکتی''۔ انہوں نے عملی مظاہرہ چاہا۔ آپ نے اپنا جوتا آگ میں پھینکا تو وہ سرد ہو گئی۔ تب یہ ساتوں آتش پرست کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ ؎۱۱

آپ نے ہندوستان میں محسوس کیا کہ یہاں موسیقی کو بہت دخل ہے اور لوگ اس میں بڑی رغبت رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ایسے حلقوں میں تبلیغ کرنے کیلئے محفل سماع کی بنیاد ڈالی اور ہنود کے دلپسند طریقے سے انہیں اسلام کا پیغام پہنچایا اور یہی محفل سماع آہستہ آہستہ قوالی کی شکل اختیار کر گئی۔ ؎۱۲

لیکن آپ کے بعد قوالی کا استعمال غیر ضروری طور پر بڑھ گیا اور اب تو باقاعدہ فلمی گانوں کی صف میں آتی جا رہی ہے۔ جو خواجہ صاحب کے مقصد کے صریحاً خلاف ہے۔

رجوع الی الحق کی یہ کیفیت تھی کہ ایک مرتبہ آپ اجمیر سے دہلی تشریف لائے تو راستہ میں سات سو ہنود مسلمان ہوئے۔ ؎۱۳

آپ کو جہاں موقع ملتا آپ تبلیغ میں مصروف ہو جاتے۔ راجہ اجمیر کا گورو ایک بڑا اوڈان یوگی تھا۔ خواجہ صاحب کی تبلیغی تلوار اس گورو پر پڑی اور اپنا کام کر گئی۔ تب لوگوں نے سوچا کہ اتنا بڑا اوڈان یوگی مسلمان ہو گیا ہے تو ضرور اس میں صداقت ہے۔ چنانچہ لوگ گروہ در گروہ حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے۔ تمام راجپوتانہ میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک اسلام پھیل گیا۔ ؎۱۴

تصانیف

آپ نے علوم ومعارف سے بھر پور چند کتب اپنی یا گار چھوڑی ہیں۔

ا۔ انیس الارواح ۔یہ آپ کے پیرو مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمۃ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو آپ نے ترتیب دیا ہے۔

۲۔ دیوانِ معین ۔۱۳۱غزلوں پر مشتمل یہ دیوان جو آپ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ان کی مشہور رباعی ہے۔

شاہ ہست حسین و بادشاہ ہست حسین	حسینؑ شاہ اور بادشاہ ہیں۔آپ دین اور
دین است حسین ودین پناہ ہست حسین	دین کی پناہ ہیں۔آپ نے سر دے دیا
سردادنہ داد دست در دست یزید	لیکن یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہ دیا۔حق
حق کہ بنائے لا الہ است حسین	یہ ہے کہ توحید باری کی بنیاد حسینؑ ہیں۔

۳۔ گنج الاسرار - یہ کتاب آپ نے خواجہ عثمانی ہارونیؒ کے ارشاد پر التمش بادشاہ کی تربیت کیلئے لکھی۔

۴۔ احادیث المعارف ۵۔ رسالہ وجودیہ

۶۔ دلیل العارفین - اس میں خواجہ صاحب کے ملفوظات ہیں جو حضرت بختیار کاکیؒ نے جمع کیے ہیں۔

فنافی الرسول

آپ رسول کریم ﷺ کے عاشق صادق تھے۔ بلکہ فنافی الرسول تھے اور بروز محمد ﷺ تھے۔ چنانچہ حسنات العارفین میں لکھا ہے ”ایک شخص نے خواجہ صاحب سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ مرید ہو جاؤں۔کہا لا الــہ الا الـلــہ چشتی رسول اللہ کہو۔اس نے ایسا ہی کہا۔خواجہ صاحب نے اسے مرید کرلیا۔ ۱۵؎

اس سے آپ کے مقام روحانیت کا اندازہ ہوتا ہے۔اس میں آپ نے بروز کا مسئلہ حل کردیا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کو پانا چاہتے ہو تو پوری طرح میری متابعت کرو۔آج احمدیوں

کے خلاف زبانِ طعن دراز کرنے والوں کو یہ حوالہ غور سے پڑھنے کی ضرورت ہے جو احمدیوں پر نئے کلمے کا بہتان لگاتے ہیں اور یہ کہ احمدی جب کلمہ پڑھتے ہیں تو محمدؐ سے مراد ان کی مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔ جو سراسر بے بنیاد الزام ہے مگر اس حوالہ کے متعلق ان کا کیا خیال ہے جہاں واضح چشتی رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔ اس قسم کی مثالیں اور بزرگوں کی بھی ہیں لیکن یہاں ان کا موقع نہیں۔

الغرض یہی وہ غریب اور فقیر انسان ہے جو آج ''سلطان الہند'' کے نام سے مشہور اور جس کی آرامگاہ لاکھوں عقیدت مندوں کا مرجع بنی ہوئی ہے۔ آپ نے اپنی عمر کے پورے چوالیس سال ہندوستان میں پھر کر تبلیغ اسلام میں بسر کیے۔ ان کا اوڑھنا اور بچھونا تبلیغ تھا۔ سوتے جاگتے، اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے سوائے تبلیغ کے کچھ اور کام نہ تھا۔ درحقیقت آپ اور آپ جیسے دوسرے باخدا لوگوں ہی کی انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان میں مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک مسلمان پھیلے ہوئے ہیں۔ بلاشبہ ہندوستان میں مسلمانوں کی جڑیں حضرت معین الدین چشتی نے خوب مضبوط کیں۔ قیامت تک ہندوستان میں جو بھی مسلمان ہوگا اس کا ثواب خدا کے اس اولوالعزم جرنیل کے نامۂ اعمال میں ضرور لکھا جائے گا۔ سلطان الہند معین الدین اجمیری کا یہ حملہ ہندوستان کے ان ہزارہا مسلح نوجوانوں اور بیسیوں زبردست بادشاہوں کے حملوں سے بہت زیادہ کامیاب اور بہت زیادہ عظیم الشان تھا۔ جنہوں نے بڑی بڑی فوجوں اور ساز وسامان کی موجودگی میں ہندوستان پر حملے کیے۔

حوالہ جات

۱۔ سوانح عمری معین الدین چشتی از عبدالرحمٰن شوق۔ صفحہ 12

۲۔ ″ ″ ″ مؤلفہ الیاس رضوی۔ صفحہ 42

۳۔ کتاب البریہ صفحہ 71۔ روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 92

۴۔ تحفۃ الملوک۔ صفحہ 59-58، ایڈیشن اوّل

۵۔ سوانح عمری۔ عبدالرحمٰن شوق۔ صفحہ 12

۶۔ سیارہ ڈائجسٹ اولیاء اللہ نمبر 57

۷۔ سوانح عمری خواجہ معین الدین چشتی۔ صفحہ 19

۸۔ ″ ″ ″ مؤلفہ عبدالرحمٰن شوق۔ صفحہ 66

۹۔ سوانح عمری الیاس رضوی۔ صفحہ 40

۱۰۔ ایضاً صفحہ 26

۱۱۔ سوانح عمری۔ مؤلفہ عبدالرحمٰن شوق۔ صفحہ 64

۱۲۔ سیارہ ڈائجسٹ اولیاء اللہ نمبر۔ صفحہ 61

۱۳۔ دعوت اسلام از آرنلڈ۔ صفحہ 278

۱۴۔ ریویو آف ریلیجنز صفحہ 51 فروری 1947ء

۱۵۔ حسنات العارفین۔ صفحہ 34

ساتویں صدی کے ایک اور مجدد

حضرت امام ابن تیمیہ

رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ

۶۶۱ھ - ۷۲۸ھ

سراج الدین البراز کہتے ہیں:-

''خدا کی قسم! میں نے آپ سے بڑھ کر رسول کریم کی تعظیم کرنے والا۔ رسول اللہ کی پیروی کرنے والا اور آپ کے دین کی نصرت کی حرص رکھنے والا کوئی فرد نہیں دیکھا''۔ [1]

ولادت نام ونسب۔ مختصر حالاتِ زندگی

تقی الدین ابوالعباس احمد بن شہاب الدین عبدالحلیم بن مجد الدین عبدالسلام ابن عبداللہ بن محمد بن الخضر ابن علی بن عبداللہ بن تیمیہ الحرانی الحنبلی بروز دوشنبہ بتاریخ 10 / ربیع الاوّل 661ھ میں دمشق کے قریب موضع ''حران'' میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان کئی پشتوں سے علم وفضل میں مشغول تھا۔

ذہبی لکھتے ہیں کہ ابن تیمیہ نے قرآن، فقہ، مناظرہ واستدلال میں سن بلوغ سے پہلے مہارت حاصل کر لی تھی اور علمائے کبار میں شامل ہونے لگے تھے۔ 17 برس کی عمر میں افتاء وتصنیف کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ آپ بڑے متقی، عابد، صائم، ذاکر، حدوداللہ کے پابند اور سادہ لباس تھے۔ دمشق میں وہ اپنے باپ اور زین الدین محمد بن عبدالدائم المقدس، نجم الدین عساکر، زینب بنت مکی کے درس میں شامل ہو کر زیور تعلیم سے آراستہ ہوتے رہے۔

681ھ میں اپنے باپ کی جگہ پر حنبلی فقہ کے استاد مقرر ہوئے۔ ہر جمعہ کو آپ تفسیر القرآن کا درس دیا کرتے تھے۔ آپ کو پہلی مرتبہ تیس برس کی عمر میں قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا گیا مگر آپ نے قبول نہ کیا۔ 691ھ میں آپ نے حج کیا۔ 698ھ میں آپ نے صفاتِ باری تعالیٰ کے متعلق سوالات کا ایسا جواب دیا جس سے شافعی علماء ناراض ہو گئے اور رائے عامہ آپ کے خلاف ہو گئی۔ آپ کو مدرس کے عہدے سے برطرف کر دیا گیا اور قاہرہ جا کر جہاد کی تلقین کا کام سونپا گیا۔

705ھ میں آپ قاہرہ آئے۔ اگلے روز قاضیوں کی مجلس میں دربار میں بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ یہاں آپ کی پانچ مجالس ہوئیں اور بالآخر آپ کو اپنے دو بھائیوں کے ہمراہ پہاڑی قلعے کے قید خانے میں ڈال دیا گیا جہاں آپ ڈیڑھ سال تک قید رہے۔

707ھ میں انہوں نے فرقہ اتحادیہ کے خلاف کتاب لکھی۔ جب مخالفین کی طرف سے جواب طلبی ہوئی تو آپ نے سب کو مسکت جواب دیئے۔ لہٰذا آپ کو رہا کر کے دمشق بھیجا گیا۔ لیکن ابھی پہلی منزل پر تھے کہ دوبارہ بلا کر قاضی کے قید خانے میں ڈیڑھ سال کیلئے بند کر دیا گیا۔ آپ نے راہِ حق میں آنے والی تکالیف کو برداشت کیا اور قید خانے میں بھی قیدیوں کو اصول اسلام سکھاتے رہے۔ آزادی کے چند دن بعد اسکندریہ کے قلعے میں دوبارہ آٹھ ماہ کیلئے قید کر دیا گیا۔ اس کے بعد قاہرہ آئے اور

سلطان الناصر نے انہیں مدرس کے طور پر بحال کر دیا۔

رجب 720ھ میں طلاق بالیمین کے مسئلہ میں حکومتی مسلک کے خلاف عقیدہ پر دمشق کے قلعے میں پابند سلاسل کیا گیا اور پانچ ماہ اٹھارہ دن بعد رہائی ملی۔ 710ھ میں بھی آپ کو انبیاء واولیاء کے مزارات پر جانے کے متعلق فتویٰ دینے پر دمشق کے قلعے میں قید کر دیا گیا۔ لیکن چونکہ آپ ایک مجدد تھے اس لیے درپس دیوار زنداں بھی آپ قرآن کی تفسیر کرنے، اپنے مخالفین کے باطل عقائد کے ردّ میں کتب لکھنے اور اسی طرح اختلافی مسائل کے بارہ میں مستقل کتب لکھنے میں مشغول رہے۔ جب دشمنوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے کاغذ، قلم اور روشنائی چھین لی۔ اس واقعہ سے انہیں زبردست دھچکا لگا اور قید خانہ میں صرف نماز اور تلات قرآن میں مشغول رہنے لگے۔

وفات ونماز جنازہ

اسی حالت میں مزید بیس روز زندہ رہے اور 20 ذیقعد 728ھ کو انتقال کر گئے۔ ائمۃ الحدیث شیخ یوسف المزی وغیرہ نے غسل دیا اور مقابل صوفیہ میں دفن ہوئے۔ آپ کے جنازے میں دو لاکھ مرد اور پندرہ ہزار عورتیں شریک ہوئیں۔ چار مختلف مقامات پر آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ بزاز کہتے ہیں کہ کوئی شہر ایسا نہیں جہاں ابن تیمیہ کی وفات کی خبر پہنچی ہو اور جنازہ غائب ادا نہ کیا گیا ہو۔ ؎۲

اسی طرح ابن رجب کہتے ہیں:-

(ترجمہ) ان کی نماز جنازہ غائب اکثر اسلامی ملکوں میں ادا کی گئی۔ خواہ قریبی ہوں یا بعیدی یہاں تک کہ یمن اور چین میں بھی ادا کی گئی۔ اور مسافروں نے ہمیں بتایا کہ چین کے نواح میں بھی بروز جمعہ ان کی نماز جنازہ کا اعلان ترجمان القرآن کی نماز جنازہ کہہ کر کیا گیا۔ ؎۳

مناقب

علامہ کمال الدین زملکانی نے کہا

هو حجة الله القاهرة　　　　هو بيننا اعجوبة الدهر ؎۴

ابوحیان نے لکھا ''آپ علم کا وہ سمندر ہیں جس کی لہریں موتی اچھالتی رہتی ہیں''۔ ؎۵

ابن بطوطہ بیان کرتے ہیں:-

''ابن تیمیہ شام کے بلند مرتبہ فرد تھے۔آپ علوم وفنون میں گفتگو کیا کرتے تھے اور اہل دمشق آپ کی بہت تعظیم کرتے تھے''۔ ؂۶

اس دور کی حالت زار

اس وقت عربی خلافت پارہ پارہ ہو چکی تھی۔تاتاریوں کے مظالم سے زمین کانپتی تھی۔انسانی فریادوں سے گنبد خضراء گونج رہا تھا۔مسلمانوں کے فرقے رسول کریم ﷺ کی پیشگوئی کے مطابق ستر سے زائد ہو چکے تھے۔تکفیر وتفسیق کا وہ غلغلہ تھا کہ شیطان بھی پناہ مانگے۔پیر پرستی،قبر پرستی،علماء پرستی، امام پرستی غرض خدا کے سوا ہر شے کی پرستش ہو رہی تھی۔قرآن کو مہجور کی طرح چھوڑ کر موضوع احادیث اور اقوال صوفیاء کو بنائے دین بنایا جا رہا تھا۔بدعات کا نام ایمان تھا۔کورانہ تقلید نے امت کو خوض وتفکر سے بیگانہ کر دیا تھا۔علمی عملی تنزل اور تنگ ظرفی پیدا ہو چکی تھی۔اہل کتاب اور عجمی اقوام کے اختلاط سے اسلام میں اوہام واباطیل داخل ہو چکے تھے۔

عین اس وقت جب اسلام کو ایک مجدد اور ایک مجاہد کی شدید ضرورت تھی۔عین اس وقت علم و ہدی کا روشن ستارہ آسمان دمشق پر نمودار ہوا جس کی ضیاء پاشیوں سے مشرق ومغرب جگمگا اُٹھے۔یہ شاعرانہ اطراء نہیں بلکہ امر واقعہ ہے۔آپ کی کتب ایک طرف مصر،ہند،حجاز اور ایران کی لائبریریوں کی زینت ہیں تو دوسری طرف برلن،لنڈن،فرانس اور روم کے دارالکتب بھی ان سے آراستہ ہیں۔حضرت امام ابن تیمیہ نے موجود الوقت مشرکانہ رسومات کا حال یوں بیان کیا ہے:-

''ان میں سے بعض یوں دعا کرتے ہیں کہ اے پیر میری مغفرت فرما دیجئے۔مجھ پر رحم کھائیے۔ بعض پیر کی قبر کو سامنے اور کعبہ کو پیٹھ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں قبر تو خواص کا قبلہ ہے اور کعبہ عوام کا۔خدا کا مذاق اُڑایا جاتا ہے۔وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ائمہ وشیوخ کی زیارت حج بیت اللہ سے افضل ہے۔بعض نماز سے افضل شیخ کی دعا کو قرار دیتے ہیں۔شیعوں کے ایک فرقے کا گانا یوں ہے

تعالو نخرب الجامع	و نجعل فیہ خمارہ
و نکسر المنبر	و نجعل منہ طنبارہ
و نخرق المصحف	و نجعل منہ زمارۃ
و ننتف لحیۃ القاضی	و نجعل منہ اوتارہ ؂۷

آؤ ہم لوگ مسجد کو ویران کر دیں اور اس میں شراب کی دکان قائم کر دیں۔ اور منبر کو توڑ کر اس سے ساز و مزامیر بنالیں اور قرآن کو پھاڑ کر اس کی بانسری بنائیں اور قاضی کی داڑھی کو اکھاڑ کر اس کے تانت بنائیں۔

پیروں کے نام کے چڑھاوے چڑھاتے ہیں، قسمیں کھاتے ہیں۔ بعض شیخ کو الہٰ کا درجہ دیتے ہیں۔ قبروں کا باقاعدہ حج کرتے ہیں اور ان کے احکام کے متعلق تصانیف لکھی ہیں جن کا نام ''مناسک حج المشاہدہ'' ہے۔ مسجدیں ویران ہیں اور مشاہد پر رونق ہیں اور وہ سونے چاندی سے مرصع ہیں''۔

یہ وہ اسلام تھا جس پر ساتویں آٹھویں صدی میں عملدرآمد ہو رہا تھا اور امام ابن تیمیہ خدا سے تائید پا کر اُٹھے اور اس کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔

تجدیدی کارنامے

جو حالات بیان کیے گئے ہیں ایسے حالات میں یوں تو کئی دلوں میں اسلام کیلئے ہمدردی کا جذبہ بیدار ہوا ہوگا لیکن امام ابن تیمیہ کی روح جس طرح بیقرار ہوئی اس کی مثال کم ہی ملے گی۔ والدین سے جدائی اور اسیری کی صعوبتیں برداشت کیں۔ معاندین کی لعن طعن بھی سنی لیکن اپنے فرائض میں کوتاہی نہ کی اور یہی ایک مجدد کو زیبا ہے۔ چنانچہ آپ میں جذبہ تجدید کس حد تک تھا اس کا اندازہ آپ کے اس اقتباس سے ہوتا ہے جو اس خط سے لیا گیا ہے جو آپ نے اپنی والدہ کو لکھا۔ آپ لکھتے ہیں:-

(ترجمہ) ان علاقوں میں ہمارا آج کل قیام ضروری امور کیلئے ہے۔ جب بھی ہم ان میں غفلت کریں گے تو ہمارا دین و دنیا کا معاملہ خراب ہو جائے گا۔ خدا کی قسم ہم نے آپ سے دوری کو جان بوجھ کر اختیار نہیں کیا اور اگر پرندے ہمیں اٹھا کر لے جائیں تو ضرور ہم آپ تک جا پہنچیں۔ ۸

آپ کی تجدید دین چار حصوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ عقیدہ توحید کی تجدید اور مشرکانہ رسومات کا ابطال۔

۲۔ فلسفہ، منطق اور کلام پر تنقید۔ کتاب و سنت کی افضلیت کا بیان۔

۳۔ غیر اسلامی فرق اور ملل کے عقائد سے اسلامی عقائد کا موازنہ۔

۴۔ علوم شریعت کی تجدید اور فکر اسلامی کا احیاء۔

رسومات اور بدعقائد کے خلاف جہاد

اس دور میں مسئلہ وحدت الوجود انتہائی صورت اختیار کر گیا تھا۔اس کا تذکرہ خود ابن تیمیہؒ یوں فرماتے ہیں:-

''ایک آدمی نے ''تلمسانی'' سے کہا کہ ''فصوص الحکم'' تو قرآن کے خلاف ہے۔اس نے جواب دیا قرآن تو سارا شرک سے بھرا ہوا ہے۔ وہ رب وعبد کے درمیان فرق کرتا ہے۔توحید تو ہمارے کلام میں ہے''۔ [9]

گمراہی کی انتہاء اس حد تک تھی کہ تلمسانی کے کسی رفیق نے خارش زدہ کتے کے پاس سے گزرتے ہوئے تلمسانی سے پوچھا کیا یہ بھی ذات خداوندی ہے۔اس نے جواب دیا ہاں سب اس کی ذات کے اندر ہے۔ایک مرتبہ اس سے کسی نے پوچھا کہ جب وجود ایک ہے تو بیوی حلال اور ماں حرام کیوں ہے۔اس نے کہا کہ ہمارے نزدیک سب ایک (طرح ہی) ہے۔ [10]

چنانچہ آپ نے اس کے ردّ میں رسالے تحریر کیے اور ان میں دلائل قاطعہ سے ذات حق اور صفات حق کا فرق واضح کر دیا۔اس طرح اس فتنے کا قلع قمع کر دیا۔

مردہ پرستی کے خلاف

دوسرا بڑا مرض مردہ پرستی اور پیر پرستی کا تھا۔آپ نے اس کے ردّ میں فرمایا:-

''آپ ﷺ نے اپنی امت کو کسی مردے، پیغمبر یا صالح آدمی سے دعا کرانے کی اجازت نہیں دی، نہ استغاثہ کے طور پر نہ استعاذہ کے طور پر۔اسی طرح آپ کی امت کیلئے کسی مردہ یا زندہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں''۔ [11]

اسی طرح مزید فرمایا:-

''ملائکہ یا انبیاء سے دعا کرنا (ان کے انتقال کے بعد یا ان کی غیر موجودگی میں) ان سے مانگنا، ان کی دہائی دینا اور ان سے یا ان کے مجسموں سے سفارش چاہنا ایک نیا دین ہے۔جس کو اللہ تعالیٰ نے مشروع نہیں کیا اور نہ کسی نبی کو اس کے ساتھ مبعوث فرمایا اور نہ کوئی آسمانی کتاب اس کی تائید میں نازل فرمائی''۔ [12]

قبر پرستی کے خلاف

اسی طرح آپ قبر پرستی اور قبور پر مساجد بنانے کو بھی غلط خیال کرتے تھے۔آپ نے سختی سے منع فرمایا اور واضح کیا کہ یہ خیر القرون کے بعد کی پیداوار ہے اور حضور ﷺ نے تو وفات سے چند روز قبل فرمایا تھا ان کان من قبلکم کانوا یتخذون القبور مساجدًا الا فلا تتخذو القبور مساجدًا فانی انھاکم عن ذالک۔صحابہ کا طرز عمل یہ تھا کہ جب مسلمانوں نے ارض مقدسہ وغیرہ کے علاقے کو فتح کیا تو دانیال نبی کی قبر پر لوگ بارش مانگنے جاتے تھے۔حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ دن کو تیرہ قبریں کھود کر رات کو ان میں سے کسی ایک میں انہیں دفن کر دو تا کہ لوگ فتنہ سے بچیں۔ ۱۳

اسی طرح آپ نے اولیاء کے مزارات کی زیارت کی شدید مذمت کی ہے کیونکہ اس وقت زیارت میں شرک داخل ہو چکا تھا اور جب کسی بری شے کا خاتمہ کرنا ہو تو بہت سختی کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کیا آنحضرت ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ صرف تین مسجدوں کا سفر اختیار کرو۔ مسجد الحرام، بیت المقدس اور میری مسجد (مسجد نبوی) کا۔کوئی شخص اگر محض نبی کریم ﷺ کے روضہ کیلئے سفر کرے تو یہ بھی ناجائز ہوگا۔ ۱۴

شراب نوشی کے خلاف جہاد

تا تاری افواج جب دمشق سے روانہ ہوگئیں اور مسلمان افواج کی آمد آمد ہوئی تو حافظ ابن تیمیہ جیسے مصلحین نے قوم کی خرابیوں کی اصلاح کی طرف توجہ دینا شروع کی۔دمشق میں کوئی ذمہ دار افسر نہ تھا۔حافظ صاحب نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لیا، اپنے تلامذہ کے ساتھ سارے شہر کا دورہ کیا۔ جہاں شراب خانہ نظر آیا اس کے مٹکے اور جام وسبوح توڑ ڈالے اور شراب انڈیل دی۔میخانوں کے مالکوں، اوباشوں، رندوں اور افعال شنیعہ کے مرتکب افراد کی تعذیر کی اور شہر میں عام طور پر اس کارروائی پر اظہار مسرت کیا گیا۔ ۱۵

بدعات ومنکرات کا ازالہ

دمشق کے گردونواح میں نہر فلوط کے کنارے پر ایک چٹان تھی جس کے متعلق مختلف روایات

مشہور تھیں۔ جاہل وتو ہم پرست مسلمان وہاں جا کر منتیں مانگتے تھے۔ 704ھ میں ابن تیمیہ وہاں تھے۔ ایک دن آپ مزدوروں اور سنگ تراشوں کے ساتھ خود وہاں گئے اور چٹان کو کاٹ کر رکھ دیا۔ اس طرح شرک کا ایک دروازہ بند کر دیا۔[۱۶]

جیل خانے میں اصلاحی قدم

آپ کو زندگی کے کئی سال قید خانے میں گزارنے پڑے۔ آپ نے عسر و یسر میں فریضہ تجدید و تبلیغ سرانجام دیا اور حضرت مصلح موعودؓ کے اس شعر کے مصداق ہوئے ؎

عسر ہو یسر ہو تنگی ہو کہ آسائش ہو
کچھ بھی ہو بند مگر دعوتِ اسلام نہ ہو

شیخ علم الدین البرزالی لکھتے ہیں:-

’’شیخ جب مجلس میں پہنچے تو دیکھا قیدی لہو ولعب اور تفریحات میں مشغول ہیں اور اسی طرح اپنا دل بہلاتے ہیں اور وقت کاٹتے ہیں۔ شطرنج اور چوسر وغیرہ کا زور ہے۔ نمازیں بے تکلف قضا ہوتی ہیں۔ شیخ نے قیدیوں کو نماز کی پابندی اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ دلائی، اعمال صالحہ، تسبیح واستغفار اور دعا کی طرف متوجہ کیا اور سنت کی تعلیم اور اعمال خیر کی ترغیب شروع کی۔ یہاں تک کہ جیل خانہ بہت سی خانقاہوں اور مدارس سے زیادہ بارونق اور بابرکت نظر آنے لگا۔ لوگوں کو ان کی ذات سے ایسا تعلق اور جیل کی اس دینی وعلمی زندگی سے ایسے دلچسپی ہوگئی کہ بہت سے قیدی رہائی پانے کے بعد بھی ان کو چھوڑنے کیلئے تیار نہیں تھے اور انہیں کی خدمت میں رہنا پسند کرتے تھے‘‘۔[۱۷]

ردِّ فلسفہ

فلسفہ، منطق اور کلام اس وقت قرآن وسنت میں متصادم تھے لہٰذا آپ نے ان کا ردّ کیا اور ان کے مقابل پر قرآن وسنت کی ترویج واشاعت میں حصہ لیا۔ آپ کا اصول استدلال یہ تھا کہ پہلے قرآن سے استدلال کرتے اور زیر نظر مضمون پر تمام آیات یکجا کرتے۔ پھر سنت وحدیث سے استنباط کرتے اور درایت وروایت کے لحاظ سے پرکھتے۔ پھر صحابہ کے طریق اور فقہائے اربعہ اور مشہور آئمہ کے اقوال زیر بحث لاتے۔

فلسفہ کے ردّ کیلئے آپ سے پہلے ابوبکر باقلانی اور امام غزالی جیسی ہستیاں ہوکر گزری تھیں۔ آپ نے بھی اس فلسفے کو ردّ کیا جو الٰہیات کے متعلق ہے۔فرماتے ہیں:-

(ترجمہ) فلسفہ سے اشتغال کرنے والے فنِ طبیعات میں غور وفکر اور تفصیل سے کام لیتے ہیں اور ان کا امتیاز نظر آتا ہے لیکن الٰہیات میں وہ جاہل محض اور حق سے بالکل نا آشنا معلوم ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ارسطو سے جو منقول ہے وہ بہت تھوڑا ہے اور غلطیاں اس میں بہت زیادہ ہیں۔ ۱۸

لوگ ارسطو کی اندھی تقلید کر رہے تھے۔آپ نے فرمایا:-

''ارسطو کو کبھی اس سرزمین کی طرف سفر کرنے کا اتفاق نہیں ہوا جو انبیاء کی بعثت سے مشرف ہوئی نہ اس کے پاس انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا کوئی حصہ تھا...... اس کے پاس ستارہ پرستی کے مذہب کا کچھ حصہ تھا اور اس نے ان قیاسی تعلیمات کی بنیاد ڈالی اور وہ ایک ایسا قانون بن گیا جس پر اس کے پیرو آنکھ بند کر کے چلتے ہیں''۔ ۱۹

اسی طرح منطق اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں موازنہ کرتے ہوئے فرمایا:-

''اتنی بات مسلّم ہے کہ لکڑی اور سیسہ اور پتھر کو تولنے کیلئے جو ترازو بنائے گئے ہیں ان پر سونے چاندی کو نہیں تولا جاسکتا۔ثبوت کا معاملہ اور انبیاء علیہم السلام جن حقائق کو لے کر آئے ہیں وہ علوم میں اس سے کہیں زیادہ نازک اور رفیع ہیں جتنا کہ سونا مالیات میں۔تمہاری منطق اس کیلئے کوئی میزان نہیں بن سکتی''۔ ۲۰

اس فلسفہ اور منطق کے مقابل پر قرآن کی فضیلت یوں بیان کرتے ہیں:-

''اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اتنے عقلی دلائل بیان فرمائے ہیں جن کی اس علم میں ضرورت ہے اور یہ فلاسفہ اور متکلمین ان کا پورا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ یہ جن دلائل و نتائج کو پیش کرتے ہیں قرآن مجید نے ان کا خلاصہ بہترین طریقہ پر پیش کر دیا ہے''۔ ۲۱

علوم شریعہ کا احیاء

لوگ قرآن و سنت وغیرہ اسلامی اصول سے برگشتہ ہورہے تھے اور یونانی فلسفے کی طرف بھاگے جارہے تھے۔ چنانچہ ایک مجدد کا فرض تھا کہ ان کو واپس انہی علوم کی طرف لائے۔ابن تیمیّہ نے یہ کام سرانجام دیا۔

علمِ تفسیر

علم تفسیر سے آپ کو خاص شغف تھا۔ ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ ان کی تفسیر تیس جلدوں میں ہے جو آجکل نایاب ہے۔ ان میں سے چند پاروں کی تفسیر مثلاً سورۃ اخلاص، معوذتین، نور وغیرہ تو مصر سے چھپی ہیں۔ آپ نے اصول تفسیر پر پہلا مستقل رسالہ لکھا جس کا نام الصلوٰۃ علی ترجمان القرآن ہے۔

سنت وحدیث کی ترویج

آپ سنت رسول کی خاص پیروی کیا کرتے تھے اور لوگوں کو بھی اس کی تلقین کرتے۔ آپ کے سنت پر عمل پیرا ہونے کی گواہی حافظ سراج الدین البراز قسم کھا کریوں دیتے ہیں:۔

(ترجمہ) خدا کی قسم میں نے آپ سے بڑھ کر رسول کریم ﷺ کی تعظیم کرنے والا کوئی شخص نہ دیکھا۔ نہ آپ سے زیادہ حضور ﷺ کی پیروی کرنے پر حریص شخص دیکھا ہے اور نہ آپ سے زیادہ دین محمد کی نصرت کرنے والا کوئی شخص دیکھا ہے"۔ [۲۲]

علم حدیث کے بارہ میں اگرچہ آپ کی الگ تصنیف تو نہیں ہے تاہم جا بجا ان کی دیگر تصانیف میں اصول حدیث، اسماء الرجال، جرح وتعدیل، نقد حدیث وفقہ حدیث کا بیش بہا مواد ہے۔ اپنی کتاب منہاج النبوۃ میں مشہور احادیث پر جو کلام انہوں نے کیا ہے وہ نادر ذخیرہ ہے۔

علم فقہ اور امام صاحب

آپ نے اس فن کو تقلید سے رہائی دلائی اور اجتہاد سے کام لیا۔ فقہ اور حدیث میں تطبیق کی کوشش کی اور نئے پیدا شدہ مسائل پر اجتہادی فتوے دیئے۔ یہ ذخیرہ فتاویٰ ابن تیمیہ کی چار ضخیم جلدوں میں محفوظ ہے۔ سعودی حکومت کی طرف سے جو مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ کے نام سے شائع ہوا ہے وہ تیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کی حیثیت ایک کتب خانہ اور دائرۃ المعارف کی سی ہے۔

دیگر فقہاء سے اختلاف

چونکہ آپ مجدد زمانہ تھے اس لیے آپ کسی ایک مسلک کے قائل نہ تھے۔ آپ نے کئی مسئلوں

میں فقہاء سے اختلاف کیا۔

۱۔ آپ حلالہ کے قائل نہ تھے۔

۲۔ ایام حیض کی طلاق آپ کے نزدیک باطل تھی۔

۳۔ آپ کے نزدیک اگر کوئی شخص ایسے لگان ادا کرے جو احکام الٰہی سے فرض نہیں ہیں تو بھی اس کی زکوٰۃ ختم ہو جائے گی۔

۴۔ اجماع کے خلاف رائے رکھنا کفر ہے نہ معصیت۔

۵۔ صفات باری تعالیٰ سے متعلقہ آیات کی لفظی تفسیر کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کہنے لگے ''خدا آسمان سے زمین پر اس طرح اترتا ہے جس طرح میں اب اتر رہا ہوں''۔ اور منبر پر سے ایک سیڑھی نیچے اتر آئے۔

۶۔ آپ کے متعلق اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپ نے حضرت علیؓ کی شان میں گستاخی کی اور کہا کہ حضرت علی نے تین سو غلطیاں کی ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ جبل کسروان کے ایک غالی شیعہ نے عصمت علی پر آپ سے بحث کی اور آپ نے تاریخی لحاظ سے یہ ثابت کیا کہ حضرت علی سے غلطیاں ہوئیں۔ دراصل آپ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ معصوم عن الخطاء صرف انبیاء ہوتے ہیں۔ ویسے آپ صحابہ کا بہت زیادہ ادب واحترام کرتے تھے۔ چنانچہ اپنی کتاب العقیدہ والحمدیہ میں فرماتے ہیں ''وہ لوگ ظن وشک کی ظلمتوں سے نکل کر ایقان وایمان کی روشن دنیاؤں میں پہنچے ہوئے تھے۔ ان کی راہ میں شبہات کے کانٹے نہ تھے، تخمین وظن کی جھاڑیاں نہ تھیں، منطق وفلسفہ کی الجھنیں نہ تھیں......''۔ [۲۳]

انہوں نے کتاب اللہ کو ہاتھ میں لے کر مشرق ومغرب میں بہترین عملی نمونہ ظاہر کیا۔ ان سے کتاب الٰہی بولتی تھی اور ان کا علم بنی اسرائیل کے انبیاء سے کم نہ تھا۔ ان کی وسعتِ نگاہ، پرواز فکر اور محیر العقول قوت ادراک کو ناپنے کیلئے کوئی مقیاس موجود نہ تھی۔ [۲۴]

علمِ اصولِ فقہ

یہ آپ کا پسندیدہ اور ذوقی موضوع تھا۔ اس میں آپ مجتہدانہ شان رکھتے تھے۔ ان کی کوئی تصنیف اصولی مباحث سے خالی نہیں۔ ''اقتضاء الصراط المستقیم'' اور ان کے فتاویٰ میں اس علم کا وافر

حصہ ہے اور بعض مستقل رسالے بھی ہیں جیسے رسالۃ القیاس، منہاج الوصول علی علم الاصول وغیرہ۔

علم کلام

ابن تیمیہ کی نصف تحریر علم کلام پر مبنی ہے۔ آپ بگڑے ہوئے اشاعرہ کے متعلق کہا کرتے تھے کہ ان کے متکلمی عقائد محض جہمیہ، نجاریہ اور ضراریہ وغیرہ کی آراء کا مجموعہ ہیں۔ کلام کے متعلق آپ کی کتب میں شرح اصبہانیہ، رسالہ حمدیہ، تدمریہ، واسطیہ، کیلانیہ، بغدادیہ، ازہریہ زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کے خیالات واستدلال حمیت دینی اور آپ کی ذہانت کے مظہر ہیں۔

اس طرح آپ نے فکر اسلامی کا احیاء کیا اور یہ آپ کا بہت بڑا تجدیدی کارنامہ ہے۔ آپ نے ہر مسئلے کو قرآن وسنت کی روشنی میں سمجھنے کا اصول اپنایا اور بتایا کہ اسلام کی بنیاد قرآن اور نبوت محمدی پر ہے۔ اس طرح فکر اسلامی پر جو جمود واضمحلال طاری ہونے لگا تھا۔ آپ نے اس کو دور کر دیا۔ نئی عملی راہیں، نئے فکری زاویے تلاش کیے۔ ایسا لٹریچر چھوڑا جسے پڑھ کر فکر میں جولانی اور تحریک ونشاط پیدا ہوتا ہے۔ اس کے اثر سے بعد کے ہر دور میں اچھے مصنّف اور مصلح پیدا ہوتے رہے۔ آپ علوم وافکار اسلامیہ کے مجدد کبیر تھے۔ بارھویں صدی میں عالم اسلام کے مختلف گوشوں سے جو اسلامی تحریکیں اُبھری ہیں ان کے ماخذوں میں سے بڑا ماخذ اور محرک امام ابن تیمیہ کی تصانیف ہیں۔

تصانیف

آپ نے صدہا کتب لکھ کر شریعت غرا کے مدہم اور رکھر درے نقوش کو صیقل کیا۔ گمگشتگانِ وادئ ضلال کو پکار پکار کر صراطِ مستقیم کی طرف بلایا اور علم کے میدان میں تلوار سونت کر چومکھی لڑائی لڑی۔ شجاعت وجلاوت کے جوہر دکھائے۔ بسا اوقات ان کی شعلہ ریز تقاریر سے اور علمی تحریروں سے مسلمانوں میں زندگی کی ایسی لہر دوڑ گئی کہ تاتاری درندوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ آپ کی پرجوش تصانیف کے نتیجے میں محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تحریک اُبھری۔ آپ نے قریباً پانچ صد تصانیف تحریر کی ہیں۔ نواب صدیق حسن خان اور غلام جیلانی برق نے آپ کی چار سو اسّی کتب کے نام لکھے ہیں۔ ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ تلخیص کتاب الاستغاثه المعروف بالرد علی البکری

۲۔ کتاب الردّ علی الاخنائی و استحباب زیارة البریة والزیارة الشرعیة

۳۔ رسالۃ الفرقان ۴۔ معارج الوصول ۵۔ التبیان

۶۔ الوصیۃ الکبریٰ ۷۔ العقیدہ الحمویۃ الکبریٰ ۸۔ رسالہ العقود

۸۔ المحرمۃ ۹۔ الردّ علی الفلاسفۃ [۲۵]

جذبہ جہاد

آپ نے اپنی درد بھری، پرجوش تقاریر کے ذریعے مسلمانوں میں جذبہ بیداری پیدا کیا۔ اس وقت تاتاری درندے مسلمانوں کیلئے بلائے عظمیٰ بنے ہوئے تھے۔ آپ کی تقاریر سے مسلمانوں میں جذبہ جہاد عود کر آتا اور وہ شیر بن کر میدان میں اُترتے۔ جب یہ بات پھیلی کہ تاتاریوں کے ساتھ جنگ کرنا جائز ہے یا نہیں تو آپ نے فتویٰ دیا کہ یہ خوارج کے حکم میں ہیں اس لیے جنگ جائز ہے۔ آپ نے مسلمانوں میں یقین پیدا کرنے کیلئے کہ فتح انہیں کی ہوگی فرمایا کہ صرف انشاءاللہ نہ کہا کرو بلکہ انشاءاللہ تحقیقاً لا تعلیقاً کہا کرو۔ جب آپ کی تقاریر سے متاثر ہو کر مسلمانوں کے لشکر بننے لگے اور باقاعدہ خروج کیلئے تیار ہوگئے، آپ خود بحیثیت مجاہد ان میں شامل تھے۔ آپ نے فتویٰ دیا کہ مجاہدین روزہ کھول دیں۔ ہر علم کے پاس جاتے اور کھانے کی چیزیں انہیں دکھا کر کھاتے اور ساتھ یہ حدیث سناتے انکم ملاقوا العدو والفطرا قوی لکم۔ چنانچہ مسلمانوں کا لشکر جنگ کیلئے روانہ ہوا اور خدا کے فضل سے مسلمانوں کے لشکر کو فتح نصیب ہوئی۔ اسی طرح آپ نے جہاد پر آمادہ کرنے کیلئے ''سلطان الناصر'' کو کئی خطوط بھی تحریر کیے۔ [۲۶]

ذہن میں ابھرنے والے ایک اہم سوال کہ

امام ابن تیمیہؒ نے تاتاریوں کے خلاف تلوار کیوں اٹھائی

کا جواب حاضر ہے۔

اسلام امن وسلامتی کا مذہب ہے۔ اس میں جارحانہ تلوار کشی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس کتاب میں جملہ مجددین کے حالات وتجدیدی کارنامے بیان ہوئے ہیں۔ قارئین بخوبی یہ امر نوٹ کر سکتے ہیں

کہ تمام مجددین نے رشد و اصلاح کیلئے وعظ و تلقین اور اپنے عملی نمونہ کو طریق عمل بنایا۔

امام ابن تیمیہؒ کی تقاریر بھی ایسی جانفزا ہوتی تھیں کہ مردہ دِلوں میں روح پھونک دیا کرتی تھیں۔اور یہی آپ کی پیدا کردہ اصلاح کی روح رواں تھیں۔لیکن آپ نے اپنے عین حیات مصر میں تا تاریوں کے خلاف جہاد بالسیف بھی کیا۔ یہ سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ آخر آپ نے تلوار کیوں اُٹھائی۔اس سوال کا حل زیادہ مشکل نہیں۔کیونکہ امام ابن تیمیہؒ نے اپنے ملک کی حفاظت کی خاطر اور جارحانہ حملہ آوروں کے مقابل اپنے دفاع کیلئے مجبوراً تلوار اُٹھائی۔

ساتویں صدی ہجری میں وسط ایشیا کی اسلامی سلطنتوں کی حالت دگرگوں تھیں۔شیعہ سنی اختلاف کی وجہ سے ان کی اجتماعی طاقت کھوئی گئی جس سے تا تاریوں نے بھرپور فائدہ اُٹھایا اور ان کی افواج مسلم علاقوں پر قابض ہوگئیں۔ چنانچہ درج ذیل حوالے میں ان کے حالات کی منظرکشی کی گئی ہے۔

''ساتویں صدی ہجری کا زمانہ وسطی ایشیا کی اسلامی سلطنتوں کیلئے بہت ہی ہولناک زمانہ تھا۔ اسی زمانے میں قراقرم کی پہاڑیوں سے تا تاریوں کا ایک زبردست طوفان اٹھا جس کی وجہ سے اسلامی سلطنتوں کی بنیادیں ہل گئیں۔بے شمار مسلمان تہ تیغ ہوگئے اور بہت سے آباد شہر ویران ہوگئے۔

ان تا تاریوں کو سب سے پہلے چنگیز خان نے ایک مرکز پر جمع کیا۔اس نے 599ھ سے لے کر 624ھ تک بڑے کروفر اور شان وشوکت کے ساتھ حکومت کی۔اس نے خوارزم شاہی جیسی عظیم الشان سلطنت کے پرخچے اڑا دیئے اور تمام لوگوں کے دلوں پر اپنی دھاک بٹھادی۔چنگیز خان کے بعد اس کا لڑکا اوکتائی خان (624ھ تا 643ھ) اور پوتا کیوک خان بن اوکتائی خاں (643ھ تا 647ھ) تخت نشین ہوا۔کیوک خان کے مرنے کے بعد تا تاری امیروں نے منگو خان بن تولی بن چنگیز خان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔جس نے اپنے بھائی ہلاکو بن تولی کو ایران کا مستقل حاکم بنادیا تھا۔اس زمانے میں بغداد پر عباسی فرمانروا مستعصم باللہ کی حکومت تھی۔ بغداد میں سنی شیعہ کشمکش زوروں پر تھی۔ان دونوں فرقوں کے درمیان آئے دن جھگڑے اور فسادات ہوتے رہتے تھے۔جب 655ھ میں مستعصم باللہ نے سنیوں کی حمایت میں بغداد کے محلّہ کرخ کو، جہاں زیادہ تر شیعہ آباد تھے لٹوا دیا تو اس کے شیعہ وزیر مویدالدین ابوطالب محمد بن احمد بن علی بن محمد العلقمی نے ہلاکو کو بغداد آنے کی دعوت دی''۔

بغداد کی شاندار حکومت کا تختہ الٹنے کے بعد تا تاری طوفان مصر و شام کے علاقوں کی طرف پھرا۔ چنانچہ محمد یوسف کوکن عمر ایم۔اے اپنی کتاب ''امام ابن تیمیہؒ ''میں رقمطراز ہیں:۔

''ہلاکو نے بغداد پر اپنا نائب مقرر کیا اور اس کے بعد ملک شام اور ملک مصر کے لینے کی تیاریاں شروع کر دیں۔اس زمانے میں دمشق اور حلب پر ایوبی خاندان کے فرمانروا الملک الناصر بن العزیز اور الملک الظفر سلطان سیف الدین قطز کی حکومت تھی۔ جب ان دونوں نے ہلاکو کی اطاعت قبول نہیں کی تو اس نے تاتاری سپہ سالار کتبغا نویں کی سرکردگی میں ایک زبردست فوج روانہ کی۔ جس نے صفر 658ھ کے آخر میں بہت ہی آسانی کے ساتھ دمشق پر قبضہ کر لیا اور اس کو خوب لوٹا۔ تاتاری فوجیں لوٹ مار کرتی اور بے شمار مسلمانوں کو تہ تیغ کرتی ہوئی آگے بڑھتی چلی گئیں اور ملک شام کی جنوبی سرحد تک پہنچ گئیں''۔

یہ وہ حالات تھے جن میں امام ابن تیمیہؒ نے مصر کے لوگوں کو اپنے ملک کی حفاظت کیلئے تاتاریوں کے طوفان کے آگے بند باندھنے کیلئے تلوار اٹھائی اور لڑائی کرنے کی طرف راغب کیا اور پھر آپ کی کوششوں میں خدا نے برکت ڈالی۔آپ کی دعاؤں کو سنا اور مسلمانانِ مصر نے تاتاریوں کو شکست سے دوچار کر دیا۔تفصیل اس کی یہ ہے کہ:۔

''اس لوٹ مار میں اطراف و اکناف کے شیعہ اور عیسائی بھی تاتاریوں کے ساتھ شریک ہوگئے۔ پے در پے مسلمانوں کی شکست و ریخت کی اندوہناک خبریں پہنچنے کے باوجود سلطان مصر سیف الدین قطز نے ہمت نہیں ہاری۔ وہ ایک زبردست لشکر لے کر مصر سے روانہ ہوا اور ملک شام کی جنوبی سرحد کے مقام ''عین جالوت'' پر تاتاریوں سے ملاقات کی۔ 25رمضان المبارک 658ھ کو بڑا زبردست معرکہ ہوا۔سلطان سیف الدین قطز کے دوش بدوش امیر رکن الدین بیبرس بندقداری اور دوسرے امیروں نے بڑی جانبازی دکھائی۔امیر جمال الدین آقوش الشمسی نے آگے بڑھ کر تاتاریوں کے سپہ سالار کتبغا نویں ہی کو قتل کر ڈالا۔جس کی وجہ سے تاتاریوں کے پیر میدان جنگ سے اکھڑ گئے اور انہوں نے بہت بری طرح شکست کھائی''۔

(امام ابن تیمیہ از افضل العلماء محمد یوسف کوکن عمری ایم۔اے، ناشر اسلامی پبلشنگ کمپنی، لاہور 1960ء)

پس خلاصہ کلام امام ابن تیمیہؒ جو مجدد وقت تھے ان کو مجبوراً اپنے وطن کی حفاظت کی خاطر شریک جنگ ہونا پڑا اور خدا نے انہیں فتح سے بھی ہمکنار کیا۔

کوہستانیوں کو تادیب و تبلیغ

699ھ میں جب تاتاری لشکر دمشق آیا تو کوہستانیوں نے ان کی مدد کی۔ مسلمانوں کو شہید کر دیا اور مال و متاع چھین لیا۔ شام کا مطلع صاف ہونے پر امام ابن تیمیہؒ نے اپنے رضا کاروں اور مجاہدوں کے ہمراہ اور حوران کے باشندوں کو لیے نائب السلطنت جمال الدین آقوش کی رفاقت میں کوہستانیوں پر حملہ کیا۔ حملے کی خبر سن کر قبائلی سردار ابن تیمیہؒ کے پاس حاضر ہوئے۔ شیخ نے ان سے توبہ کرائی اور تبلیغ اسلام کی۔ اس طرح انہوں نے مسلمانوں سے بدعہدی نہ کرنے کا اقرار کیا اور مسلمانوں سے چھینا ہوا مال انہیں واپس کر دیا۔ [۲۷]

ردِّ عیسائیت

آپ نے مسلمانوں کی اندرونی اصلاح کے ساتھ ساتھ بیرونی دنیا میں بھی اسلام کا پیغام پہنچایا۔ یوں تو اس دور میں مسیحی علماء و پادری مسلمانوں سے سوال و جواب کرتے ہی رہتے تھے لیکن امام ابن تیمیہؒ کی زندگی میں قبرص سے عیسائیوں کی ایک نئی شاطرانہ تصنیف پہنچی جس نے کافی سند قبولیت حاصل کی۔ اس کتاب میں الوہیت مسیح نیز حضورﷺ کو صرف عرب کا نبی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ آپ نے اس کے ردّ میں ایک رسالہ "**الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح**" لکھا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے شیخ محمد ابو زہرہ لکھتے ہیں:۔

"وان هذا الكتاب أهدأ ما كتبه ابن تيميه فى الجدال وهو وحده جدير بان يكتب ابن تيمه فى سجل العلماء العاملين والائمة المجاهدين والمفكرين الخالدين"۔ [۲۸]

(ترجمہ) امام ابن تیمیہ کی مناظرانہ تصنیفات میں سے یہ کتاب سب سے زیادہ عمدہ ہے اور یہ کتاب تنہا ان کو باعمل علماء، مجاہد ائمہ اور غیر فانی مفکرین کا مرتبہ دلانے کیلئے کافی ہے۔

تجدید بذریعہ خطابت

آپ فنِ خطابت کے شاہسوار تھے۔ آپ اپنی مواعظ اور پر اثر تقاریر سے کاشانۂ باطل پر آگ

برساتے تھےاور آپ کے مواعظ میں جم غفیر شامل ہوا کرتا تھا۔طوفی کہتا ہے:۔

''منبر پر مفسرین کی طرح بولتے تھے۔فقہ وحدیث میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ایک وقت میں کتاب وسنت اور فقہ وعلوم نظریہ کے وہ دقائق حل کر جاتے کہ بڑے سے بڑا عالم دنوں میں نہ بیان کر سکے۔گویا تمام علوم آپ کے سامنے بکھرے پڑے تھے جو چاہتے اٹھالیتے اور جسے چاہتے چھوڑ دیتے''۔ ۲۹

علامہ اقشہری کہتا ہے''قلمه و لسانه متقاربانه''۔ ۳۰

آپ کی زبان اور قلم تقریباً ایک ہی رفتار سے چلتے تھے۔

امام برزالی معجم میں فرماتے ہیں:۔

''آپ ہر جمعہ کو لوگوں کے سامنے قرآن حکیم پر مبسوط تقریر کیا کرتے تھے۔آپ کی وہ انقلاب انگیز تقاریر دُنیا کے کانوں میں اب تک گونج رہی ہیں جو آپ نے تاتاریوں کے خلاف کیں تھیں...... 700ھ میں عوام، امراءِ مصر کے سامنے وہ خطبے دیئے کہ ان کے بجھے ہوئے دل لذت ایثار سے بھر گئے اور وہ ہر ممکن قربانی کیلئے تیار ہوگئے۔اُسی سال آپ نے اہل دمشق کو دشمن کے خلاف اس قدر اکسایا کہ تمام ملک سربکف ہوکر میدان میں نکل آیا اور دشمن پر اس قدر رعب چھا گیا کہ وہ تاخت وتاراج کے ارادے ترک کر کے واپس چلے گئے''۔

پھر 720ھ میں مقام شحب پر آپ نے بادشاہ، حکام فوج اور دل شکستہ لشکر کے سامنے وہ اثر میں ڈوبی ہوئی تقاریر کیں کہ شکست فتح سے، ذلت عزت سے اور ناکامیاں کامرانیوں میں تبدیل ہوگئیں۔

705ھ میں دو مجالس مناظرہ کا انعقاد ہوا۔ایک نائب السلطنت افرم کے ہاں اور دوسری مصر میں قضاۃ کے سامنے۔ہر دو میں آپ کی زبان نے وہ جوہر دکھائے کہ دنیا آپ کی فصاحت کا لوہا مان گئی اور مخالفین کے ہاتھ بغیر ندامت اور ذلت کے اور کچھ نہ آیا۔اس طرح 706ھ اور 707ھ میں دو اور مجالس مناظرہ منعقد ہوئیں جن میں آپ کو زبردست کامیابی نصیب ہوئی۔ ۳۱

ذہبی کہتے ہیں:۔

''میں نے آپ کے ایام جوانی کی بعض تقاریر سنیں۔آپ کے کلام سے مجلس پر ہیبت چھا جاتی تھی اور دلوں پر وجد سا طاری ہو جاتا تھا''۔ ۳۲

تجدید بذریعہ تدریس وافتاء

آپ نے 17 برس کی عمر میں افتاء وتصنیف اور 21 برس کی عمر میں سلسلہ تدریس شروع کیا۔ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ ''آپ کرسی پر بیٹھ کر قرآن حکیم کا درس حافظہ سے دیا کرتے تھے۔ آواز بلند اور رسیلی تھی اور آپ بہتی ہوئی ندی کی طرح چلتے تھے''۔ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آپ کی تقاریر کو سن کر بڑے بڑے گناہگار تائب ہوئے۔ ابن تیمیہ خود فرماتے ہیں:۔

''بعض اوقات مجھے ایک ایک آیت کی سو سو تفاسیر سوجھتی تھیں۔ پھر میں اللہ سے دعا کرتا تھا یا **معلم ابراھیم فھمنی**''۔

شیخ صالح تاج الدین محمد معروف بابن الدردی کہتے ہیں:۔

''میں آپ کی مجلس درس میں شامل ہوتا رہا۔ آپ سیلاب کی طرح چلتے اور دریا کی طرح بہتے۔ حاضرین آنکھیں بند کر کے سہمے بیٹھے رہتے۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی بہت زیادہ تعظیم کرتے۔ بعض علماء احادیث میں اقوال ائمہ کے مطابق معنے ڈالتے ہیں لیکن آپ قول پیغمبر پر تمام ائمہ کے اقوال کو قربان کر دیتے۔ درس کے بعد آپ اپنی آنکھیں کھولتے اور سامعین کے ساتھ نہایت بشاشت سے گفتگو فرماتے۔ بسا اوقات آپ کے اطوار سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ دورانِ درس میں آپ کہیں غائب تھے اور اختتام پر واپس آئے ہیں''۔ ۴۳

آپ کے ایک شاگرد ابو حفص آپ کے درس وتدریس کی تعریف میں کہتے ہیں:۔

(ترجمہ) ابن تیمیہ جب درس شروع کرتے تو اللہ تعالیٰ ان پر علم کے اسرار، باریکیاں، لطائف، دقیق مسائل، فنون، علماء کے اقوال ونقول اور کلام عرب کے شواہد وامثال کا دہانہ کھول دیتا اور ایسا معلوم ہونے لگتا کہ ایک سیلاب یا ایک دریا اُمڈ رہا ہے۔ ۴۴

اس کے علاوہ اس صدی کے مجددین کے اسماء یہ ہیں۔

ابن دقیق العید۔ شاہ شرف الدین مخدوم بھائی سندھی

عبداللہ بن اسعد یافعی شافعی۔ محمد بن عبداللہ الشبلی حنفی ودمشقی

حوالہ جات

۱۔ تاریخ دعوت وعزیمت۔جلد 2 صفحہ 194

۲۔ ماخوذ از دائرہ معارف اسلامیہ۔جلد 1 صفحہ 450

۳۔ طبقات الحنابلہ۔جلد دوم صفحہ 139

۴۔ بحوالہ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ۔جلد 1 صفحہ 453

۵۔ ایضاً

۶۔ ایضاً جلد 1 صفحہ 453

۷۔ تاریخ دعوت وعزیمت۔جلد 2 صفحہ 212

۸۔ تاریخ دعوت وعزیمت۔جلد 2 صفحہ 102

۹۔ الفرق بین الحق والباطل۔صفحہ 145

۱۰۔ تاریخ دعوت وعزیمت۔جلد 2 صفحہ 76

۱۱۔ ایضاً۔صفحہ 219

۱۲۔ قاعدہ جلیلہ بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت۔جلد 2 صفحہ 261

۱۳۔ الرّدّ علی البکری بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت۔جلد 2 صفحہ 50

۱۴۔ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ۔جلد اوّل صفحہ 451

۱۵۔ البدایہ والنہایہ بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت۔جلد 2 صفحہ 58

۱۶۔ ایضاً۔صفحہ 34 // // // // صفحہ 44

۱۷۔ الکواکب الدریۃ۔صفحہ 81 بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت۔جلد 2 صفحہ 97

۱۸۔ ایضاً جلد 2 صفحہ 246

۱۹۔ نقض المنطق۔صفحہ 113

۲۰۔ ایضاً صفحہ 114

۲۱؎ منہاج السنۃ۔جلداوّل صفحہ 14

۲۲؎ الکواکب۔صفحہ 149 بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت۔جلد2 صفحہ 194

۲۳؎ رسائل الکبریٰ بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت۔جلد2 صفحہ 450

۲۴؎ اردودائرہ معارف اسلامیہ جلد1 صفحہ 452

۲۵؎ ایضاً صفحہ 449-448

۲۶؎ تاریخ دعوت وعزیمت۔جلد2 صفحہ 65

۲۷؎ ایضاً صفحہ 57

۲۸؎ ابن تیمیہ از ابوزہرہ۔صفحہ 519

۲۹؎ ابن تیمیہ از غلام جیلانی برق۔صفحہ 128-129

۳۰؎ سفرنامہ اقشیری بحوالہ ابن تیمیہ از برق۔صفحہ 129

۳۱؎ ابن تیمیہ از برق۔صفحہ 130

۳۲؎ ایضاً صفحہ 131

۳۳؎ ایضاً صفحہ 134

۳۴؎ ایضاً صفحہ 155

آٹھویں صدی کے مجدد

حضرت علامہ ابنِ حجر عسقلانی

رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْه

۷۷۳ھ - ۹۵۲ھ

حافظ تقی الدین کہتے ہیں:-

"امــام عــلامــه حــافـظ متيـن الـديـانة، حسـن الاخلاق، لطيف الـمحاضرة حسن التعبير، عديم النظير لم تر العيون مثله ولا رأى هو مثل نفسه"۔ [1]

(ترجمہ) آپ امام، علامہ، حافظ، محقق، مضبوط دین والے، اعلیٰ اخلاق والے، عمدہ گفتگو والے، بہترین استدلال کرنے والے اور بے نظیر تھے۔ نہ دوسری آنکھوں نے ان کی نظیر دیکھی اور نہ خود آپ نے اپنا مثیل دیکھا۔

ولادت۔نام ونسب

آپ کا نسب نامہ یوں ہے۔ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد الکیانی العسقلانی المصری القاہری الشافعی۔آپ 12 شعبان 773ھ کو مصر میں پیدا ہوئے۔آپ کے والدین کے ہاں نرینہ اولاد نہ تھی۔ایک دن آپ کے والد کی ملاقات شیخ ضافیری سے ہوئی۔آپ نے ان سے اپنا مسئلہ بیان کیا تو انہوں نے فرمایا خدا تجھے لڑکا عنایت کرے گا جس کے علم سے دنیا مستفید ہوگی۔ [۲]

حالاتِ زندگی

آپ کے والد نے جو کہ خود بھی ایک عالم دین تھے آپ کی تربیت اعلیٰ رنگ میں کی اور پانچ سال کی عمر کے بعد مدرسہ میں داخل کرادیا۔آپ نے نوسال کی عمر میں قرآن حفظ کرلیا اور کئی عربی کتب بھی حفظ کرلیں۔اس کے بعد متعدد اساتذہ سے مختلف علوم میں دسترس حاصل کی۔796ء میں آپ کو علم حدیث میں خوب رغبت پیدا ہوچکی تھی۔ایک عالم الزین العراقی کے پاس دس سال تک ملازم رہے اور زانوئے تلمذ طے کرتے رہے اور بالآخر آپ کے اساتذہ نے آپ کو درس اور فتویٰ دینے کی اجازت عنایت فرمائی۔

آپ کو کئی بار قاضی کا عہدہ پیش کیا گیا مگر آپ انکار کرتے تھے۔لیکن بالآخر لوگوں کے اصرار پر پہلے نائب اور پھر 12 محرم 828ھ کو ''القاضی الاکبر'' بنے۔لیکن اس زمانے میں انصاف کا خون ہوتا تھا اور بعض اوقات بادشاہ اپنی من مانی کرواتے تھے۔اس لیے آپ کے دِل میں عہدہ قضاء کی بے رغبتی اور بڑھ گئی اور ایک سال مکمل کرنے کے بعد آپ نے یہ عہدہ چھوڑ دیا لیکن لوگوں کے اصرار پر دوبارہ اختیار کرلیا۔اس دن لوگ بہت خوش ہوئے کیونکہ آپ لوگوں کے دلوں میں گھر کرچکے تھے۔لیکن 852ھ تک آپ کو پانچ مرتبہ اس عہدے سے ہٹایا گیا اور دوبارہ واپس بلایا گیا۔زمانے کی ان ستم ظریفیوں کے باعث آپ کی طبیعت میں پوری طرح زُہد چھا چکا تھا۔

آپ کی علمِ حدیث کی کل مدت اکیس سال بنتی ہے۔اِس دوران آپ نے قاہرہ کے ہر مکتب میں درس دیا۔آپ ان ایام میں علوم کی چوٹیاں سر کرچکے تھے۔مختلف یونیورسٹیوں میں مختلف علوم

پڑھاتے تھے اور آپ کے تلامذہ بڑے بڑے عالم بنے۔ آپ کے اساتذہ نے آپ کی ذہانت، معرفت، امانت، حفظ اور ذوق سلیم کی خوب تعریف کی ہے۔ عراقی نے آپ کے بارے میں کہا:-

"**انه اعلم اصحابه بالحديث**" ۳؎۔ آپ اپنے ہمعصروں میں سب سے زیادہ عالم حدیث تھے۔

آپ کے شاگردوں نے آپ کی کئی کتب کے تراجم مختلف زبانوں میں کیے ہیں۔ کتاب الجواہر والدرر فی ترجمۃ الحافظ ابن حجر ہے جو علامہ السخاوی نے کیا ہے۔

وفات

آپ 28 ذی الحجہ 852ھ کو قاہرہ میں فوت ہوئے اور مصر کے بادشاہ نے سب سے پہلے آپ کے جنازہ کو کندھا دیا۔ آپ کی وفات پر شہاب منصوری نے یوں مرثیہ لکھا:-

قد بكت السحب على قاضى القضاة بالمطر

وانهدم الركن الذى كان مشيدًا من حجر ۴؎

آسمان قاضی القضاۃ کی وفات پر بارش کے ذریعہ رو پڑا اور وہ ستون جو (حجر) پتھروں سے مضبوط کیا گیا تھا آپ کی وفات کے ساتھ گر گیا —— آپ کا نام ابن حجر تھا۔

شخصیت و کردار

آپ شیخ الاسلام، سنت کے علمبردار اور خادم قرآن و حدیث تھے۔ حافظ تقی الدین آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:-

"**امام علامه حافظ متين الديانة، حسن الاخلاق، لطيف المحاضرة حسن التعبير، عديم النظير لم تر العيون مثله ولا رأى هو مثل نفسه**"۔ ۵؎

(ترجمہ) آپ امام، علامہ، حافظ، محقق، مضبوط دین والے، اعلیٰ اخلاق والے، عمدہ گفتگو والے، بہترین استدلال کرنے والے اور بے نظیر تھے۔ نہ دوسری آنکھوں نے ان کی

نظیر دیکھی اور نہ خود آپ نے اپنا مثیل دیکھا۔

آپ سنت رسول پر سختی سے کاربند تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عہدہ کی خواہش نہ کرو لیکن جب ملے تو پھر اس کا حق ادا کرو۔ چنانچہ بارہا آپ کو قاضی کا عہدہ پیش کیا گیا مگر آپ نے قبول نہ کیا۔ لیکن جب اصرار حد سے بڑھ گیا تو قبول کرلیا اور جب تک رہے لوگوں کو انصاف مہیا کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ حکمرانوں کی آنکھ میں کھٹکتے تھے۔ آپ کو حکام نے پانچ مرتبہ اس عہدہ سے ہٹایا لیکن جب دوبارہ عوام کا اصرار بڑھ جاتا تو پھر مجبوراً عہدے پر واپس لایا جاتا۔ آپ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ آپ صرف انصاف کے تقاضے پورے کرنا چاہتے تھے۔

آپ کے متعلق لکھا ہے:-

(ترجمہ) آپ کے قاضی رہنے کا کل عرصہ اکیس سال ہے۔ آپ میں اس عہدے کے دوران بہت زہد آ گیا تھا۔ اور آپ پر اکثر مصائب اسی کے باعث آئے ہیں۔

آپ حدیث کے زبردست عالم تھے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ آپ کے متعلق کہتے ہیں:-

"انتهت اليه الرحلة والرياسية فى الحديث فى الدنيا بامر ها فلم يكن فى عصره حافظ سواه"۔ ۶

(ترجمہ) حدیث کیلئے سفر کرنا اور حدیث کی ریاست آپ پر ختم ہے۔ آپ کے عہد میں آپ کے سوا کوئی حافظ حدیث نہ تھا۔

آپ ایک اصلاحی شاعر بھی تھے اور آپ کے اشعار میں عشق رسول کا پہلو نمایاں ہے۔ فرماتے ہیں:-

ولو ان غدا لی لوجهک اسلموا	اگر تیرے چہرے کی خاطر ایمان لانا ہوتا تو مجھے
لوجدت انی فی المحبة اسلم	اُمید ہے کہ میں تیری محبت میں فرمانبردار ہوتا۔ محبت
کیف السبیل لکتم اسرار الهوی	کے رازوں کو چھپانے کا کیا طریق ہو کہ میرے
ولسان دمعی بالزام یترجم ۷	آنسوؤں کی زبان میری محبت کی ترجمان ہے۔

اسی طرح فرماتے ہیں:-

ثم الصلوٰة و علی النبی فانه	پھر نبی ﷺ پر درود ہو کہ آپ سے ہی ذکر جمیل
یبدی به الذکر الجمیل یختم ۸	کا آغاز ہوتا ہے اور آپ پر ہی اختتام ہوتا ہے۔

مسلمانوں کی حالت

مجدّد اسی وقت آتا ہے جب اُمت میں بگاڑ پیدا ہو جائے اور مجدّد کا کام اس بگاڑ کی اصلاح کرنا ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجر کے وقت میں مسلمانوں پر روحانی زوال کا دور تھا۔ بغداد ہو کہ اندلس، ایران ہو کہ فلسطین یا مصر ہر طرف مذہبی اور اخلاقی پستی کا دور دورہ تھا۔ مسلمان بادشاہوں کی حالت قابل رحم تھی۔ اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کا جانشین اور خلیفۃ المسلمین کہلانے والے خلافت حقہ اسلامیہ کے جادہ مستقیم سے منحرف تھے۔ ان کی حالت خلافتِ راشدہ سے یکسر متضاد و متبایں تھی۔ جو اُن کے نزدیک بُرے کام تھے وہ یہاں محاسن میں شمار ہوتے تھے اور جن لوگوں کی وہاں تذلیل تھی اس قسم کا طبقہ یہاں محلات پر قابض تھا۔ بادشاہوں کے درباروں میں زینت کا سامان، جادو بھری آواز والے گویئے اور طلسماتی حسن رکھنے والی طوائفیں تھیں۔ رقص و سرور اور ناچ گانے میں باشاہ سلامت اور ارباب حل عقد سارا دن ''مصروف'' رہتے۔ ان کے خوشامدی انہیں غلط رپورٹیں دے کر خوش کرتے رہتے اور انہیں بیرونی حالت کا بالکل اندازہ نہیں ہوتا تھا۔

یہ تو مسلمانوں کی اندرونی حالت تھی اور اس کے علاوہ باہر سے تاتاری فتنے برپا کر رہے تھے۔ عیسائی پادری مسلمانوں پر چھا رہے تھے۔ اسلام کے خلاف لٹریچر کی اشاعت زوروں پر تھی۔ ایسی کتب تصنیف ہو رہی تھیں جن میں اسلام اور بانیٔ اسلام کے خلاف دیدہ دلیری سے اتّہامات لگائے جاتے تھے......اور مسلمانوں کو ایک ایسے قلب کی ضرورت تھی جو اسلام کی خاطر تڑپے اور نہ صرف تڑپے بلکہ اس کی یہ تڑپ عمل میں ڈھل سکے۔ جو ایک طرف مسلمانوں کی لگامیں اصل اسلام کی طرف موڑے دوسری طرف کامیابی سے اسلام کا دفاع کرے۔ غرض ایک صاحب قلم مجدد کی ضرورت تھی۔ چنانچہ وقت کے تقاضوں کے مطابق حافظ ابن حجر عسقلانی مجدد ہو کر تشریف لائے اور عظیم تصنیفی کام سرانجام دیئے۔

تجدیدی کارنامے

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے اس دور میں مسلمانوں کو علمی پستی سے نکالنے کی شدید ضرورت تھی۔ اس لیے حافظ صاحب کا تجدیدی کام علمی نوعیت کا ہے اور زیادہ تر تدریس و تصانیف سے تعلق رکھتا

ہے۔آپ خواہ زمانہ طالبعلمی میں ہوں یا قاضی القضاۃ کے عہدے پر یا بستر علالت پر، ہر حال میں خدمت اسلام کا عظیم مقصد اپنے سامنے رکھتے تھے اور زبان اور قلم سے دوسروں کو منور کرنے کا اہم فریضہ سرانجام دیتے رہے۔آپ کی کتب کی تعداد پانچ صد کے قریب بیان کی جاتی ہے (لیکن مرورِزمانہ، قلت وسائل کے باعث ان میں سے کئی کتب اب منظر عام پر نہیں)۔اسی سلسلہ میں پہلا نام ''فتح الباری'' کا ہے جو ''صحیح بخاری'' کی شرح ہے۔سنت وحدیث کے احیاء کے سلسلہ میں آپ کا یہ قدم نہایت بروقت اور مفید تھا۔آپ نے ایسی بسیط شرح لکھی کہ اس سے قبل ایسی شرح موجود نہ تھی۔اس کے ذریعہ عوام الناس کو حدیث کے گہرے مطالب سمجھنے میں آسانی پیدا ہوئی۔اس کتاب کے شروع میں آپ نے پہلے مقدمہ بھی لکھا جس میں آپ نے حدیث کو حل کرنے کے اصول وقواعد بتائے۔اس لحاظ سے ہر خاص وعام کیلئے یہ کتاب مفید بن گئی۔اس کتاب میں آپ نے جو ترتیب قائم کی ہے وہ بے نظیر ہے۔

آپ کی دوسری بڑی تصنیفی خدمت ''بلوغ المرام'' ہے۔اس میں آپ نے فقہی مسائل کے ماخذ احادیث کی روشنی میں بیان کیے ہیں اور چاروں مسالک میں بلاتمیز اور بغیر تعصّب کے جس مسئلہ میں جو حدیث موزوں نظر آئی بیان کردی اور کسی مسلک کی طرفداری یا مخالفت کی پرواہ نہیں کی اور یہی مجدد کی شان تھی۔لوگوں نے آپ کو شہاب الدین کا لقب دیا۔آپ نے واقعی شہاب کی طرح روشنی مخلوق خدا کو عطا کی۔

تصانیف

آپ کی کتب کی تعداد تو پانچ صد کے لگ بھگ ہے۔چند مشہور کا تذکرہ کیا جاچکا ہے۔چند مزید کتب کے اسماء درج ذیل ہیں۔

1احادیث الاحکام　　2 اتباع الاثر فی رحلة ابن حجر

3الاتقان فی فضائل القرآن　4 اسباب النزول

5اربعین ابن حجر　　6بذل المامون

7منبهات ابن حجر　　8تهذیب التهذیب. تقریب التهذیب وغیره

اس کے علاوہ علم الٰہیات، علم حدیث، فقہ، اصول فقہ، لغت، قرأت، تاریخ وغیرہ علوم پر آپ کی کتب ملتی ہیں۔ ۹

آپ کی کتب کا چرچا آپ کی زندگی میں ہی ہو چکا تھا علامہ شوکانی لکھتے ہیں:-

(ترجمہ) یہاں تک کہ لفظ حافظ کا اطلاق آپ پر ہونے لگا اور اجماعی کلمہ بن گیا۔ دُور دراز سے طلباء آپ کے پاس سفر کرکے آتے آپ کی مؤلفات آپ کی زندگی میں مختلف بلاد میں پھیل گئیں اور بادشاہوں نے ایک علاقے سے دوسرے علاقوں میں آپ کی کتب کے متعلق خط و کتابت کی۔ [۱۰]

پھر کہتے ہیں:-

(ترجمہ) آپ کی تصانیف بادشاہوں نے اپنے علماء کے طلب کرنے پر انہیں تحفۃً دیں یہاں تک کہ ایک کتاب 833ھ میں شاہ رُخ بن تیمور جو مشرقی بادشاہ تھا تک پہنچی جو اُس نے سلطان الاشرف سے ہدیہ کے طور پر پائی۔ ان میں سے ایک فتح الباری ہے۔ [۱۱]

آپ کی گرانمایہ تصانیف کا ذکر شاہ عبدالعزیز یوں کرتے ہیں:-

''ابن حجر کی تصانیف ڈیڑھ سو سے زائد ہیں اور جلال الدین سیوطی کی تصانیف سے بہتر اور محکم تر ہیں کیونکہ جلال الدین سیوطی کی تصانیف اگرچہ تعداد میں زیادہ ہیں لیکن ابن حجر کی تصانیف اکثر بڑی ضخیم ہیں اور ان میں نئے نئے مضامین اور معلومات آفریں فوائد موجود ہیں۔ اس کے برعکس جلال الدین سیوطی کی تصنیفات میں یہ بات نہیں ہے۔ چنانچہ متبحر عالم پر یہ بات بخوبی روشن ہے نیز حافظ ابن حجر کا اتقان و انضباطِ علوم بھی جلال الدین سیوطی کے علم سے بڑھا ہوا ہے۔ گو جلال الدین عبور و اطلاع میں ان سے فی الجملہ زیادہ ہیں''۔ [۱۲]

آٹھوی صدی کے دوسرے مجددین میں حافظ زین الدین عراقی، صالح بن عمر ارسلان قاضی بلقینی اور علامہ ناصر الدین شاذلی اور ابن قیم شامل ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ فوائد جامعہ۔صفحہ 439

۲۔ المحد ثین المتقین۔صفحہ 193

۳۔ فوائد جامعہ۔صفحہ 439

۴۔ المحد ثین المتقین۔صفحہ 196

۵۔ فوائد جامعہ۔صفحہ 439

۶۔ فوائد جامعہ۔صفحہ 439

۷۔ اتحاف النبلاء۔صفحہ 195 المعروف المحد ثین المتقین

۸۔ ایضاً صفحہ 195

۹۔ کشف الظنون۔جلد اوّل

۱۰۔ البدر الطالع۔صفحہ 88

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ فوائد جامعہ۔صفحہ 163

نویں صدی کے مجدد

حضرت اِمام جلال الدین سیوطی

رَحۡمَةُ اللّٰہِ عَلَیۡه

۸۴۹ھ - ۹۱۱ھ

''مجھے دو لاکھ احادیث زبانی یاد ہیں اگر کچھ اور حدیثیں ملتیں تو میں انہیں بھی یاد کر لیتا''۔ [1]

(علامہ جلال الدین سیوطیؒ)

تعارف

ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابی بکر محمد جلال الدین الطّوسوئی الخضیر ی الشافعی یکم رجب 849ھ بمطابق 13/اکتوبر 1445ء کو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔آپ ایرانی الاصل ہیں۔ان کا خاندان نو پشت قبل بغداد سے مصر کے شہر سیوط میں مقیم ہوگیا تھا اسی نسبت سے السیوطی کہلائے۔آپ کے والد مدرسہ شیخونیہ میں فقہ کے مدرس تھے لیکن بچپن میں ہی باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور آپ کو ایک بزرگ ''کمال بن حمام'' نے پرورش کیا۔آپ نے آٹھ برس کی عمر میں قرآن حفظ کرلیا۔اس کے بعد فقہ اور دوسرے علوم حاصل کیے اور اپنے مرحوم باپ کی جگہ مدرس مقرر ہوگئے۔آپ کے شیوخ کی تعداد 51 تک بیان ہوئی ہے۔

وفات

آپ نے 18 جمادی الاولیٰ 911ھ میں بمطابق 17/اکتوبر 1505ء کو وفات پائی اور مصر میں دفن ہوئے۔

تجدید دین

آپ نویں صدی کے مجدد ہوئے ہیں۔صاحب حجج الکرامہ نے آپ کے الفاظ **قد جوث فی المجدد** ے بیان کیے ہیں۔گویا ایک رنگ میں یہ آپ کا دعویٰ مجددیت ہے۔

تصنیفی تجدیدی کارنامے

آپ کے دور میں بھی جہاد بالقلم کا زمانہ تھا۔اسی وجہ سے ان صدیوں کے مجددین کے تجدیدی کارنامے تصنیفی نوعیت کے ہیں کیونکہ علاج مرض کے مطابق ہوتا ہے۔اس وقت اسلام کے خلاف کتب تیار ہورہی تھیں اور ان کے جواب دینے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ نویں صدی میں جلال الدین سیوطی میدان میں آئے،سینکڑوں کتب کی صورت میں ہزاروں صفحات پر مشتمل لٹریچر تیار کروایا۔آپ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ نے حج کے دوران آب زمزم پی کر یہ دعا کہ ''بار الٰہی فقہ میں مجھے سراج الدین

بلقینی اور حدیث میں ابن حجر کا رتبہ عطا فرما''۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا سن لی اور موصوف کو بالاتفاق حافظ حدیث میں شمار کیا گیا ہے۔ آپ نے سات علوم میں تبحر حاصل کیا۔ خود کہتے ہیں:-

''علوم تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی اور بدیع میں مجھے عرب بلیغوں کے طریقہ پر نہ کہ عجم فلسفیوں کے طریقہ پر تبحر نصیب ہے''۔ [۳]

علم تفسیر

آپ نے تفسیر دُرّ منثور اور تفسیر جلالین کا نصف تحریر فرمایا۔ یہ دونوں اعلیٰ پائے کی کتب ہیں۔ امام صاحب اپنی تفسیر کے متعلق فرماتے ہیں:-

''میں نے ایک ایسی ہمہ گیر تفسیر تحریر کرنے کا بیڑا اُٹھایا ہے جو تفسیر کے متعلق ہر قسم کے ضروری مواد کی جامع ہوگی۔ اس میں عقلی اقوال، بلاغی نکات، صنائع بدائع، اعراب و لغات، استنباطات و اشارات سبھی امور ہوں گے۔ وہ تفسیر ایسی جامع ہوگی کہ دیگر تفاسیر سے بالکل بے نیاز کر دے گی۔ اس کا نام میں نے مجمع البحرین و مطلع البدرین تجویز کیا ہے۔ میری کتاب الاتقاق اسی تفسیر کا مقدمہ ہے''۔ [۴]

آپ کی تفسیر دُرّ منثور ایک جامع کتاب ہے۔ امام صاحب نے بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی، ابوداؤد، مسند احمد، ابن جریر، ابن ابی حاتم عبد بن حمید، ابن ابی الدنیا سے اخذ کر کے اس تفسیر میں روایات کا خاصہ ذخیرہ جمع کر دیا ہے اور یہ واحد تفسیر ہے جس میں صرف آثار و اقوال ہیں اور مؤلف کی ذاتی رائے بالکل نہیں ہے۔

اسی طرح تفسیر جلالین آپ نے چالیس روز میں نصف اوّل کی تفسیر مکمل کر دی۔ بقیہ نصف جلال الدین محلی نے لکھا۔

علمِ حدیث

آپ نے علم حدیث کی بھی بہت خدمت کی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہو کر احادیث کی اصلاح کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے بارے میں امام شعرانی کہتے ہیں:-

''میں نے ایک ورق جلال الدین سیوطی کا دستخطی اُن کے ایک صحبتی عبدالقادر شاذلی

کے پاس پایا جو کسی شخص کے نام ان کا خط تھا جس میں اس شخص نے ان سے بادشاہ وقت سے سفارش کی درخواست کی تھی اور امام صاحب نے اس کے جواب میں لکھا تھا کہ ''میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تصحیح احادیث کیلئے جن کو محدثین ضعیف کہتے ہیں حاضر ہونا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس وقت تک پچھتر (75) دفعہ حالت بیداری میں حاضر خدمت ہو چکا ہوں۔ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میں بادشاہ وقت کے پاس جانے کے سبب اس حضوری سے رُک جاؤں گا تو ضرور قلعہ میں جاتا اور تمہاری سفارش کرتا''۔

آپ خود فرماتے ہیں کہ ''مجھے دو لاکھ احادیث یاد ہیں اگر کچھ اور حدیثیں ملتی تو میں انہیں بھی یاد کر لیتا''۔ ۵؎

آپ کی کتاب **توشیح شرح الجامع الصحیح** کے بارہ میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کہتے ہیں:-

(ترجمہ) یہ حافظ ابوالعصر ابوالفضل بن ابی بکر السیوطی کی تصنیف ہے۔ اس کے دیباچہ کے آغاز میں وہ کہتے ہیں تمام تر تعریف اس ذات کی ہے جس نے اپنا احسان ہم پر کیا کہ ہم کو حاملین سنت میں بنایا۔ یہ تعلیق صحیح الاسناد شیخ الاسلام امیر المومنین ابوعبداللہ البخاری کے بارے میں ہے جو کہ شیخ کے نام سے موسوم ہے اور امام بدرالدین زرکشی کی تعلیق مسمیٰ با لتنقیح کی طرز پر ہے اور زوائد میں کئی باتوں میں اس پر فوقیت رکھتی ہے اور ان تمام باتوں پر مشتمل ہے جو قاری اور سننے والے کیلئے ضروری ہیں۔ مثلاً صحت الفاظ، غریب باتوں کی تفسیر، اختلافِ روایات کا بیان، ان اخبار میں زیادتی جو بخاری کے طریق میں بیان نہیں۔ نیز اس ترجمہ کا بیان کرنا جس کے الفاظ میں کوئی حدیث مرفوع بیان ہوئی ہے۔ ان معلقات کا وصل جن کو صحیحین میں موصلاً بیان نہ کیا گیا ہو۔ مبہم کا اظہار اور مشکل کا ایضاح اور مختلف احادیث کا جمع کرنا گویا استنباط کے علاوہ شرح میں سے کوئی چیز نہ رہے۔ میں نے اس کا بھی ارادہ کیا ہے کہ تمام صحاح ستہ پر اس قسم کے حواشی لکھوں تا کہ اس سے نفع اندازی آسان ہو جائے اور بغیر دقت کے مطلب براری ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے تکمیل تک پہنچائے۔ ٦؎

تصانیف

آپ سترہ برس کی عمر میں ہی ادبی مشاغل میں مصروف ہوگئے تھے اور پھر زندگی میں بے شمار موضوعات پر تصانیف رقم فرمائیں جن کی تعداد 561 ہے اور عقدالجواہر میں یہ تعداد 576 بیان ہوئی ہے۔آپ کی چند کتب کے اسماء درج ذیل ہیں۔

۱- **ترجمان القرآن فی التفسیر المسند** اوراس کا خلاصہ **الدرالمنثور فی التفسیر الماثور** ہے جو چھ جلدوں میں ہے۔

۲۔ **مشکلات القرآن** کے متعلق ایک کتاب **مفحمات القرآن فی مبهات القرآن** ہے۔

۳۔ آیات کے شان نزول کے متعلق **لباب النقول فی اسباب النزول** ہے۔

۴۔ تفسیر جلالین۔

۵۔ **تفسیر مجمع البحرین** ۔اس کا مقدمہ الاتقاق کے نام سے ایک الگ کتاب ہے۔

۶۔ **محترک القرآن فی اعجاز القرآن** ۔

۷۔ جامع المسانیدالمعروف بہ الجامع الکبیر۔

اس کا خلاصہ الجامع الصغیر من حدیث البشیر والنذیر ہے۔

۸۔ **المنہج**۔ ۹۔**الاکمال**۔ ۱۰۔**کنز العمال**

۱۱۔ **الخصائص الکبریٰ**، جوابن جوزی کی کتاب الموضاعات پر حواشی ہیں۔

۱۲۔ شرح مؤطاامام مالک۔

۱۳۔ **شرح الصدور فی شرح حال الموتی فی القول المعروف بکتاب البرزخ**۔

۱۴۔ **المزهر فی علوم اللغة**۔

۱۵۔**الافتراح فی علوم اصول النحو و جدله**

۱۶۔ **الاشباه والنظائر النحویه**

۱۷۔ **وقائع الزهور فی وقائع الدهور**

۱۸۔ تاریخ الخلفاء ۱۹۔ تاریخِ مصر

احمدیت اور جلال الدین سیوطیؒ

مجدد کا اصل کام تو پیدا شدہ فتنوں کا استیصال ہوتا ہے لیکن بعض اوقات خدا تعالیٰ ان کے منہ سے ایسے اقوال یا تحریرات بہم پہنچا دیتا ہے جو آئندہ فتنوں کو حل کرنے میں مددگار ہوتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ختم نبوت کی جو تشریح کی اس پر مخالفین کی طرف سے طوفان بدتمیزی اُٹھا۔ لیکن حضرت جلال الدین سیوطی صاحب نے اپنی تفسیر دُرّ منثور میں حضرت عائشہؓ کا قول اس وقت ہی درج کر دیا جب کہ ابھی احمدیت کا وجود بھی نہ تھا تا کہ سچوں کے حق میں یہ دلیل ٹھہرے۔ خدا انہیں اس کار خیر کی جزاء عطا کرے۔ وہ قول یہ ہے:-

”وأخرج ابن ابی شیبة عن عائشة رضی الله عنها قالت قولو خاتم النبین ولاتقولوا لانبی بعدہٗ“۔ ۷

فرمایا تم خاتم النبین تو کہا کرو لیکن یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

دوسرا بڑا اختلافی مسئلہ مثیل مسیح کے دعوے کے بارے میں ہے۔ امام صاحب نے اپنی کتب میں اس کا حل بھی کر دیا ہے اور اس کا تذکرہ خود مسیح موعود علیہ السلام نے یوں کیا ہے:-

”امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ بعض مقامات منازل سلوک ایسے ہیں کہ وہاں اکثر بندگان خدا پہنچ کر مسیح و مہدی بن جاتے ہیں بعض ان کے ہمرنگ ہو جاتے ہیں“۔ ۸

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے برُوزِ محمدؐ یا مثیل مسیح کا جو دعویٰ کیا ہے تو یہ کوئی اچنبہ نہیں ہے۔ گزشتہ صدیوں کے اہل علم حضرات اس بارہ میں لب کشائی فرما چکے ہیں۔

اس صدی کے دوسرے مجددین میں محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی، سیّد محمد جون پوری مہدی قریشی ہیں اور بعض نے امیر تیمور کو بھی مجدد لکھا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ تاریخ تفسیر و مفسرین۔ صفحہ 229

۲۔ حجج الکرامہ۔ صفحہ 138

۳۔ فوائد جامعہ۔ صفحہ 356

۴۔ تاریخ و تفسیر و مفسرین از حریری۔ صفحہ 230

۵۔ ایضاً۔ صفحہ 229

۶۔ بستان المحدثین۔ صفحہ 121-122

۷۔ دُرّ منثور۔ جلد 5 صفحہ 204

۸۔ الحکم 24/جون 1904ء صفحہ 5 کالم 2-3

دسویں صدی کے مجدد

علامہ شیخ محمد بن طاہر پٹنی

رَحۡمَۃُ اللّٰہِ عَلَیۡہ

سنہ ۹۱۴ھ - سنہ ۹۸۶ھ

دیارِ ہند کے بہت بڑے عالم، محدث لغوی، شیخ، مبلغ اور مصنف تھے۔

حالاتِ زندگی

شیخ محمد بن طاہر علی پٹنی، دسویں صدی ہجری کے دیارِ ہند کے بہت بڑے عالم، محدث لغوی، شیخ، مبلغ اور مصنف تھے۔ گجرات (کاٹھیاواڑ) کے شہر نہر والا کے باشندے تھے، جو بعد کو پٹن کے نام سے موسوم ہوا اور اسی مناسبت سے یہ شیخ محمد بن طاہر پٹنی کہلائے۔ ان کا لقب جمال الدین بھی تھا اور مجد الدین بھی۔

پیدائش

شیخ ممدوح 914ھ کو شہر پٹن میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو ونما پائی۔ ابتداء عمر ہی سے حصول علم میں مصروف ہو گئے اور سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا۔ ابھی سن بلوغ کو نہیں پہنچے تھے کہ اپنے علاقہ کے مختلف اساتذہ سے علم حاصل کرنے لگے، جن میں مُلا ہنہ، شیخ ناگوری، شیخ برہان الدین سمہوی اور مولانا یداللہ سوہی وغیرہ شامل ہیں۔ کم وبیش پندرہ سال حصول علم میں مصروف رہے اور مختلف علوم و فنون میں اپنے اقران و معاصرین میں سبقت لے گئے۔ تیس سال کی عمر کو پہنچے تو 944ھ میں حرمین شریفین کا قصد کیا۔ حج وزیارت سے بہرہ مند ہوئے اور ایک مدت تک وہاں مقیم رہے۔ اس دوران انہوں نے حرمین شریفین کے مشاہیر اساتذہ سے بھی اخذِ علم کیا۔ جن میں شیخ ابوالحسن بکری شافعی، صاحب الصواعق المحرقۃ شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مصری ثم مکی، شیخ علی مدنی، شیخ جاراللہ بن فہد مکی، شیخ عبداللہ عیدروس، شیخ عبداللہ زبیدی، سیّد عبداللہ عدنی، شیخ عبداللہ حضری اور شیخ برخودار سندھی شامل ہیں۔ ان دنوں شیخ علی متقی بھی وہاں اقامت گزیں تھے۔ شیخ محمد بن طاہر نے ان سے بھی اخذ علم کیا اور ان سے منسلک و ملازم رہ کر مستفید و مستفیض ہوئے۔ اب انہوں نے فضل و علم میں کامل و مکمل ہو کر وہاں سے ہندوستان کو مراجعت فرمائی اور اپنے وطن پٹن کو اپنا مستقر ٹھہرایا جو اس زمانے میں علاقہ گجرات کا ایک نہایت اہم مقام تھا۔

شیخ محمد بن طاہر علاقہ گجرات کی بوہرہ برادری سے تعلق رکھتے تھے جو برصغیر کی مال دار اور تجارت پیشہ برادری تھی۔ بوہرے دو جماعتوں میں منقسم تھے۔ کچھ لوگ شیعہ اور اسماعیلیہ تھے جو مہدویہ کہلاتے تھے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو محمد المہدی بن عبداللہ بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق کے

پیرو بتاتے ہیں اور محمد بن عبداللہ کو مہدی آخرالزمان مانتے ہیں۔ کچھ لوگ جماعت اہل سنت سے تعلق رکھتے تھے۔ شیخ محمد بن طاہر نے بوہروں کی اصلاح کا عزم کیا اور ان میں جو بدعات و رسوم پیدا ہوگئی تھیں ان کو ختم کرنے کی ٹھانی۔ نیز اپنے علاقے میں تعلیم عام کرنے اور لوگوں کو جہالت کی تاریکی سے نکالنے کا تہیہ کیا۔ انہوں نے ایک ایسی اصلاحی تحریک شروع کی جس کا بنیادی مقصد سنت رسول اللہ کی ترویج، احکام شریعت کی تنفیذ اور منکرات کا انسداد تھا۔

النور السافر میں عبدالقادر حضرمی رقمطراز ہیں کہ شیخ محمد بن طاہر اپنے باپ کی طرف سے بہت سے مال و دولت کے وارث ہوئے تھے، وہ خود روشنائی بنانے کا کام کرتے تھے۔ اس طرح علم و فضل کی فراوانی کے ساتھ ساتھ انہیں گجرات کی ایک مال دار شخصیت سمجھا جاتا تھا۔ اپنا مال تعلیم و تبلیغ پر خرچ کرتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ لڑکوں کے مدرسے کے معلم کے ذریعہ ذکی اور فہیم لڑکوں کو اپنے ہاں طلب کرتے۔ اگر لڑکا مالدار ہوتا تو اسے علم حاصل کرنے کی تاکید فرماتے۔ اگر تنگدست ہوتا تو اس کے اور اس کے گھر والوں کے مصارف کا بوجھ خود برداشت کرتے اور اس کو تعلیم میں مشغول رہنے کی ترغیب دیتے۔ اسی طرح غرباء و مساکین اور محققین میں بھی مال و دولت تقسیم کرتے اور ہر ایک کو ضرورت کے مطابق باقاعدہ وظیفہ دیتے۔ اس طرح وہ کوشاں ہوتے کہ لوگ فکرِ معاش سے بے نیاز ہو کر اللہ کے دین کی خدمت کو اپنا مقصد حیات ٹھہرالیں۔

شیخ محمد بن طاہر نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ جب تک ان کی قوم بدعات و منکرات کو ترک نہیں کر دیتی اور سنت پر عامل نہیں ہو جاتی وہ سر پر عمامہ نہیں باندھیں گے۔ قریب تھا کہ ان تمام بدعات کا قطعی طور پر خاتمہ ہو جاتا جو بلاد گجرات میں مروّج تھیں کہ مغل حکمران جلال الدین اکبر نے 980ھ میں گجرات فتح کیا۔ اکبر سے شیخ کی ملاقات ہوئی تو اس نے عمامہ نہ باندھنے کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے وجہ بتائی تو اکبر نے کہا بدعات کا قلع قمع کرنا، دین کی نصرت اور سنت کا نفاذ عمل میں لانا میرے فرائض میں ہے، اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے۔ آپ ان امور کی پرواہ نہ کریں۔ چنانچہ اکبر نے اپنے ہاتھوں سے ان کے سر پر عمامہ باندھا اور ساتھ ہی والیٔ گجرات مرزا عزیز الدین کو جو اکبر کا رضاعی بھائی تھا، شیخ کے مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کا حکم دیا۔ منقول ہے کہ اس نے اس سلسلہ میں شیخ کی پوری اعانت کی اور ممکن حد تک رسوم بدعات کے ازالے کی سعی کی۔ لیکن جب مرزا عزیز الدین کو

معزول کر کے اس کی جگہ عبدالرحیم خان خاناں کو مقرر کیا گیا تو اس نے بوہروں کے عقیدۂ مہدویت کی حمایت کرنا شروع کر دی جس کے نتیجے میں وہ تمام مہدوی جو گوشہ عزلت میں چلے گئے تھے دوبارہ باہر نکل آئے اور شیخ کی تحریک اصلاح بڑی حد تک دب گئی۔

شیخ کو اس کا بڑا قلق ہوا۔ انہوں نے دوبارہ عمامہ سر سے اتار دیا اور اکبر سے ملنے کی غرض سے آگرہ کا قصد کیا۔ دراصل ان کا مقصد اکبر کو اس کا وعدہ یاد دلانا اور اس ضمن میں جو کام ہو چکا تھا اس کی اطلاع دینا تھا، نیز عزیز الدین کی معزولی اور عبدالرحیم خان خاناں کے تقرر کے نتیجے میں جو تغیر رونما ہو گیا تھا اس کی تفصیلات سے اکبر کو آگاہ کرنا تھا۔ مگر اس کا انہیں موقع نہ ملا۔ وہ گجرات سے چلے تو کچھ لوگ جو فرقہ مہدویہ سے تعلق رکھتے تھے ان کے تعاقب میں نکلے۔ جب شیخ اُجیّن کے نواح میں پہنچے تو انہوں نے موقع پا کر ان کو قتل کر ڈالا۔ یہ حادثہ 986ھ کو پیش آیا۔ شیخ کے رفقائے سفر اِن کے جسد خاکی کو وہاں سے پٹن لے آئے اور انہیں ان کے آبائی قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔

شیخ محمد بن طاہر پٹنی متعدد علمی کتابوں کے مصنف تھے۔ جن میں بہت اہم اور اہل علم میں زیادہ مقبول و معروف کتابیں یہ ہیں۔

۱۔ **مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار:** یہ حدیث کی ایک لغت ہے جو نہایت اہمیت اور جامعیت کی حامل ہے اور دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ شیخ نے یہ معجم اپنے مرشد و استاذ شیخ علی متقی کے نام معنون کی ہے۔ یہ بڑی ضخیم کتاب ہے جو 1668 صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی کتابت بہت گنجان ہے۔ اس کو حروفِ مصادر کی ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے۔ جو الفاظ احادیث میں استعمال ہوئے ہیں ان کے مصادر اور مشتقات اس لغت میں موجود ہیں اور احادیث کا متن بھی اس میں درج کیا گیا ہے۔ اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صرف الفاظ کے معنی لکھنے پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ متعلقہ حدیث کے بارے میں وضاحت طلب نکات کی تشریح بھی کی گئی ہے۔ اس لغت سے پہلے اس قسم کے جتنے بھی لغت مرتب کیے گئے ہیں وہ اس کے سامنے کم اہمیت کے حامل نظر آتے ہیں۔ اہل علم میں یہ کتاب بڑی مقبول ہے۔

۲۔ **تذکرۃ الموضوعات:** یہ موضوع احادیث سے متعلق ایک ضخیم کتاب ہے۔ اس کے مقدمہ میں مصنف رحمہ اللہ نے یہ وضاحت کی ہے کہ کسی حدیث کو محض اس لیے موضوع نہیں قرار دے

دینا چاہیے کہ کسی نے اسے موضوع کہا ہے۔اس کا فیصلہ اس سلسلے کی مستند کتب سے رجوع کے بعد کیا جائے۔اس کی مثال دیتے ہوئے شیخ نے لکھا ہے کہ امام ابن جوزی نے اپنی کتاب **الموضوعات** میں بعض ان احادیث کو بھی موضوع قرار دیا ہے جو دراصل حَسن کا درجہ رکھتی ہیں۔ علاوہ ازیں بعض ضعیف احادیث کو بھی انہوں نے موضوع ٹھہرایا ہے۔اس کے بعد شیخ نے ان احادیث پر عالمانہ و ناقدانہ بحث کی ہے جنہیں کسی نہ کسی عالم نے موضوع سے تعبیر کیا ہے۔اس مسئلہ سے متعلق یہ ایک مفید کتاب ہے۔ یہ کتاب مصر میں چھپ چکی ہے اور مشہور اہلحدیث عالم مولانا عبدالجلیل سامردوی نے بڑی محنت سے اس کی تصحیح کی ہے۔

۳۔علاوہ ازیں **المغنی فی ضبط اسماء الرجال**۔

۴۔ **قانون الموضوعات فی ذکر الضعفاء الوضاعین**: یہ کتاب مصر میں طبع ہوگئی ہے۔ اس کے مقدمہ میں مرقوم ہے کہ مصنفِ علام نے اس کو **تذکرۃ الموضوعات** کے بعد تصنیف کیا۔

اس کتاب میں مصنف نے ان راویوں کو حروف تہجی کے اعتبار سے جمع کر دیا ہے جو موضوع حدیثیں وضع کرتے یا بیان کرتے تھے۔آخری دو فصلوں میں ان کی کنیتیں اور نسب بیان کیے گئے ہیں۔ کتاب کے بالکل آخر میں مولانا عبدالجلیل سامردوی مرحوم نے **ترجمۃ المؤلف** کے عنوان سے شیخ محمد بن طاہر کے حالات وسوانح تحریر کیے ہیں۔

فاضل مصنف نے وضاع راویوں کے نام اور اوصاف با قاعدہ حوالوں کے ساتھ درج کیے ہیں اور ان کا ساقط الاعتبار یا غیر مستند ہونا متقدمین کی کتابوں سے ثابت کیا ہے۔اس کا انداز اس قسم کا ہے مثلاً:

غالب بن عبیداللہ الجزری	لیس بشیٔ
غریب بن عبدالواحد القرشی	مجہول
غسان بن ابان الحنفی	یروی عجائب
غیاث بن ابراہیم	کذاب
خلیل بن مجد	وضاع
الفرح بن فضالۃ	ضعیف

الفرات بن السائب	متروک
الفضل بن حرب البجلی	غیر محفوظ
الفضل بن عبداللہ بن مسعود یشکری	لا یجز احتجاج وغیرہ وغیرہ

۵۔ کفایۃ المفرطین: یہ شافیہ کی شرح ہے۔اس کا ایک نسخہ احمد آباد میں پیر محمد شاہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

دسویں صدی ہجری کے اس عظیم المرتب عالم اور محدث وفقیہ نے 986ھ میں اُجین اور سارنگ پور کے درمیان جام شہادت نوش کیا اور ان کے ساتھیوں اور خواہرزادہ شیخ نور محمد نے میت کو پٹن لا کر ان کے آبائی قبرستان میں سپرد خاک کیا۔ [1]

علاوہ ازیں صدیق حسن خان قنوجی نے اتحاف النُبلاء میں بعض علماء کی روایت سے لکھا ہے کہ محمد بن طاہر صدیقی الاصل تھے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ شیخ عبدالقادر بن ابوبکر (1138ھ) مفتی مکہ جو علامہ محمد بن طاہر کی اولاد میں سے تھے ان کے ایک شاگرد نے ان کی شان میں ایک قصیدہ کہا جس کے ایک شعر کا ترجمہ یہ ہے:-

''تیرے اجداد کی لحد کو خدا ٹھنڈک دے وہ علم وفضیلت میں یکتا تھے یعنی محمد بن طاہر کہ بلاشبہ حضرت صدیق کے نسل سے تھے''۔

ایک روایت کے مطابق آپ نے اپنے بارہ میں ہندیؒ الاصل بھی لکھا ہے۔

مجدد کو جو تائیدی نشان عطا ہوتے ہیں آپ نے اس سے بھی حصہ پایا۔ چنانچہ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ آپ کے ذکر میں فرماتے ہیں:-

حضرت محمد طاہر گجراتیؒ کا مباہلہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے غلام دستگیر قصوری کے ذکر پر فرمایا:-

''اس نے ایک ایسا ہی مباہلہ کیا تھا جس کی نظیر پہلے بھی اسلامی دنیا میں موجود ہے جس کا اس نے خود ہی اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے کہ ایک بزرگ محمد طاہر نام تھے کے زمانہ میں دو شخص پیدا ہوئے ایک نے مسیح کا دعویٰ کیا تھا اور ایک نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔جس پر مولوی محمد طاہر صاحب نے

خدا تعالیٰ کے حضور میں دُعا کی کہ یا الٰہی گر یہ مدعی جھوٹے ہیں تو ان کو ہلاک کر دے اور اگر ان کو نہ ماننے میں مَیں جھوٹا ہوں تو مجھے ہلاک کر۔ چونکہ وہ دونوں کاذب تھے اس واسطے ہر دو ہلاک ہو گئے۔ غلام دستگیر نے بھی اسی طرح مباہلہ کیا تھا اور لکھا تھا کہ میں وہی دُعا کرتا ہوں جو کہ محمد طاہر نے کی تھی۔ چونکہ اس کے مقابل میں جو شخص تھا وہ سچا ہے اس واسطے غلام دستگیر خود ہلاک ہو گیا''۔ ؎۲

''محمد طاہرؒ نے ایک جھوٹے مسیح اور مہدی پر بددُعا کی تھی اور وہ (مہدی۔ ناقل) ہلاک ہو گیا تھا''۔ ؎۳

اس صدی کے آخر میں دوسرے بڑے مشہور مجدد عرب میں ملا علی بن سلطان محمد القادری متوفی 1014ھ ہوئے۔ آپ نے ہرات سے مکہ معظّمہ ہجرت کی تھی اور تمام بڑے بڑے اساتذہ سے وافر علوم و فنون سیکھے۔ سوا سو سے زائد کتابیں لکھیں۔ ان میں سے اٹھارہ چھپی ہوئی موجود ہیں جن میں المرقاۃ شرح مشکوٰۃ کئی ضخیم جلدوں میں سب سے زیادہ مشہور ہے۔ علامہ عبدالحئی لکھنوی نے آپ کی خدمت دینیہ درازالۂ بدعت و خدماتِ علمیہ کے باعث مجدد صدی قرار دیا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی بھی اس صدی کے مشہور مجدد ہیں۔

دسویں صدی کے چوتھے مجدد حضرت علی بن حسام الدین معروف بعلی متقی ہندی مکّی ہیں (جو کنز العمال کے مرتب بھی ہیں)۔

حوالہ جات

۱۔ النور السافر۔ صفحہ 362-361

اخبار الاخیار۔ صفحہ 272، شذرات الذہب جلد 8 صفحہ 410

بحوالہ فقہائے ہند جلد سوم مصنف محمد اسحٰق بھٹی صفحہ 331-326

۲۔ ملفوظات جلد پنجم صفحہ 62-61 ایضاً صفحہ 200

۳۔ حقیقۃ الوحی۔ صفحہ 335

گیارھویں صدی کے مجدد

حضرت شیخ احمد سرہندی

مجدد الف ثانی

رَحمَۃُ اللّٰہِ عَلَیہ

۹۸۱ھ - ۱۰۳۴ھ

جہانگیر کے دربار میں جب آپ کو سجدۂ تعظیمی کیلئے کہا گیا تو فرمایا:-
''یہ سر قدوس کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھکتا اور یہ جبیں خالق ارض وسما کے علاوہ کسی کے آگے نیاز نہیں ہوتی''۔ [1]

ولادت۔ مختصر حالات زندگی

جمعۃ المبارک 14 ؍شوال 971ھ کی شب مسعود تھی کہ حضرت شیخ عبدالاحد کے ہاں وہ بچہ تولد ہوا جس کی بشارت پہلے سے دی جا چکی تھی۔ شیخ اپنے کمرے میں محو استراحت تھے۔ نماز تہجد کے قریب خواب دیکھا کہ کائنات ظلمتوں کی لپیٹ میں آگئی۔ خنزیر، بندر اور ریچھ مخلوق خدا کو ہلاک کر رہے تھے۔ معاً آپ کے سینہ سے نور کا ظہور ہوا اس میں ایک تخت ہویدا ہوا جس پر ایک شخص جس کے چہرے پر نور و جلال متمکن تھا، اس کے سامنے ظالموں، زندیقوں اور ملحدوں کو لا کر بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیا جا رہا تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے کوئی باآواز بلند کہہ رہا ہو

قل جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔

آپ اُٹھ کر بارگاہ حمدیت میں سجدہ ریز ہوگئے۔ صبح اُٹھ کر شاہ کمال کتھیلیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خواب بیان کیا۔ انہوں نے بشارت دی کہ ایک بچہ پیدا ہوگا جس کے دم قدم سے الحاد و بدعت کی سیاہیاں اور زندیقیت کی ظلمتیں کافور ہوں گی۔ ۲

اسی طرح ایک مرتبہ فرمایا ''یہ لڑکا بڑی عمر کا ہوگا اور عالم عامل اور عارف کامل ہوگا اور ہم جیسے کئی اس سے پیدا ہوں گے''۔ ۳

آپ کے والد ماجد نے آپ کا نام شیخ احمد فاروقی رکھا۔ آپ کا شجرۂ نسب ستائیسویں پشت میں فاروق اعظم سے جا ملتا ہے۔ آپ نے سات برس کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا اور دینی تعلیم کی خاطر سیالکوٹ آگئے اور مولانا کمال کشمیری سے اکتساب فیض کیا۔

1008ھ میں حج کے ارادے سے نکلے لیکن راستے میں حضرت خواجہ باقی باللہ سے ملنے کی خواہش پیدا ہوگئی۔ اِدھر خواجہ صاحب کو بھی ایسا مبشر خواب دکھایا گیا جس میں آپ کے دامنِ برکت سے ایک بزرگ کے ظہور کی خبر تھی۔ چنانچہ ان دونوں بزرگوں کی ملاقات دہلی میں ہوگئی اور شیخ خواجہ صاحب کی زیر تربیت نقشبندی فرقے کے مایہ ناز پیر طریقت ہوگئے۔ یہاں سے دوبارہ سرہند آگئے اور فیوضِ برکات کے انتشار کا کام شروع کر دیا۔

بلند روحانی مقام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تحریرات میں آپ کا تذکرہ کیا ہے۔آپ کی کتب خصوصاً مکتوبات کے حوالے دیئے ہیں۔آپ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

''ولی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک مجاہدہ کش جیسے حضرت بابا فرید شکر گنج اور دوسرے محدث جیسے ابوالحسن خرقانی، محمد اکرم ملتانی، مجدد الف ثانی وغیرہ یہ دوسرے قسم کے ولی بڑے مرتبے کے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے بکثرت کلام کرتا ہے میں بھی ان میں سے ہوں''۔ ۴

آپ صاحبِ کشف والہام بزرگ تھے اور زیارت رسول سے مشرف ہو چکے تھے۔ چنانچہ 27 رمضان المبارک 1010ھ بروز سوموار ظہر کے بعد مراقبے میں تھے معاً آپ نے خود کو ایک خلعتِ نورانی میں لپٹے ہوئے پایا۔ اسی اثناء میں صاحب لولاک سیّدالمرسلین ﷺ تشریف لائے اور اپنے دستِ مبارک سے مجدد الف ثانی کے سر پر دستار باندھی اور منصبِ قیومیت کی مبارکباد دی۔

......اسی طرح ایک مرتبہ آپ قبرستان گئے اور فاتحہ کے بعد امام رفیع الدین کے مزار پر کھڑے ہو کر قبرستان کی مغفرت کیلئے دعا مانگی۔ تب الہام ہوا کہ ایک ہفتہ کیلئے ہم نے قبرستان سے عذاب اُٹھالیا ہے۔آپ اپنے ربّ کی لامتناہی رحمتوں کا ذکر کرتے رہے یہاں تک کہ القاء ہوا کہ ہم نے تیری خاطر اس قبرستان سے قیامت تک عذاب اُٹھالیا۔ ۵

یہ واقعہ اگرچہ بلاتردّد قبول نہیں کیا جاسکتا یا تو یہ کشفی نظارہ تھا اور آپ کو بتایا گیا ہو کہ جس طرح ان مُردوں کو آپ کے ذریعہ جنت ملی ویسے ہی آپ کی عملی زندگی میں روحانی مُردے آپ کی تعلیمات اور تجدید سے بیدار ہوں گے اور جہالت کی ظلمتوں سے نکل کر ہدایت کی روشنی میں آجائیں گے۔ اگر اس کو ظاہری ہی مانا جائے تو پھر اُن معترضین کا جواب یہ واقعہ بن سکتا ہے جو ''بہشتی مقبرہ'' پر اعتراض کرتے ہیں کہ مرزا صاحب نے دنیا میں ہی پیسے والوں کو جنت عطا کی ہے۔ یہاں تو رقم خرچ کرنی پڑتی ہیں اس کے علاوہ وصیت کی کڑی شرائط ہیں۔لیکن اس واقعہ کے بارے میں کیا خیال ہے کہ ایک بار دُعا کے نتیجے میں ہی سارے قبرستان سے قیامت تک عذاب ٹال دیا گیا۔

وفات

آپ 28 صفر 1034ھ کو سرہند میں فوت ہوئے۔ [6]

مسلمانوں کی حالتِ زار

حضرت مجدد الف ثانی خود اس وقت مسلمانوں کی حالت کا بیان ایک مکتوب میں یوں کرتے ہیں:-

''کفار بے تحاشہ مسجدوں کو شہید کر کے وہاں مندر بنا رہے ہیں۔ تھانیسر میں ایک مسجد اور ایک بزرگ کا مقبرہ تھا اسے گرا کر اس کی جگہ بڑا بھاری مندر تعمیر کرایا ہے۔ اس کے علاوہ کفار اپنی رسموں کو کھلم کھلا ادا کر رہے ہیں اور مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ وہ ان شرارتوں اور مخالفتوں کے سبب اکثر احکام اسلامی کے بجالانے سے قاصر ہیں۔ ایکارشی کے دن ہندو کھانا ترک کر دیتے ہیں اور یہ کہ اس دن اسلامی شہروں میں بھی کوئی مسلمان روٹی نہ پکائے اور نہ بیچے اور ماہِ رمضان میں ہندو برملا نان و طعام پکاتے اور بیچتے ہیں۔ مگر اسلام کے مغلوب ہونے کے باعث انہیں کوئی نہیں روک سکتا۔ ہائے افسوس بادشاہ وقت ہم میں سے ہو اور پھر ہم فقیروں کا اِس طرح خستہ اور خراب حال ہو''۔ [7]

دیگر حالاتِ زمانہ

آپ کے دور کا بڑا فتنہ ''دین الٰہی'' تھا۔ مغلیہ سلطنت کا بادشاہ اکبر تھا تو پیدائشی مسلمان لیکن حکمران بننے کے بعد اس کے طور اطوار بدل گئے۔ مذہبی پستی تو عام تھی، بادشاہ نے تو حد کر دی۔ اس کے سامنے ایک ہی مقصد تھا کہ اپنی ہندو مسلم رعایا کو متحد کیا جائے اور ان میں بنیادی اختلاف مذہبی تھا۔ چنانچہ اُس نے اِن کے اشتراک سے دین الٰہی بنایا جس میں اِسلامی عقائد کی دھجیاں اُڑا دی گئی تھیں۔ وہ تمام رسومات جن کو اسلام سختی سے منع کرتا ہے اس دین کا حصہ بن گئیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ اِس مذہب کے نتیجے میں ''سورج کی پرستش چار وقت لازمی قرار دی گئی۔ اب پانی، درخت، گائے کا پوجنا جائز، قشقہ لگانا، گلے میں زنار پہننا مذہب کی علامت بن گیا۔ داڑھی منڈانا غسل جنابت نہ کرنا، ختنہ نہ کرنا،

اس دین کی شناخت قرار پائی اور تمام اسلام کی رسومات کو ہزار سال پرانی رسومات کہہ کر ترک کردیا گیا"۔ [8]

بادشاہ کو خدا کا اوتار سمجھ کر سجدہ تعظیمی لازمی قرار دیا گیا۔ روافض اسلام دشمنی کا کھلم کھلا اظہار کرتے تھے۔ خود بادشاہ وقت بزرگان دین سے عداوت رکھتا تھا۔ ایسے حالات میں ایک مجدد کب خاموش رہ سکتا تھا۔ ناممکن تھا کہ آپ (مجدد الف ثانی) اسلام اور صحابہ کرام کی تضحیک پر بھی مہر بلب رہتے۔ آپ نے ردّ روافض میں ایک رسالہ لکھا اور ان کے عقائد باطلہ کی تردید فرمائی۔

اکبر کے بعد جہانگیر بادشاہ بنا۔ اس کا وزیر السلطنت آصف جاہ رافضی تھا۔ اس نے حضرت مجدد الف ثانی کے خلاف بادشاہ کے کان بھرے تو اس نے سرکاری کارندہ بھیج کر اُنہیں دربار میں بلایا۔ چنانچہ 1028ھ میں آپ آگرے تشریف لائے آپ نے بادشاہ کو سجدۂ تعظیمی نہ کیا۔ آصف جاہ کے بے سروپا سوالات کے آپ نے شافی ومسکت جواب دیئے۔ جب اس سے کچھ بن نہ پڑا تو سجدۂ تعظیمی نہ کرنے کی بابت پوچھا۔ تو فرمایا:-

"یہ سر قدوس کے سوا کسی کے آگے نہیں جھکتا اور یہ جبیں خالق ارض وسما کے علاوہ کسی کے آگے نیاز نہیں ہوتی"۔ [9]

چنانچہ وزیر کے اکسانے پر جہانگیر نے آپ کو گوالیار کے قلعے میں باغیوں کے ساتھ قید کرادیا۔

حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات میں اس زمانے کی بدرسوم کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

"......اکثر عورتیں کمال جہالت کے باعث اس قسم کی ممنوع استمداد میں مبتلا ہیں...... خاص کر مرض چیچک کے وقت نیک اور بد عورتوں سے یہ بات مشہور ومحسوس ہوتی ہے شاید ہی کوئی عورت ہو جو اس شرک سے خالی ہو اور شرک کی کسی رسم میں مبتلا نہ ہو۔ ہندوؤں کے بڑے دن کی تعظیم کرتی اور ان کی مشہور رسموں کو بجالاتی ہیں، اور اپنی عید مناتی ہیں اور کافروں اور مشرکوں کی طرح ہریسے اور تحفے اپنی بیٹیوں، بہنوں کو بھیجتی ہیں اور اس موسم میں اپنے برتنوں کو رنگ کرکے ان کو سرخ چاولوں سے بھر کر بھیجتی ہیں۔ اور اس موسم کا بڑا شان اور اظہار بناتی ہیں۔ یہ سب شرک اور دین اسلام کا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وما یومن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون** (یوسف:107)۔ حیوانات کو مشائخ کی نذر کرتے

ہیں، ان کی قبروں پر جا کر ذبح کرتے ہیں ...... اسی طرح وہ روزے جو عورتیں پیروں اور بیبیوں کی نیت پر رکھتی ہیں ...... اور اپنے مطلبوں اور مقصودوں کو ان روزوں پر موقوف کرتی ہیں اور ان روزوں کے ذریعے ان سے حاجتیں طلب کرتی ہیں۔ یہ سب عبادت میں شرک ہے''۔ [10]

وفات

آپ نے 28 صفر المظفر 1034ھ کی شب دوران علالت اپنے خدام سے فرمایا ''اج ملاوا کنت سوں سکھی سب جگ دیںواں وار''۔ آج وصال یار ہے اس لیے میں سارا جہاں بخوشی نثار کرتا ہوں۔ پھر آپ نے صحیحین کی ادعیہ پڑھیں اور تہجد ادا کی۔ نماز فجر با جماعت پڑھی اور حکم دیا کہ مجھے فرش پر لٹا دو اور سنت کے مطابق سر مبارک بطرف شمال اور چہرہ بسوئے کعبہ، دایاں ہاتھ زیرِ رُخسار تھا۔ ذکر الٰہی میں مشغول تھے اور ایسی حالت میں جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ [11]

تجدیدی کارنامے

دین الٰہی، مشرکانہ رسومات اور روافض وغیرہ آپ کے دور کے فتنے تھے اور آپ نے ان کو ختم کرنے کیلئے اپنی زندگی وقف کر دی۔

دعویٰ مجددیت

آپ کے مکتوبات میں آپ کے مجدد ہونے کا دعویٰ بھی ملتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

''اگر گوید کہ فہم کند و کہ دریابد ایں معارف از حیطۂ ولایت ارباب ولایت در رنگ علماء ظواھر در ادراک آن عاجز اند و در درکِ آں قاصر ایں علوم مقتبس از مشکوٰۃ انوار نبوت اند علی اربابہا۔ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کہ بعد از تجدید الف ثانی بہ تبعیت و وراثت تازہ گزشتہ اند و بطراوت ظہور یافتہ صاحب ایں علوم و معارف مجدد ایں الف است کما لا یخفی علی الناظرین فی علومه و معرفته التی تتعلق بالذات والصفات والافعال و تتلبس بالاحوال والمواجید والتجلیات والظهورات فیعلمون ان مولاء العارف لب ذلک القشر والله سبحانه الهادی و

بدانند بر سر مائۃ مجددے گزشتہ است اما مجدد مائۃ دیگر است و مجدد الف دیگر۔ چنانچہ درمیان مائۃ و الف فرق است در مجددیں اینہا نیز ہما قدر فرق است بلکہ زیادہ ازاں و مجدد آن ست کہ ہر چند درآں مدت از فیوض بامتان برسد بتوسط او برسد۔ اگر چہ اقطاب واوتار وقت بودہ بدلا ونجبا باشند"۔ ۱۲؎

(ترجمہ) اگر کوئی کہے کہ ان معارف کو جو ولیوں کی ولایت کے محل سے چہرہ نمائی کرتے ہیں کون سمجھ سکتا ہے یا کون ان کی کُنہہ کو پا سکتا ہے۔ سو یاد رہے کہ ظاہر پرست علماء ان معارف کے ادراک سے عاجز ہیں اور ان کی حقیقت کے پانے سے قاصر ہیں۔ یہ علوم کبھی حاصل نہیں ہوتے بلکہ نبوت کے مشکوٰۃ سے حاصل ہوتے ہیں۔ جو انبیاء کی کامل پیروی کرنے کے بعد بطور وراثت عطا ہو کر دوسرے ہزار کی تجدید کیلئے تر و تازہ ہو گئے ہیں۔ جس شخص کو یہ علوم و معارف ملے ہیں وہ اس صدی کا مجدد ہے۔ چنانچہ یہ بات ان لوگوں پر مخفی نہیں جنہوں نے اس کے علوم پر نظر کی ہے اور ان معارف کو ملاحظہ کیا ہے جو اس شخص کی ذات اور صفات اور افعال کے متعلق ہیں اور نیز اس کے حالات اور مواجید اور تجلیات اور ظہورات کو دیکھا ہے اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ یہ تمام صفات اس پوست کا ایک ذرہ ہیں جو اس شخص کو دیئے گئے ہیں یعنی جو کچھ اب تک لوگوں نے دیکھا ہے یہ بہت قلیل ہے۔ اس کی شان اس سے بڑھ کر ہے اور یہ خاص اسی پاک ذات کا فضل ہے جس نے لوگوں کو ہدایت کیلئے ایک ہادی بھیجا ہے۔ لہٰذا فی الحقیقت وہ اس ذات کا فضل ہے جس نے لوگوں کی ہدایت کیلئے ایک ہادی بھیجا ہے۔ لہٰذا فی الحقیقت وہ ذات ہی ہادی کہلانے کے لائق ہے۔ لیکن صدی کا مجدد اور الف کا مجدد مختلف ہے یعنی جس طرح سو اور ہزار میں فرق، اس طرح ان کے مجددوں میں بہت فرق ہے۔ اور مجدد وہ شخص ہوتا ہے کہ اس زمانے میں جس قدر فیض اُمتوں کو پہنچتا ہے وہ صرف اُسی مجدد کے توسط اور وسیلہ سے پہنچتا ہے۔ خواہ اس زمانے کے قطب اور اوتار اور ابدال اور انجباء بھی موجود ہوں۔

آپ کی تجدید کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ آپ نے غرباء کی ایک جماعت تیار کی جو اسلامی روایات کی حامل تھی۔

۲۔ اہم علم سنجیدہ طبقہ میں اپنی تحریرات و تقاریر کے ذریعہ ایک ذہنی انقلاب پیدا کیا اور علمی استدلال سے خوب کام لیا۔

۳۔ امراء و حکمرانوں کو خطوط لکھ کر انہیں ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔

۴۔ بادشاہ وقت جو ملحد ہو رہا تھا اسے بھی خطوط لکھے۔ اور اس کی خاطر آپ کو قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔

تعلیمات

آپ ایک ایسے ملک میں تھے جہاں ہندوؤں کی کثرت تھی۔ اس لیے آپ کی تعلیمات میں ہندو عقائد کا ردّ بھی ملتا ہے اور دوسرے ہنود کے اثر سے مسلمانوں میں جو برائیاں آ گئی تھیں ان کے ردّ میں بھی آپ کے ارشادات ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ وحدت الشہود اور فلاسفہ کے ردّ میں بھی آپ کی تعلیمات موجود ہیں۔ چنانچہ آپ توحید کے متعلق فرماتے ہیں:۔

''پس یہ کہنا کہ رام اور رحمٰن ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں کسی طرح بھی ٹھیک نہیں۔ ایک شے خود ہی خالق اور خود ہی مخلوق ہے جو جسمی مشابہت سے واحد نہ ہو پھر وہ بے شبہ اور بے مثال کس طرح ہو سکتی ہے۔ رام اور کرشن کی پیدائش تک خدائے قدوس کو کسی نے رام و کرشن نہ کہا۔ ان کے پیدا ہونے کے بعد ذاتِ احدیت پر رام و کرشن کا اطلاق کیا۔ اس دعویٰ کی روشن دلیل نہیں کہ ان ناموں کے پردے میں خدا تعالیٰ کے عوض رام و کرشن کی پرستش کی جاتی ہے۔ **ماتعبدون من دون الله الخ** اللہ کے سوا جس کی پرستش کرتے ہو یہ تو ایسے نام ہیں جو تم اور تمہارے باپ دادا نے از خود رکھ لیے ہیں اللہ نے ان کی کوئی سند نازل نہ فرمائی''۔ [۱۳]

اتباعِ سنت

پیروں اور نام نہاد صوفیاء نے سنت کی روش کو چھوڑ کر اپنی الگ شریعت بنالی تھی مگر آپ نے سنت کی پیروی کی دعوت یوں دی ''وظائف بندگی کو ادا کرنا اور حضرت جل مجدہ کی جانب ہمیشہ اور ہر وقت متوجہ رہنا پیدائش کا مقصود ہے۔ یہ بات صرف اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے کہ سنت سیّد الاوّلین والآخرین ﷺ کی ظاہراً و باطناً ہر طرح سے پوری پوری اتباع کی جائے''۔ [۱۴]

اسی طرح یہ نام نہاد صوفیاء ان فرائض کی پرواہ نہیں کرتے تھے جو خدا نے فرض کیے ہیں اور اپنے آپ کو اس سے بالا خیال کرتے ہیں۔ آپ نے فرض کی اہمیت کے بارے میں فرمایا:۔

''ایک فرض کا ایک وقت میں ادا کرنا ہزار سال کے نوافل ادا کرنے سے بہتر ہے اگر چہ خالص نیت سے ادا ہوں''۔

اسی طرح فرمایا:۔''کار دین اور نجات اخروی کا مدار عشق رسول اور اپنے شیخ کے ساتھ اخلاص میں ہے''۔ ۱۵

حقوق العباد

آپ نے حقوق العباد اور اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا''بعض علماء ربانی فرماتے ہیں کہ جب تک انسان ان دس چیزوں کو اپنے اوپر فرض نہ کرلے کامل ورع حاصل نہیں ہوتی''۔

۱۔زبان کو غیبت سے بچائے۔ ۲۔ بدظنی سے بچے۔

۳۔مسخرہ پن یعنی ہنسی ٹھٹھے سے پرہیز کرے۔ ۴۔حرام سے آنکھ بند کرے۔

۵۔سچ بولے ۶۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا احسان جانے تاکہ اس کا نفس مغرور نہ ہو۔

۷۔ اپنا مال راہِ حق میں خرچ کرے اور راہ باطل میں خرچ کرنے سے بچے۔

۸۔ اپنے نفس کیلئے بلندی اور بڑائی طلب نہ کرے۔

۹۔ نماز کی محافظت کرے۔

۱۰۔اہل سنت و جماعت پر استقامت اختیار کرے۔ ۱۶

وحدت الشہو د

شروع میں آپ وحدۃ الوجود کے قائل تھے لیکن رفتہ رفتہ آپ سلوک کی منازل طے کرتے رہے تو یہ حقیقت منکشف ہوتی گئی کہ ذاتِ حق صفات سے جدا ہے۔چنانچہ پھر آپ نے اِسی عقیدے کا اظہار فرمایا۔

''صفات عین ذات نہیں بلکہ زائد علی الذات ہیں۔اللہ تعالیٰ کا وجود فی ذاتہٖ کامل ہے اس لیے اپنی تکمیل کیلئے صفات کی احتیاج نہیں۔صفات اس کے وجود کی معین اور مددگار ہیں۔وہ موجود ہے لیکن اس کا وجود خود اس کی ذات سے ہے۔وہ سمیع ہے اپنی ذات سے، وہ علیم ہے اپنی ذات سے۔غرض اللہ تعالیٰ کی صفات عین ذات نہیں بلکہ اس کی ذات کے

اظلال ہیں"۔ ؎۱۷

ردِّ فلسفہ

ایک دن ابوالفضل نے فلاسفہ کی بے جا تعریف کی تو امام ربانی نے جوش میں فرمایا:-

"امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ جن علوم کے فلاسفہ اپنے تئیں واضع بتلاتے ہیں وہ دراصل علومِ انبیاء سے مسروقہ ہیں اور جو علوم انہوں نے مثل ریاضی وغیرہ ایجاد کیے ہیں وہ دین میں مفید نہیں"۔ ؎۱۸

بادشاہِ وقت کو تبلیغ

اکبر بادشاہ اسلام سے منحرف ہو چکا تھا اور دین الٰہی کی ترویج کرتا تھا۔ دین الٰہی کی بیعت میں یہ عہد شامل تھا کہ میں اسلام کو جو قابل تقلید نہیں رہا چھوڑتا ہوں۔ حضرت مجدد نے بادشاہ کو سر بازار بُرا کہا اور اس کی خاطر پابند سلاسل کیے گئے لیکن **افضل جهاد كلمة حق عند سلطان جابر** پر عمل کرتے رہے اور اپنے عقائد سے سر مو انحراف نہ کیا۔ آپ نے ایک بار فرمایا:-

"بادشاہ اللہ اور اس کے رسول کا باغی ہو گیا ہے۔ جاؤ میری طرف سے اسے کہہ دو کہ اس کی بادشاہی، اس کی طاقت، اس کی فوج سب کچھ ایک دن مٹ جانے والی ہے۔ وہ توبہ کر کے خدا اور اس کے رسول کا تابعدار بنے ورنہ اللہ کے غضب کا انتظار کرے"۔ ؎۱۹

اِسی طرح فرمایا:-

"بادشاہ اہل اسلام کی توجہ اہل کفر کی جانب نہیں رہی ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ رسومات کفر کی قباحت پوری طرح بادشاہ کے ذہن نشین کرا دیں۔ ضرورت سمجھیں تو کسی عالم کو بلا لیں۔ احکام شرعی کی تبلیغ کیلئے کرامتوں کا اظہار ضروری نہیں"۔ ؎۲۰

اکبر بادشاہ نے دین الٰہی کی برتری ثابت کرنے کیلئے آپ کو دعوت پر بلایا۔ ایک طرف دربار اکبری سجایا اور پر تکلف کھانے تیار کیے گئے۔ دوسری طرف حضرت مجدد کا دربار تھا جو ان تکلّفات سے بری تھا۔ اکبر کا خیال تھا کہ آج پرانے اسلام پر میری دھاک بیٹھے گی۔ لیکن حضرت مجدد الف ثانی چند دوستوں کے ساتھ وہاں گئے۔ خدا کا کرنا کیا ہوا کہ تھوڑی دیر بعد ہی سخت طوفان آیا اور دربار اکبری

تہہ و بالا ہو گیا۔ خیموں کی چوبیں اکھڑ گئیں، اکبر خود زخمی ہو گیا۔ لیکن حضرت مجدد الف ثانی کی قیامگاہ بالکل محفوظ رہی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ انہیں زخموں کے باعث اکبر کی موت واقع ہوئی اور موت کے وقت اس نے توحید و رسالت محمدی کی تصدیق کی اور سورۃ یٰسین بھی سنی۔ یہ مجدد الف ثانی کی تبلیغ کا نتیجہ تھا۔ [۲۱]

ایام اسیری میں تبلیغ

دوران تجدید و تبلیغ آپ کو کئی سال تک محبوس کیا گیا مگر آپ نے سنت یوسفی کے مطابق بخوشی یہ راہ حق کی تکلیفیں گوارا کیں اور قید میں بھی رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ چنانچہ آپ کی تبلیغ سے بیشمار گناہوں سے آلودہ تائب ہوئے اور کئی لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ آپ فرمایا کرتے تھے:۔

> ”میں اس (بادشاہ یا خدا۔ ناقل) کا مشکور ہوں کہ اس نے مجھے قید کر دیا اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اتنے لوگ جو فوائد دینی سے مالا مال ہوئے ہیں محروم رہ جاتے“۔

آپ دو سال تک قید رہے (بعض جگہ ایک سال بھی لکھا ہے) اور اس کے بعد بادشاہ کی بیٹی کو بذریعہ خواب متنبہ کیا گیا چنانچہ اس وقت کے بادشاہ جہانگیر نے پروانہ رہائی جاری کیا لیکن جس طرح حضرت یوسف نے برأت تک قید میں رہنے کو ترجیح دی تھی اسی طرح آپ نے بھی رہائی کیلئے چند شرائط پیش کر دیں اور ان شرائط سے آپ کے دل کی کیفیت اور جذبہ تجدید کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ شرائط یہ تھیں۔

۱۔ تمام مسمار شدہ مساجد از سر نو تعمیر کی جائیں۔

۲۔ کفار سے شریعت محمدیہ کے مطابق جزیہ لیا جائے۔

۳۔ مسلمانوں سے گائے ذبح کرنے کی پابندی ختم کی جائے۔

۴۔ سجدۂ تعظیمی فوراً ختم کیا جائے۔

بادشاہ نے ان شرائط کو فوراً تسلیم کر لیا اور آپ رہا ہو گئے۔ اس کے دو شہزادے شاہجہاں اور اورنگ زیب آپ کے مرید بن گئے۔ قید سے رہائی پر آپ نے جو شرائط پیش کیں نیز آپ کے پند و نصائح نے جہانگیر کو بدل دیا اس طرح فتنہ اکبری کا خاتمہ ہوا اور آخری عمر میں جہانگیر کہا کرتا تھا ”مجھے نجات کیلئے صرف یہی دستاویز حاصل ہے کہ شیخ احمد سرہندی نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں جنت

میں لے جائے گا تو تیرے بغیر نہ جائیں گے"۔ ۲۲

استقامت

جہانگیر نے جب سجدۂ تعظیمی نہ کرنے پر آپ کو قید کر دیا تو شاہجہاں نے قاصد بھجوایا کہ فقہ کی کتب میں سجدۂ تعظیمی کی اباحت ہے۔ آپ نے فرمایا:-

"جان بچانے کیلئے یہ بھی جائز ہے مگر عزیمت اسی میں ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا جائے"۔ ۲۳

آپ کی تبلیغ کا اثر

قلیچ خان جو اکبری دور کا جرنیل تھا ایک خط میں حضرت مجدد کو لکھتا ہے:-

"آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ لاہور ایسے بڑے شہر میں آپ کے وجود سے بہت سے احکام شرعیہ نے رواج پیدا کر لیا ہے، دین کو تقویت اور ملت بیضائی کی تائید ہوئی ہے...... اگر اس شہر میں دین کو رواج حاصل ہوا تو سب جگہ ایک قسم کا رواج پیدا ہو جائے گا حق سبحانہ آپ کی مدد فرمائیں"۔ ۲۴

آپ کی ہدایت پر آپ کے مرید شیخ بدیع الدین نے لشکر جہانگیر میں دعوت دی تو ایک تعداد کثیر حضرت مجدد کے حلقہ ارادت میں شامل ہوگئی۔

تصانیف

آپ کی تصانیف میں شہرہ آفاق آپ کے مکتوبات ہیں۔ اس کے علاوہ مبدأ معاد۔ معارف لدنیہ۔ مکاشفاتِ غیبیہ۔ شرح رباعیات حضرت خواجہ باقی باللہ رسالہ تہلیلیہ۔ رسالہ فی اثبات النبوۃ۔ رسالہ بسلسلہ احادیث شامل ہیں۔ ۲۶

آپ کا جاری کردہ طریقہ مجدّدیہ

اس عہد میں صوفیاء میں "طریقہ" جاری کرنے کا رواج تھا۔ جسے ہم عام زبان میں سلسلہ کہتے ہیں۔ آپ نے بھی قرآن وسنت کی ترویج کیلئے اور رسومات سے بچانے کیلئے ایک نیا سلسلہ طریقہ

مجددیہ کے نام سے شروع کیا۔اس کے متعلق شیخ محمد اکرم رودِکوثر میں لکھتے ہیں:۔

''اِس طریقے کے تمام اصول وفروع میں اتباعِ سنت اور اجتناب بدعت نامرضیہ بدرجہ کمال ہے......کمالِ ولایت کے علاوہ کمالاتِ نبوت کی بھی تعلیم ہے۔اس میں نہ چلہ کشی کی ضرورت اور نہ ذکر بالجہر کی اجازت ہے، نہ سماع بالمزامیر ہے، نہ قبور پر روشنی، نہ غلاف و چادراندازی، نہ ہجوم عورات، نہ سجدۂ تعظیمی، نہ سر جھکانا، نہ بوسہ دینا، نہ توحید وجودی ودعوی اناالحق وہمہ اواست، نہ مریدوں کو پیروں کی قدم بوسی کا حکم، نہ مرید عورتوں کو ان کے پیروں سے بے پردگی''۔ ۲۷

پس آپ کا طریقہ رائج الوقت طریقوں کی اتباع میں رسماً نہ تھا بلکہ خالص مذہبی جماعت کا قیام مدنظر تھا۔جس میں اسلام کے حکموں پر عملدرآمد ہو۔

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی آپ کے سلسلہ ولٹریچر کے ذکر میں کہتے ہیں:۔

''سلسلہ ان کا ہند سے ماوراء النہر اور روم،شام وعرب تک پہنچا۔تصانیف میں ان کی مکتوبات تین جلدوں میں ہیں......میں نے سنا ہے کہ بعض علماء نے ان کے مکتوبات کا عربی میں ترجمہ کیا ہے۔ اگرچہ میں نے یہ عربی ترجمہ نہیں دیکھا''۔ ۲۸

آپ کا سلسلہ آپ کے بعد بھی جاری رہا۔آپ کے فرزند سوم خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ جو آپ کے خلیفہ ہوئے، پہلے دن ہی پچاس ہزار افراد نے ان کی بیعت کی۔بادشاہوں نے بھی تحائف بھجوائے اور بیعت کی۔کاشغر کا بادشاہ مرید ہوا،یمن کا بادشاہ خاآن مسلمان ہوا۔تاریخ مرأۃ عالم وجہاں نما میں لکھا ہے کہ ہندوستان،توران،ترکستان، بدخشاں، کاشغر،روم،سام،یمن کے بادشاہ آپ کے مرید ہوئے اور 9لاکھ آدمی براہِ راست آپ کے مرید ہوئے۔آپ کے خلفاء کی تعداد 7ہزار تھی۔ ۲۹

احمدیت اور حضرت مجدد الف ثانیؒ

ہر چند کہ حضرت مجدد احمدیت سے کئی صدیاں پہلے ہوئے لیکن وہ اختلافی مسائل جو احمدیوں اور دیگر لوگوں کے مابین محل نزاع ہیں ان کے بارے میں آپ کے مکتوبات میں ایسے اشارات ہیں جن سے ہمارے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔دراصل یہ درپردہ تیاری تھی اور احمدیت کیلئے زمین ہموار ہو رہی تھی۔

۱۔ پہلا مسئلہ نبوت کا جو کہ بہت اہم ہے۔ نبی کون ہوتا ہے اور اس اُمت میں نبوت ہو سکتی ہے یا نہیں۔ حضرت مجدد کا مسلک کیا تھا اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''جیسا کہ مجدد صاحب سرہندی نے اپنے مکتوبات میں لکھا کہ اگرچہ اِس امت کے بعض افراد مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ سے مخصوص ہیں اور قیامت تک مخصوص رہیں گے لیکن جس شخص کو بکثرت اس مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف کیا جائے اور بکثرت امور غیبیہ اس پر ظاہر کیے جائیں وہ نبی کہلاتا ہے''۔[۳۰]

۲۔ دوسرا مسئلہ وفات مسیح اور ہجرت مسیح الی کشمیر کا ہے۔ اس کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:۔

''مجدد الف سرہندی صاحب فرماتے ہیں کہ ہندوستان میں بعض قبریں ایسی ہیں جن کو میں پہچانتا ہوں کہ نبیوں کی قبریں ہیں''۔[۳۱]

پتا چلا کہ وہ بھی احمدیوں کی طرح رام، کرشن وغیرہ کو نبی تسلیم کرتے تھے نیز گمان کیا جا سکتا ہے کہ مسیح کی قبر بھی ان پر منکشف ہو چکی تھی۔

۳۔ تیسرا مسئلہ مہدی کی آمد کا ہے کہ اس کے آنے کا وقت کیا ہے۔ کیا وہ علامات پوری ہوئی ہیں یا نہیں۔ اس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''اسی طرح نواب صدیق حسن خان صاحب حجج الکرامہ میں اور حضرت مجدد الف ثانی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ احادیث صحیحہ میں لکھا ہے کہ ستارہ دنبالہ دار یعنی ذوالسنین مہدی معہود کے ظہور کے وقت میں نمودار ہوگا۔ چنانچہ وہ ستارہ 1882ء میں نکلا''۔[۳۲]

چنانچہ آپ اپنے ایک مکتوب میں یہ ذکر کرتے ہوئے کہ قیامت کا زمانہ قریب ہے اور مہدی کے ظہور کا وقت نزدیک ہے۔ فرمایا:۔

''قیامت قریب ہے اور ظلمتوں کی گھٹائیں چھا رہی ہیں۔ کہاں خیریت و کہاں نورانیت شاید حضرت مہدی علیہ الرضوان خلافت ظاہری کی تائید پا کر اس کو رواج دیں گے''۔[۳۳]

اس حوالہ سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ فتنے رفتہ رفتہ بڑھ رہے تھے اور عام مجدد کے بس کا روگ نہ رہے تھے بلکہ ایک مجدد کامل اور امتی نبی کی ضرورت تھی جو ان بڑھتے ہوئے فتنوں کی اصلاح

کر سکے۔

۴۔ بروز کے مسئلہ پر اعتراض ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے ظلی نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ یہ نئی اصطلاح بنالی ہے اور کفر ہے۔ لیکن حضرت مجدد الف ثانی کو ماننے والے انہیں کیا کہتے ہیں ملاحظہ ہو۔

''لہٰذا ضروری ہوا کہ حسب عادت ربانی اور متقضائے صنعت رحمانی کوئی شخص ایسا پیدا ہوتا جو ظلی طور پر رسول کے کمالات کا نمونہ مخلوقات میں دکھاتا اور جو قائم مقام اولوالعزم ہو کر تجدید دین متین کرتا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے وہ کمالات حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو عطا فرما کر مجدد الف ثانی کیا''۔[۳۴]

پس آپ کی تحریک احیائے دین دوگانہ تھی۔ ایک طرف سیاسی بے راہ روی تھی اور حکومت خلاف شریعت سرگرمیوں میں مصروف تھی اور دوسری طرف اخلاقِ کریمانہ معدوم ہو رہے تھے۔ ہندومت کی آمیزش کے بداثرات آپ کی مساعی سے رُکے۔ شیعوں کا غلبہ جو بدامنی پیدا کر رہا تھا آپ کی تعلیمات سے ختم ہوا۔ رافضی آپ کے رسالہ ردّ روافض کے سامنے دم سادھ گئے۔ آپ کے تین جلدوں پر مشتمل مکتوبات علم و معرفت کا خزانہ ہیں جن سے الحاد و زندقہ، بدعت و ضلالت کا قلع قمع ہوتا ہے۔

ارشادات حضرت مسیح موعودؑ درباره حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''اصل میں ان کی اور ہماری نزاع لفظی ہے۔ مکالمہ مخاطبہ کا تو یہ لوگ خود بھی اقرار کرتے ہیں۔ مجدد صاحب (سرہندیؒ) اس کے قائل ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ جن اولیاء اللہ کو کثرت سے خدا تعالیٰ کا مکالمہ مخاطبہ ہوتا ہے وہ محدث اور نبی کہلاتے ہیں''۔[۳۵]

اخبار البدر میں یوں درج ہے:۔

''حضرت مجدد سرہندی بھی ایسے مکالمہ کے قائل ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی خدا سے خبر پا کر پیشگوئی کرتا ہے تو اسے عربی میں نبوت کے سوا کیا کہیں گے''۔[۳۶]

نبوت کی حقیقت

ایک شخص سرحدی آیا اور بہت شوخی سے کلام کرنے لگا۔ فرمایا:۔

''میں نے اپنی طرف سے کوئی اپنا کلمہ نہیں بنایا نہ نماز علیحدہ بنائی ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کی پیروی کو دین وایمان سمجھتا ہوں۔ یہ نبوت کا لفظ جو اختیار کیا گیا ہے صرف خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے جس شخص پر پیشگوئی کے طور پر خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی بات کا اظہار بکثرت ہو اسے نبی کہا جاتا ہے۔ خدا کا وجود خدا تعالیٰ کے نشان کے ساتھ پہچانا جاتا ہے۔ اس لیے اولیاء اللہ بھیجے جاتے ہیں۔ مثنوی میں لکھا ہے ؎

آں نبی باشد اے مرید

محی الدین ابن عربی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ حضرت مجدد نے بھی یہی عقیدہ ظاہر کیا ہے۔ پس کیا سب کو کافر کہو گے؟ یاد رکھو سلسلہ نبوت قیامت تک قائم رہے گا''۔ ؎۳۷

محدث کی تعریف

فرمایا: ''مجدد صاحب لکھتے ہیں کہ یہی خوابیں اور الہامات جو گاہِ گاہِ انسان کو ہوتے ہیں اگر کثرت سے کسی کو ہوں تو وہ محدث کہلاتا ہے۔ غرض یہ سب کچھ ہم نے اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں مفصل لکھ دیا ہے اس کا مطالعہ کر کے تسلی کریں''۔ ؎۳۸

ہر نبی کے وقت ابتلاء آئے

فرمایا:- ''اگر دنیا میں یہ باتیں انسان اپنی طاقت سے بنا سکتا ہے تو اس کی نظیر کہاں ہے؟ اگر یہ ہو سکتا اور انسان کر سکتا تو تمام انبیاء کی پیشگوئیاں اور خوارق عادت ایک شبہ میں پڑ جاتے ہیں مگر بات یہ ہے کہ ابتلاؤں کا آنا ضروری ہے۔ ہر نبی کے وقت میں ابتلاء آتے اور اب بھی وہی سنت اللہ جاری ہے۔ مجدد صاحب نے بھی ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ جب مسیح آئے گا تو علماء اس کا مقابلہ کریں گے اور اس کی تکذیب کریں گے''۔ ؎۴۰

سیّد احمد سرہندی کی پیشگوئی آخری احمد کے متعلق

فرمایا:- ''سیّد احمد سرہندی صاحب کا ایک خط جس میں انہوں نے بتلایا ہے کہ اس قدر احمد مجھ سے پیشتر گزر چکے ہیں اور ایک آخری احمد ہے۔ پھر آپ نے اس کی

ملاقات کی خواہش ظاہر کی ہے اور خود اس کے زمانہ سے پیشتر ہونے پر افسوس کیا ہے اور لکھا ہے **یااسفا علی لقائہٗ**"۔ [۴۱]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"حضرت مجدد الف ثانی صاحب نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ احادیث صحیحہ میں لکھا ہے کہ ستارہ دنبالہ یعنی ذوالسنین مہدی معہود کے ظہور کے وقت میں نمودار ہوگا۔ چنانچہ وہ ستارہ 1882ء میں نکلا اور انگریزی اخباروں نے اس کی نسبت یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہی وہ ستارہ ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کے وقت میں نکلا تھا"۔ [۴۲]

ایک اور پیشگوئی

فرمایا:- "مجدد الف ثانی صاحب بھی یہی لکھتے ہیں کہ مہدی معہود جب ظاہر ہوگا تو اس کو لوگ کافر کہیں گے اور اس کو ترک کر دیں گے اور قریب ہوگا کہ علماء اسلام اس کو قتل کر دیں"۔ [۴۳]

ایک پیشگوئی جو حرف بحرف پوری ہوئی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"حضرت مجدد الف صاحب سرہندی نے بھی اپنی کتاب مکتوبات کے صفحہ 107 میں لکھا ہے کہ مسیح موعود جب آئے گا تو علماء وقت بھی اس کو اہل الرائے کہیں گے۔ یعنی یہ خیال کریں گے کہ یہ حدیثوں کو چھوڑتا ہے اور صرف قرآن پر کاربند ہے اور اس کی مخالفت پر آمادہ ہو جائیں گے"۔ [۴۴]

اس صدی کے ایک اور مجدد اورنگ زیب عالمگیر بھی تھے۔

اورنگ زیب عالمگیر کا تذکرہ

محی الدین حضرت اورنگ زیب عالمگیر 4 نومبر 1618ء کو پیدا ہوئے اور 21 فروری 1707ء کو انتقال کیا۔ آپ سلاطین ہند میں ایک باخدا بزرگ تھے۔ جنہوں نے قرآن مجید لکھ کر اور ٹوپیاں سی سی

کر گزارہ کیا اور عمر بھر ذاتی خرچہ کیلئے خزانہ سے ایک پائی تک لینا گوارا نہ کیا۔ ؎۴۵

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے 10ر دسمبر 1899ء کو صبح نو بجے سیر پر جانے سے قبل فرمایا:-

''عالمگیر کے زمانہ میں مسجد شاہی کو آگ لگ گئی تو لوگ دوڑے دوڑے بادشاہ سلامت کے پاس پہنچے اور عرض کی کہ مسجد کو تو آگ لگ گئی ہے۔ اس خبر کو سن کر وہ فوراً سجدہ میں گرا اور شکر کیا۔ حاشیہ نشینوں نے تعجب سے پوچھا کہ حضور سلامت یہ کون سا وقت شکر گزاری کا ہے کہ خانۂ خدا کو آگ لگ گئی اور مسلمانوں کے دلوں کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ تو بادشاہ نے کہا کہ میں مدت سے سوچتا تھا اور آہ سرد بھرتا تھا کہ اتنی عظیم الشان مسجد جو بنی ہے اور اس عمارت کے ذریعہ ہزارہا مخلوقات کو فائدہ پہنچتا ہے کاش کوئی ایسی تجویز ہوتی کہ اس کارِ خیر میں کوئی میرا بھی حصہ ہوتا لیکن چاروں طرف سے میں اس کو ایسا مکمل اور بے نقص دیکھتا تھا کہ مجھے کچھ نہ سوجھتا تھا کہ اس میں میرا ثواب کسی طرح ہو جائے؟ سو آج خدا تعالیٰ نے میرے واسطے حصول ثواب کی راہ نکال دی''۔ ؎۴۶

حوالہ جات

۱۔ سیارہ ڈائجسٹ اپریل صفحہ 86، صفحہ 68-767

۲۔ ایضاً۔ صفحہ 464

۳۔ ایضاً۔ صفحہ 464 اولیاء کرام نمبر

۴۔ سیرۃ المہدی جلد سوم صفحہ 214 روایت نمبر 789

۵۔ سیارہ ڈائجسٹ اولیاء کرام نمبر۔ 7/ اپریل 1986ء صفحہ 467

۶۔ انوار اصفیا۔ صفحہ 479

۷۔ دس ولی۔ صفحہ 202

۸۔ ایضاً۔ صفحہ 164

۹۔ سیارہ ڈائجسٹ صفحہ 69-468۔ اپریل 1986،
تاریخ دعوت و عزیمت حصہ چہارم صفحہ 163

۱۰۔ مکتوبات۔ جلد 3 مکتوب نمبر 41

۱۱۔ سیارہ ڈائجسٹ اپریل 1986ء۔ صفحہ 464-470

۱۲۔ مکتوبات امام ربانی جلد 2 صفحہ 15-14 مکتوب نمبر 4

۱۳۔ مکتوب امام ربانی۔ جلد اول صفحہ 171 مکتوب نمبر 171

۱۴۔ مکتوبات۔ جلد 3 صفحہ 41

۱۵۔ سیارہ ڈائجسٹ اپریل 1986ء صفحہ 470

۱۶۔ مکتوبات جلد 3 مکتوب نمبر 66

۱۷۔ دس ولی۔ صفحہ 176

۱۸۔ مجدد الف ثانی صفحہ 87

۱۹۔ ایضاً۔ صفحہ 19

۲۰۔ ایضاً۔ صفحہ 35

۲۱۔ ایضاً۔ صفحہ 21-19

۲۲۔ مجدد الف ثانی۔ صفحہ 48

۲۳ ایضاً۔صفحہ 27

۲۴ ایضاً۔صفحہ 41

۲۵ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ۔جلد 2 صفحہ 127

۲۶ دس ولی۔صفحہ 173

۲۷ رودکوثر از شیخ محمد اکرم۔صفحہ 285

۲۸ ایضاً۔صفحہ 291

۲۹ مجدد الف ثانی۔صفحہ 124 تا 129

۳۰ حقیقۃ الوحی۔صفحہ 38

۳۱ ملفوظات۔جلد 10 صفحہ 143

۳۲ چشمۂ معرفت۔صفحہ 315 حاشیہ ایڈیشن اوّل

۳۳ مکتوبات۔جلد اوّل صفحہ 300 مکتوب نمبر 260

۳۴ حضرت مجدد الف ثانی۔صفحہ 45

۳۵ ملفوظات۔جلد پنجم صفحہ 667

۳۶ البدر جلد 7 نمبر 25 صفحہ 8 مورخہ 25 جون 1908ء

۳۷ ملفوظات۔جلد پنجم صفحہ 689

۳۸ ملفوظات۔جلد پنجم صفحہ 468

۳۹ ایضاً۔صفحہ 459

۴۰ ملفوظات۔جلد چہارم صفحہ 517

۴۱ ملفوظات۔جلد سوم صفحہ 465

۴۲ چشمۂ معرفت صفحہ 330 حاشیہ صفحہ 315، روحانی خزائن جلد 23

۴۳ ایضاً۔صفحہ 334

۴۴ الحق۔صفحہ 334

۴۵ فیروز انسائیکلوپیڈیا۔طبع سوم لاہور جنوری 1981ء

۴۶ ملفوظات۔جلد اوّل صفحہ 256-257

بارھویں صدی کے مجدد

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

رَحمَۃُ اللّٰہِ عَلَیہ

(۱۱۱۴ھ - ۱۱۷۶ھ)

”سلکنی رسول الله ﷺ و ربّانی بیده فانا اویسیه و تلمیذه بلا واسطه بینی و بینه“ [1]

ترجمہ: مجھے چلایا ہے رسول اللہ ﷺ نے اور اپنے ہاتھوں سے میری تربیت کی ہے۔ میں اویس ہوں اور میں براہِ راست آپ کا شاگرد ہوں۔

(شاہ ولی اللہ)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

ولادت وحالات زندگی

مکرم شاہ عبدالرحیم صاحب کے ہاں ساٹھ سال کی عمر تک کوئی اولاد نہ تھی۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے ان کے ہاں تین بچے پیدا ہوئے۔ ان میں سے سب سے بڑے بیٹے کا نام عظیم الدین شاہ تھا جو شاہ ولی اللہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کی ولادت 4 شوال 1114ھ بمطابق 1703ء کو ہوئی۔

شاہ صاحب کا نسبی سلسلہ حضرت فاروقِ اعظمؓ تک پہنچتا ہے۔ آپ کا خاندان کئی نسلوں سے خدمت دین پر مامور تھا۔ علاوہ ازیں ان میں جہاد اور فن حرب کی قابلیت بھی تھی اور آپ کے اجداد عالمگیر کی فوج میں کارہائے نمایاں سرانجام دے چکے تھے۔

شاہ صاحب نے سات برس کی عمر میں قرآن حفظ کرلیا۔ اس کے بعد فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی۔ دس سال کی عمر میں شرح جامی تک پڑھ چکے تھے۔ اور بعد ازاں تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ تمام علوم کی تحصیل کی۔

1142ھ میں مدینہ منورہ میں جا کر شیخ ابوطاہر مدنیؒ سے جو اس زمانے کے متبحر عالم دین تھے، حدیث کا درس لیا اور سند حاصل کی۔

شخصیت

حضرت شاہ ولی اللہ جامع الکمالات بزرگ تھے۔ علوم قرآن کے محقق، محدث، اسرارِ شریعت کے رمز شناس، فن اجتہاد کے ماہر، دقیق النظر فلسفی، ماہر عمرانیات و سیاسیات۔ ان کے ساتھ ساتھ نقشبندیہ طریقہ کے پاک باطن صوفی، معارف سے بہرہ ور۔ ان کی خصوصیات کے باعث ابوالعلاء معری کا یہ شعر ان پر پوری طرح صادق آتا ہے۔

انی و ان کنت اخیر زمانہ　　　　لا ت بمالم تستطعہ الاوائل

(ترجمہ) اگرچہ میں زمانے کے آخری حصہ میں آیا ہوں مگر میں وہ کچھ لانے والا ہوں جن کی

استطاعت پہلوں کو نہ تھی۔

ان کی علمی فضیلت، مومنانہ فراست، صفائی ذہن، وسعت نظری، قوت بیان، طرزِ استدلال، حقیقت افروز تصانیف، دلنشین تحقیق و تنقیح وہ خصوصیات ہیں جو بہت کم مصلحین کے حصہ میں آئی ہیں۔ اپنے بلند مقام کا اظہار خود یوں فرماتے ہیں

فهمنی ربی انا جعلناک امام هذه الطریقة

ترجمہ: میرے ربّ نے مجھے سمجھایا ہے کہ ہم نے تجھے اس طریقہ کا امام بنایا ہے۔ ؎

حالاتِ زمانہ

بارھویں صدی ہجری مسلمانوں کے سیاسی زوال اور ذہنی انحطاط کا زمانہ تھا۔ محی الدین عالمگیر کی وفات کے بعد سلطنت مغلیہ کا شیرازہ منتشر ہو رہا تھا۔ فرخ سیر، محمد شاہ رنگیلا اور شاہ عالم وغیرہ برائے نام ہندوستان کے بادشاہ رہ گئے تھے۔ درباری امراء، وزراء اور والیانِ ریاست دشمنوں سے سازباز میں مصروف اور ہوس اقتدار کا شکار تھے۔ مرہٹوں نے ہر طرف شورش اور بدامنی پھیلا رکھی تھی۔ دارالسلطنت دہلی اور اس کے نواح میں ان کا تسلط تھا اور یہاں مسلمانوں کے قتل عام کا بازار گرم تھا۔ یہ لوگ مسلمانوں کو برصغیر سے نیست و نابود کرنے کا عزم کر چکے تھے۔

اِدھر انگریز جو تجارت کی غرض سے ہندوستان آئے اور اب حکومت کے خواب دیکھ رہے تھے وہ کلکتہ سے خروج کر کے شمالی اور مغربی اضلاع کی طرف بڑھ رہے تھے۔ علماء سوء سے قطع نظر علماء صالحین اس طوفان میں یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ مسلمان کی فلاح و نجات کیلئے کون سی راہ اختیار کرنی چاہیے اور کسے ترک کرنا چاہیے اور وہ بے بس تھے یہ سمجھنے سے کہ اسلام کے وقار اور اقتدار کو از سر نو قائم کرنے کیلئے کون سی تدبیر کارگر ہو سکتی ہے۔

قوم کی تباہی میں فرقہ بندی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ مسلمانوں میں بھی فروعی اختلافات کا یہ حال تھا کہ ایک افغانی نے ایک آدمی کو نماز میں تشہد کی انگلی کھڑی کرتے دیکھا تو اس کی انگلی توڑ دی۔ اسی طرح مذاہب اربعہ میں شدید اختلافات تھے اور معمولی معمولی باتوں پر مباحثے اور مناظرے ہوتے تھے جن کا نتیجہ سوائے فساد اور اختلاف بڑھنے کے کچھ نہ نکلتا تھا۔

ایسے نازک وقت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو مسلمانان ہند کی فلاح اور حیات نو کیلئے مبعوث کیا اور انہیں اس پرآشوب فتنے کے خلاف جہاد کرنے، اسلام کو سربلند کرنے اور مسلمانوں میں نشاۃ ثانیہ کی روح پھونکنے کی توفیق بخشی۔

دعویٰ مجددیت

آپ کی کتب میں آپ کا دعویٰ مجددیت بڑے واضح الفاظ میں ملتا ہے۔ چنانچہ تفہیمات الٰہیہ میں آپ فرماتے ہیں:-

تفهيم

كنت البسني الله سبحانه خلعة المجددية حين انتهت بي دورة الحكمة فلما البسني الخلعة
الحقانية سلب عني كل علم نظري فكري بقيت متحيرا كيف يتأتى بي المجددية ثم اوضح
لي جل جلاله طريقا خاصا يجمع بين الامية والمجددية بلا نظر فكري واني الى الآن
لم امنح تفصيل المجددية ومنحت اجمالها وعلمت علم الجمع بين المختلفات وعلمت
ان الراي في الشريعة تحريف وفي القضاء مكرمة، ۲ ۔ ۳

(ترجمہ) جب مجھ پر حکمت کا دائرہ مکمل ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے مجددیت کی پوشاک پہنا دی۔ پھر جب مجھے حقانی خلعت پہنائی گئی تو مجھ سے تمام فکری ونظری علوم چھین لیے گئے تو میں حیران رہ گیا کہ مجھے مجددیت کیسے نصیب ہوگی۔ پھر خدا نے مجھ پر ایک ایسا نرالہ طریقہ واضح کیا کہ جس میں بغیر نظری وفکری علوم کے اُمیت اور مجددیت جمع ہوگئے اور ابھی تک مجھے مجددیت کی تفصیل عطا نہیں ہوئی صرف مجددیت کے اجمالی مقامات مجھے دیئے گئے ہیں اور مجھے اختلافی امور کی تطبیق کا علم دیا گیا ہے نیز مجھے یہ علم بخشا گیا ہے کہ شریعت کے معاملات میں قرآن وحدیث کی رہنمائی کے بغیر اپنی رائے کا اظہار کرنا تحریف ہے اور قضائی مقدمات میں اپنی رائے کے مطابق فیصلہ کرنا اِنسان کی عظمت کا آئینہ دار ہے۔

اِسی طرح فیوض الحرمین میں فرمایا:-

"رأیتنی فی المنام قائم الزمان اعنی بذلک ان اللہ اذا اراد شیئًا من نظام الخیر جعلنی کالجارحۃ لا تمام موادہ"۔ ۴

(ترجمہ) میں نے خواب میں اپنے آپ کو دیکھا کہ میں قائم الزماں ہو چکا ہوں جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب بھلائی کے کسی نظام کو قائم فرمانا چاہا تو مجھے اس مقصد کی تکمیل کیلئے واسطہ بنایا۔

مدینہ منورہ کے قیام کے دوران بے شمار لوگوں نے آپ کو بلند مرتبہ خیال کیا۔اس قیام کے

دوران حضرت رسالت مآب ﷺ نے خواب میں آپ کو بشارت دی۔

"ان مراد الحق فیک ان یجمع شملا من شمل الامۃ المرحومۃ بک"۔ ۵

تمہارے متعلق خدا کا ارادہ پختہ ہو چکا ہے کہ امت مرحومہ کے جتھوں میں سے کسی جتھے کی تنظیم تمہارے ذریعہ سے کی جائے۔

تجدیدی کارنامے

چونکہ آپ کے عہد میں مسلمان روبہ زوال تھے اس لیے آپ نے مسلمانوں کی اندرونی اصلاح کی طرف خصوصیت سے توجہ کی۔ آپ نے مسلمانوں کو قرآن وسنت پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی اور فلسفہ ومنطق کا ردّ کیا۔ صوفیاء اور امراء کو متنبہ کیا اور اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو جہاد کی تلقین کی۔

آپ کا سب سے بڑا کارنامہ

آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے قرآن مجید کا سب سے پہلا "فارسی" ترجمہ کیا۔ آپ کی دوربین نگاہ نے مسلمانوں کے زوال کا راز بھانپ لیا تھا۔ آپ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کی بدبختی کا سبب قرآنی تعلیمات سے انحراف ہے۔ اور ہندوستان میں اس وقت عام بولی جانے والی زبان فارسی تھی۔ آپ نے محسوس کیا کہ جب تک اپنی زبان میں عوام الناس قرآن سمجھ نہ لیں اس وقت تک اس پر حقیقی رنگ میں عمل پیرا نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا آپ نے فارسی میں قرآن کا ترجمہ کر کے علماء ہند اور عوام کو قرآن حکیم کے سرچشمہ سے براہ راست فیوض وبرکات حاصل کرنے کی دعوت دی۔

آپ کا یہ کارنامہ ایک سنگ میل ثابت ہوا اور اس کی پیروی حضرت شاہ رفیع الدین صاحب نے لفظی اور شاہ عبدالقادر صاحب نے بامحاورہ اُردو ترجمہ کیا۔ یوں ہندوستان میں قرآنی علوم ومعارف کو ہر خاص وعام سے متعارف کروانے کا سہرا شاہ صاحب کے سر ہے۔

لیکن زمانے کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ آپ کو اس شاندار کام (جو اکیلا ہی آپ کو امام وقت اور مجدد زمانہ ثابت کرنے کیلئے کافی ہے) کی وجہ سے آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

قرآن کریم کی خدمت کا دوسرا اظہار آپ نے اپنا رسالہ "الفوز الکبیر" لکھ کر کیا جس میں اصول

تفسیر، قرآن کو سمجھنے کے اصول وقواعد پر بڑی سلیس زبان میں بحث ہے۔ یہ آپ نے فارسی زبان میں لکھا۔اس کا اردو ترجمہ دستیاب ہے۔

ناسخ ومنسوخ

قرآن کریم میں مسئلہ نسخ بہت پرانا چلا آرہا ہے اور وہ کتاب جسے شروع میں ہی خدا نے لاریب فرمایا تھا اس کے متعلق یہاں تک لکھا گیا کہ اس کی پانچ سو آیات منسوخ ہیں۔

جوں جوں حضرت مسیح موعودؑ کا زمانہ قریب آتا جارہا تھا عقائد میں بھی تدریجاً درستگی آتی جارہی تھی۔ چنانچہ امام جلال الدین سیوطی کے وقت منسوخ آیات کی تعداد کم ہوکر بیس تک آ پہنچی اور حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنے رسالہ الفوزالکبیر میں صرف پانچ آیات کو منسوخ قرار دیا اور باقی سب کو حل کر دیا۔ یہ دراصل اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ جب قرآن اپنی اصلی حالت میں لوٹ آئے گا۔یعنی اس کی غلط تفاسیر اور اس قسم کے خودتراشیدہ مسائل سے اسے پاک کر دیا جائے گا۔اور پانچ آیات جو بچ گئیں تو ان میں یہ اشارہ بھی تھا کہ آئندہ کسی ایسے وجود کی ضرورت ہوگی جو تجدید سے بڑے منصب پر فائز ہو۔

سنت وحدیث کی ترویج

خدا نے انہیں اس بات کی توفیق دی کہ کتاب وسنت وآثار صحابہ سے اسلام کی بنیادوں کو مضبوط کریں نیز وہ علم دیں جو آنحضرت ﷺ سے منقول ہے اور جو چیزیں دین میں باہر سے داخل ہوگئی ہیں ان میں تمیز کر کے دکھائیں اور مختلف فرقوں کی طرف سے جو بدعتیں دین میں پیدا ہوگئی ہیں ان کا تدارک کریں۔

علم حدیث سے آپ کو کتنا عشق تھا اس کا اندازہ آپ کے اس قول سے ہوتا ہے۔فرمایا:۔

”ہر چہ خواندہ بودم فراموش کردم الاعلم دیں (یعنی حدیث)“۔ [6]

کہ ہم نے تمام سیکھے ہوئے علوم میں سے حدیث کے سوا سب کو فراموش کر دیا۔

علامہ رشید رضا ایڈیٹر رسالہ المنار مصر لکھتے ہیں:۔

”ولولا عناية اخواننا علماء الهند بعلوم الحديث فی هذاالعصر لقضی

علیھا بالزوال"۔ ے

اس زمانہ میں اگر ہمارے بھائیوں علماء ہند کی توجہ علوم حدیث کی طرف نہ ہوتی تو اس پر زوال کی موت آجاتی۔

مدینہ سے واپسی پر آپ نے درس حدیث شروع کیا تو پرانی دہلی میں مدرسہ رحیمیہ میں اپنے والد صاحب کی جگہ پڑھانے لگے۔لیکن جب چند ہی دنوں میں اطراف و جوانب سے طالبانِ علم پہنچنے لگے تو یہ درسگاہ چھوٹی ہوگئی۔ چنانچہ محمد شاہ نے ایک عالیشان مکان مدرسہ کیلئے دے دیا۔

آپ نے لوگوں کو عجمی رسومات سے بچنے اور رسول اللہ ﷺ کے طریق کو اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔

"شکر نعمت او است کہ بقدر امکان عادات و رسوم عرب اوّل کہ منشاء آنحضرت ﷺ ہست رااز دست ندھیم"۔

اس سب سے بڑی نعمت کا شکر یہی ہے کہ حتی الوسع عرب اوّل کی عادات و رسوم جو آنحضرت ﷺ کا منشاء ہے اس کو ہم اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔

پھر فرمایا:۔

"رسوم عجم و عادات ہنود را در میان خود نگذاریم"۔ ۸

ہمیں چاہیے کہ عجم کی رسمیں اور ہندوؤں کی عادتیں اپنے اندر کسی طرح باقی نہ رکھیں۔

آپ کا معمول تھا کہ درس حدیث سے پہلے درس قرآن دیتے اور صرف متن قرآن کا درس آپ کی ایجاد ہے۔ اس زمانے میں علماء اپنی من گھڑت تفاسیر کو بیان کرتے تھے لیکن آپ نے متن قرآن کو لوگوں میں پھیلایا۔ اپنے رسالے "وصیت نامہ" میں فرمایا:۔

"قرآن عظیم کا درس دینا چاہیے۔ اس طریقہ سے کہ صرف قرآن کریم پڑھا جائے یعنی تفسیر کے بغیر صرف متن قرآن اور ترجمہ پڑھا جائے"۔ ۹

اس زمانے میں ہند میں باطل تصوف غالب آرہا تھا۔ تعویذ گنڈے اور پیر پرستی کا رواج بڑھ رہا تھا۔ آپ نے اپنی کتاب الطاف القدس اور السطعات میں تصوف کی صحیح تصویر پیش کی اور تعویذ گنڈے کے متعلق "القول الجمیل" تحریر کی۔ اگر توجہ اور انصاف سے ان کتب کا مطالعہ کریں اور ان پر عمل کرنے

کی کوشش کی جائے تو ملا اور صوفی کے اختلافات ختم ہو جائیں۔

مختلف فقہی مسالک میں شدید اختلاف تھا۔آپ نے فقہ اور اصول فقہ سے روشنا کرایا۔ائمہ مجتہدین کا صحیح مقام بتایا۔آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف نے حدیث فہمی کا معیار پیش کیا۔

''انصاف عقد الجید ۔ حجۃ اللہ البالغہ۔تفہیمات الٰہیہ کی بعض تفہیمات ۔ ازالۃ الخلفاء اور سب سے بڑھ کر مؤطا امام مالک کی شرح''۔اس طرح فقہ اور حدیث سے استدلال کرنے کی راہیں امام صاحب نے اہل فہم کیلئے روشن کر دیں۔

اندھی تقلید سے آپ کی فطرت کو بھی نفرت تھی۔فرمایا:-

میری جبلت میں تقلید سے انکار ہے اور کلیتہً اس سے بھڑکتی ہے۔ [10]

مولانا محسن اس بارہ میں لکھتے ہیں:-

(ترجمہ) ان لوگوں کی مخالفتیں شاہ صاحب کو اِس طرز عمل سے نہ روک سکیں جو ظاہر سنن و آثار کے مطابق فقہاء کے اقوال کو ترجیح دینے کا تھا۔اس سلسلہ میں جو مسلک صاف ستھرا تھا اس کو مکدر طریقوں سے وہ جدا کرتے تھے۔شاہ صاحب ان متعصّب سخت پٹھانوں کے درمیان علانیہ اس مسلک کا اظہار فرماتے تھے۔مقصد امت کی بہی خواہی تھی اور خدا کے اِس عہد کو پورا کرنا تھا جس کا علماء سے وعدہ لیا گیا ہے۔ [11]

سنت وحدیث سے عشق کا ہی نتیجہ تھا کہ خدا آپ کو علم لدنی عطا کرتا تھا اور زیارت رسول سے آپ مشرف ہوئے اور حضور نے آپ کو بشارات دیں۔چنانچہ حجۃ اللہ میں لکھتے ہیں:-

''ایک دن میں نماز عصر کے بعد بیٹھا ہوا تھا اور خدا کی طرف متوجہ تھا۔تو رسول اللہ ﷺ کی روح ظاہر ہوئی اور کسی چیز سے جو میرے خیال میں کپڑا تھا مجھے ڈھانپ دیا اور اسی حالت میں میرے من میں پھونکا گیا کہ دین کی تشریح کیلئے ایک خاص طریقہ کی طرف مجھے اشارہ کیا جارہا ہے۔میں نے اپنے اندر اس حال میں ایک روشنی پائی جو لحہ لحہ پھیلتی جاتی تھی''۔ [12]

اسی طرح لکھا ہے کہ حضرت امام حسنؑ اور حسینؑ نے رؤیا میں آپ کو رسول اللہ ﷺ کا قلم عنایت فرمایا اور رسول اللہ ﷺ کی چادر آپ کو اوڑھائی جو آپ نے تعظیماً سر پر رکھ لی اور حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ آپ فرماتے ہیں:-

"فمن یومئذ انشرح صدری التصنیف فی العلوم الشرعیة"۔ [13]

کہ اُس دن سے علوم شرعیہ کی تصنیف کیلئے میرا سینہ کھل گیا۔

آپ فرماتے ہیں:۔

"سلکنی رسول اللہ ﷺ و ربانی بیدہ فانا اویسیہ و تلمیذہ بلا واسطه بینی و بینه"۔ [14]

مجھے رسول اللہ ﷺ نے سلوک کی راہوں پر چلایا ہے اور اپنے ہاتھ سے میری پرورش کی ہے۔ پس میں آپ کا شاگرد اور بمنزلہ اویس ہوں۔ میرے اور آپ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے۔

آپ کی فراست کا یہ حال تھا کہ آپ عرب کے استاد علامہ طاہر بن ابراہیم کردی کا بیان ہے:

"یسند عنی اللفظ و کنت اصحح المعنی منه"۔ [15]

وہ مجھ سے الفاظ کی سند لیتے ہیں اور میں ان سے حدیث کے مطالب کی تصحیح کرتا ہوں۔

پس آپ ایسے شاگرد تھے جو استاد کو محقق اور محقق کو محقق تر بنادیتے ہیں۔

آپ کی تجدیدی مساعی کا تذکرہ نواب صدیق حسن خانصاحب یوں کرتے ہیں۔

علم حدیث ان کیلئے تر و تازہ ہوگیا بعد اس کے کہ وہ ایک حیران شے تھا۔ اور اللہ نے ان کے وجود اور ان کے علوم سے بہت سے بندوں کو نفع پہنچایا اور ان کی سعی مشکور سے شرک و بدعت کے فتنوں سے بچایا اور دین کی نئی پیدا شدہ باتوں سے بچایا جس میں کسی عالم کو کوئی اختلاف نہیں۔ اور یہ وہ معزز افراد ہیں جنہوں نے سنت کے علم کو دوسرے علوم پر فوقیت دی اور فقہ کو سنت کے تابع اور محکوم بنایا اور اس طرح سے حدیث کا درس دیا کہ اہل روایت کو خوش کر دیا اور اہل درایت کو بھی اس کا مشتاق بنا دیا۔ پس ہندوستان اور اہل ہند پر جب تک وہ قائم رہیں ان کا شکریہ ادا کرنا واجب۔ [16]

فقہ ان دنوں بہت بگڑ چکا تھا اور فقیہہ حضرات فرضی مباحثات میں وقت ضائع کرتے تھے۔ اس لیے آپ نے ان کی مذمت کی اور فرمایا:۔

"اس زمانہ میں فقیہہ اس شخص کا نام ہے جو باتونی ہو اور زور زور سے جبڑے کو

دوسرے پر پٹختا ہو۔فقہاء کے اقوال قوی ہوں یا ضعیف انہیں یاد کرے بغیر اس امتیاز کے کہ ان میں سے کس میں قوت ہے اور کس میں نہیں اپنے جبڑوں کے زور سے چلاتا رہے"۔ ۱۷

پھر آپ خود اس بات کا ذکر کرتے ہیں کہ آپ نے سنت کو عقلیات سے و منطق سے پاک کیا۔

قدماء اہل سنت کے عقائد کو دلائل و براہین کی روشنی میں جس طریقہ سے ثابت کیا گیا ہے اور معقولیوں کے خس و خاشاک سے جیسا ان کو پاک کیا گیا ہے اور ایسے طریقہ سے ان کی بنیاد قائم کی گئی ہے کہ اب ان میں بحث کی گنجائش نہیں رہی۔ ۱۸

بدعات کے خلاف جہاد

ان دنوں ایک بری رسم یہ تھی کہ بیوہ کے دوبارہ نکاح کرنے کو برا سمجھا جاتا تھا۔اس کے علاوہ اور بھی رسومات تھیں جن کا ذکر آپ نے خود تفہیمات الٰہیہ میں یوں کیا ہے۔

ہنود کی بری عادات میں سے ایک یہ تھی کہ جب کسی عورت کا خاوند مر جاتا تو وہ اسے دوسرا شوہر کرنے کی اجازت نہ دیتے اور یہ عادت شروع میں عرب میں نہ تھی۔خدا اس شخص پر رحمت کرے جو اس بری عادت کو ہٹائے ۔ دیگر عادات شنیعہ میں سے ماتم، چہلم، ششماہی، سال کے بعد فاتحہ خوانی وغیرہ رسومات پر اسراف کرنا ہے۔ان تمام رسومات کا آغاز اسلام میں عرب میں وجود بھی نہ تھا۔ ۱۹

آج کل کے مسلمانوں کیلئے یہ حوالہ ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔احمدیوں پر اعتراضات کا جو طویل سلسلہ ہے کہ چہلم نہیں کرتے ،قل نہیں کرتے۔ بارہویں صدی کے مجدد فرماتے ہیں کہ اوائل اسلام میں عرب میں ان بدعات کا وجود نہیں تھا اور یہ بعد کی پیداوار ہیں۔

کرامتوں کے بیچنے والے اس زمانہ میں سب کے سب الا ماشاء اللہ اپنی طلسماتی کارروائیوں اور علم نیرنج کے نتائج کو کرامات سمجھے بیٹھے ہیں۔میں نے بہت سے سادہ لوحوں کو دیکھا ہے کہ کسی شیخ سے جب اس قسم کے عمل وغیرہ سیکھ چکتے ہیں تو ان باتوں کو ٹھیک کرامت قرار دیتے ہیں۔ ۲۰

ردّ فلسفہ

آپ کے دور میں یونانی فلسفہ کو عروج حاصل ہو رہا تھا۔ آپ نے بجائے اوہام وخرافات سے کام لینے کے خود قرآن وحدیث کے کلیات سے ایک فلسفہ تیار کیا اور وہی فلسفہ جسے لوگ دین کے خلاف استعمال کرتے تھے آپ نے مذہب کے حق میں استعمال کر دیا۔

اس سلسلہ میں آپ کی کتاب **الخیر الکثیر** پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ نیز **حجة الله البالغه** اور **البدور البازغه** کے اکثر مباحثات کا رخ بھی ادھر ہی ہے۔

تصانیف

آپ کی قریباً پچیس کتب کا پتہ ملتا ہے۔ جو درج ذیل ہیں۔

تفہیمات الٰہیہ، فتح الرحمٰن، الفوز الکبیر، الفتح المنیر، تاویل الاحادیث، المصفیٰ فی احادیث مؤطا المسوّیٰ من المؤطا، شرح تراجم ابواب صحیح البخاری، حجۃ اللہ البالغہ، الخیر الکثیر، البدور البازغہ الزاھراوین، الاربعین، الدرالثمین، الارشاد، انسان العین فی مشائخ الحرمین، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، قرۃ العینین، حسن العقیدہ، الانصاف، المقدمہ السنیہ، الطاف القدس، القول الجمیل، الھمیات، اللمحات، السطعات، الھوامع، شفاء القلوب، فیوض الحرمین، انفاس العارفین [۲۱]

تلقین جہاد

چونکہ آپ کے زمانے میں جہاد کی شرائط پوری ہو چکی تھیں اس لیے آپ نے مسلمانوں میں جذبہ جہاد بیدار کرنے کیلئے اپنی تقریر وتحریر میں ارشادات فرمائے۔ چنانچہ ملوکِ اسلام اور عسا کر اُمت کو مخاطب کر کے فرمایا:-

> اے بادشاہو! اس زمانہ میں مشیت ایزدی یہ ہے کہ تم تلواریں سونت لو اور اس وقت تک نیام میں نہ ڈالو جب تک اللہ مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان فرق نہ کر دے اور یہی اس کا ارشاد ہے کہ ان سے اس وقت تک لڑو جب تک فتنہ نہ رہے اور دین خالص اللہ کیلئے

ہو جائے۔ ۲۲

اور جب فتح ہو جائے تو پھر کیا طریق اختیار کرنا چاہیے۔فرمایا:۔

''اور جب فتح ہو جائے تو ملاء اعلیٰ کی رضا اس بات میں ہے کہ ہر طرف تین چار دن کی مسافت پر ایک عادل امیر ہو جو ظالم سے مظلوم کا حق وصول کرے اور حدود کو قائم کرے اور کوشش کرے کہ ان میں بغاوت، جنگ و جدال یا زیادہ ارتداد نہ پیدا ہو اور اسلام پھیلائے۔اس کے شعائر ظاہر ہوں اور ہر بڑے صوبے میں ایک امیر ہو جس کے ذمہ صرف جنگ کی ذمہ داری ہو۔جس کی جمعیت بارہ ہزار مجاہدین پر مشتمل ہو جو اللہ کی راہ میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کریں اور ہر باغی اور فساد و زیادتی کرنے والے سے لڑیں۔اور جب یہ حاصل ہو جائے تو خدا تعالیٰ کی رضا اس میں ہے کہ گھریلو معاملات،عقود و معاملات اور اس قسم کی دوسری باتوں کی جانچ پڑتال کی جائے، یہاں تک کہ کوئی چیز خلاف شرع نہ رہے اور لوگ ہر لحاظ سے امن میں آجائیں''۔ ۲۳

دعوتِ الی اللہ

آپ کے دل میں شدید تڑپ مسلمانوں کیلئے تھی کیونکہ اس وقت ہر طبقہ کے مسلمانوں میں بگاڑ پیدا ہو چکا تھا۔چنانچہ آپ نے ہر شعبہ ہائے زندگی سے متعلقہ افراد کو الگ الگ تبلیغ کی جس میں انہیں صحیح اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کی تلقین کی۔آپ نے ببانگ دہل فرمایا۔

مصطفوی شریعت کیلئے وقت آگیا ہے کہ برہان اور دلیل کے پیرہنوں میں ملبوس کرکے اسے میدان میں لایا جائے۔ ۲۴

اور آپ نے جو عظیم الشان تحریک شروع کی تو مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ چنانچہ ''امیر الروایات'' میں لکھا ہے کہ:۔''دہلی میں نجف علی خان کا تسلط تھا جس نے شاہ ولی اللہ صاحب کے پہنچے اُتروا کر ہاتھ بیکار کر دیے تاکہ وہ کوئی کتاب یا مضمون نہ تحریر کرسکیں''۔ ۲۵

اب آپ کے ارشادات کا ایک خلاصہ طبقہ وار پیش کیا جاتا ہے۔تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

امراء سے خطاب

آپ نے انہیں ان کی غلطیوں سے یوں متنبہ کیا:۔

۱۔ تمہاری حالت یہ ہے کہ تم فانی لذات میں ڈوبے جارہے ہو۔

۲۔ تم علانیہ شراب پیتے اور زنا کاری کرتے ہو۔

۳۔ کمزوروں پر ظلم ڈھاتے ہو۔

۴۔ اللہ کے سامنے تمہارا سر کبھی نہیں جھکتا۔

فوجیوں سے خطاب

۱۔ تمہارا کام جہاد فی سبیل اللہ اور اعلاء کلمۃ الحق اور شرک کی بیخ کنی تھا مگر اب تم گھوڑے پالتے ہو۔صرف دولت کی نمائش کیلئے ہتھیار جمع کرتے ہو۔

۲۔ تم نے عنقریب خدا کو جان دینی ہے جہاں تمہارا حساب ہوگا۔لہٰذا خدا خوفی کرو۔

۳۔ داڑھیاں بڑھاؤ، مونچھیں کٹاؤ، نماز ادا کیا کرو اور نمازیوں کی سی وضع قطع اختیار کرو۔ خدا کی رخصتوں سے بھی ضرور فائدہ اُٹھاؤ۔لیکن نماز پر کاربند رہو۔

اہل صنعت وحرفت سے خطاب

۱۔ تم میں امانت کا جذبہ مفقود ہے۔

۲۔ تم جھوٹے معبودوں کی پرستش کرتے ہو اور تعویذ گنڈے میں مبتلا ہو۔

۳۔ تم میں سے بعض نے شراب کو پیشے کے طور پر اپنایا ہوا ہے جو غلط ہے۔

۴۔ بعض بد بخت عورتوں کو کرائے پر چلا کر روٹی کماتے ہیں۔

۵۔ یہ سب چھوڑ دو، میانہ روی اختیار کرو۔صبح وشام خدا کی یاد میں بسر کرو۔

پیرزادوں سے خطاب

۱۔ تم میں سے ہر کوئی اپنے راگ الگ اپنی منڈلی میں آلاپ رہا ہے۔

۲۔ رسول ﷺ کو چھوڑ کر پیر پرستی غلط ہے۔یہ تم نے رقم بٹورنے کا ذریعہ بنایا ہوا ہے۔

ایسے پیر دجال، کذاب اور فاتن ہیں۔

۳۔ صرف خدا کا راستہ اختیار کرو۔

عالمانِ دین سے خطاب

۱۔ تم نے یونانی فلسفے یا صرف ونحو کا نام علم رکھا ہوا ہے۔ حالانکہ علم قرآن کریم کی کسی آیت محکم کا نام ہے یا سنتِ ثابتہ کا۔

۲۔ قرآن کو حل کرو۔ حدیثوں پر عمل کرو۔

۳۔ سیرت سلف صالحین کا مطالعہ کرو۔

خشک زاہدوں اور کنج نشینوں سے خطاب

۱۔ تم رطب و یابس کو اختیار کرتے ہو اور جعلی حدیثیں بناتے ہو۔

۲۔ دیں تو آسانی کا نام ہے، تم اسے مشکل بناتے ہو۔

۳۔ اہل عشق کی راہیں اور ہوتی ہیں۔ عام لوگوں کی زندگی میں انہیں رائج کرنا بیوقوفی ہے۔

۴۔ تم لوگ سنت نبوی سے رُوگردان ہو۔

اُمت مسلمہ سے خطاب

۱۔ تمہارے اخلاق مردہ ہو چکے ہیں۔ شیطان تم پر مستولی ہو چکا ہے۔

۲۔ تم نکاح کے ذریعہ اپنی خواہشات پوری کرو خواہ ایک سے زائد نکاح کرو۔

۳۔ بھیک مانگنے سے پرہیز کرو۔

۴۔ اگر تمہیں روٹی، کپڑا اور مکان اور نیک بیوی میسر آ جائے تو سمجھو کہ دنیا تم پر کامل کر دی گئی۔ اس عطا کرنے والے کا شکر کرو۔

۵۔ تلاوت قرآنِ کریم اور تسبیح وتہلیل میں وقت گزارا کرو۔

۶۔ بیوہ عورتوں کا نکاح کرنے کا رواج دو۔ [۲۶]

ان ارشادات سے ظاہر ہے کہ آپ نے مجدد ہونے کا حق ادا کر دیا اور کس طرح باریک بینی

سے معاشرہ کا مطالعہ کیا اور پھر جس جگہ کمی محسوس ہوئی اس کی نشاندہی کردی۔

احمدیت اور شاہ ولی اللہؒ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کو بارھویں صدی کا مجدد تسلیم کیا ہے۔فرمایا:-

''وہ مجدد تھے، عالم ربانی تھے۔آپ چھوٹے بڑے سب کی نظروں میں مانے ہوئے امام ہیں۔جن کی بلند شان میں کسی مومن کو اختلاف نہیں ہے''۔ ۲۷

آپ چونکہ مہدی موعود کے قریبی زمانے میں تھے اس لیے آپ نے وقت کی علامات کو بھانپتے ہوئے اور خدا سے فہم پا کر یہ بات سمجھ لی تھی کہ یہ زمانہ ایسا ہے کہ عنقریب مہدی کے ظہور کا وقت ہوگا۔ چنانچہ تفہیمات الٰہیہ میں فرماتے ہیں:-

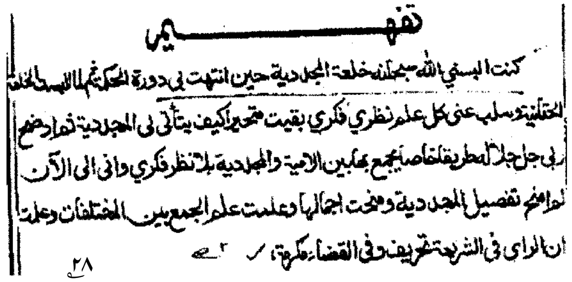
تفهيم
كنت البسني الله سبحانه خلعة المجددية حين انتهت بي دورة الحكمة ثم الهمني الله
الخلفية وسلب عني كل علم نظري فكري بقيت متحيرا كيف يتأتى لي المجددية ثم ارشدني
ربي جل جلاله لطريقة لها ماصيتجمع بها بين الامية والمجددية بلا نظر فكري واني الى الآن
لم امنح تفصيل المجددية ومنحت اجمالها وعلمت علم الجمع بين المختلفات وعلمت
ان الرأي في الشريعة تحريف وفي القضاء مكروه
۲۸

(ترجمہ) مجھے میرے ربّ نے بتایا ہے کہ قیامت قریب آگئی اور مہدی ظاہر ہونے ہی والا ہے۔متاخرین کا طریقہ اختیار کرنے کے بعد اب کمال کی نشو ونما رک گئی ہے اور عین ممکن ہے کہ مہدی لمبے زمانے کے انتظار کی پرواہ نہ کرے۔سبحان اللہ! یہ زمانہ فتنوں کی آماجگاہ بن گیا ہے۔کسی انسان کے باکمال ہونے کی یہی دلیل کافی ہے کہ اس میں حامل وحی کے انوار منعکس ہوں۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس حوالے سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک مہدی کی علامات کافی حد تک پوری ہو چکی تھیں۔ دوسرے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح ان صدیوں میں مہدی کا انتظار شدت سے ہوا کرتا تھا۔ تیسرے مہدی موعودؑ کے مقام کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مجدد وقت بھی ان کے منتظر ہیں۔

مسئلہ بروز کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:-

''کاتب الحروف نے حضرت والد ماجد کی روح کو آنحضرت ﷺ کی روح مبارک

کے سائے میں لینے کی کیفیت کے بارے میں دریافت کیا تو فرمانے لگے یوں محسوس ہوتا تھا گویا میرا وجود آنحضرت ﷺ کے وجود سے مل کر ایک ہوگیا ہے۔ خارج میں میرے وجود کی الگ حیثیت نہ تھی''۔ ۲۹

ختم نبوت

ختم نبوت کے حقیقی معنی کیا ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

''ختم بہ النبیون ای لا یوجد بعدہ من یامرہ اللہ بالتشریع علی الناس''۔ ۳۰

کہ ختم نبوت کے معنے ہیں کہ حضور کے بعد ایسا شخص نہیں آئے گا جسے اللہ شریعت کے احکام دے کر بھیجے۔

یہی جماعت احمدیہ کا مسلک ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے چودھویں صدی کو مسیح موعود کی بعثت کا زمانہ قرار دیا ہے۔ حضرت مسیح موعود ''مسیح کو اس زمانہ سے کیا خصوصیت ہے؟'' کی تفصیل بیان فرماتے ہیں:-

''(آیت النور 56) کی تشریح میں فرمایا اسرائیلی سلسلہ کا آخری خلیفہ جو چودھویں صدی پر بعد حضرت موسیٰ آیا وہ مسیح ناصری تھا۔ مقابل میں ضرور تھا کہ اس امت کا مسیح بھی چودھویں صدی کے سر پر آوے۔ علاوہ ازیں اہل کشف نے اسی صدی کو بعثت مسیح کا زمانہ قرار دیا ہے۔ جیسے شاہ ولی اللہ صاحبؒ وغیرہ اہلحدیث کا اتفاق ہو چکا ہے کہ علامات صغریٰ کل اور علامات کبریٰ ایک حد تک پوری ہو چکی ہیں۔ اس میں کسی قدر ان کی غلطی ہے...... علامات کل پوری ہو چکی ہیں۔ بڑی علامت یا نشان جو آنے والے کا ہے وہ بخاری شریف میں **یکسر الصلیب و یقتل الخنزیر الخ** لکھا۔ یعنی نزول مسیح کا وقت غلبہ نصاریٰ اور صلیبی پرستش کا زور ہے۔ سو کیا یہ وہ وقت نہیں؟''۔ ۳۱

اس صدی کے دوسرے علاقوں میں اور بہت مشہور مجدد ہوئے۔ مثلاً محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان نجدی، مرزا مظہر جان جاناں دہلوی، سیّد عبدالقادر بن احمد بن عبدالقادر حسنی کوکیانی، امام شوکانی، علامہ سیّد محمد بن اسمٰعیل امیر یمن، محمد حیات ابن ملا ملازیہ سندھی مدنی۔

حوالہ جات

۱۔ فیوض الحرمین۔صفحہ 44
۲۔ الزجاجہ۔صفحہ 32
۳۔ فیوض الحرمین۔صفحہ 89
۴۔ تفہیمات الٰہیہ۔جلد 2 صفحہ 133
۵۔ فیوض الحرمین۔صفحہ 62
۶۔ ملفوظات عزیزیہ بحوالہ تذکرہ شاہ ولی اللہ۔صفحہ 161
۷۔ مقدمہ مفتاح کنوز السنۃ۔صفحہ ق
۸۔ تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ۔صفحہ 120
۹۔ ایضاً۔صفحہ 295
۱۰۔ ایضاً۔صفحہ 216
۱۱۔ ایضاً۔صفحہ 276
۱۲۔ حجۃ اللہ البالغہ۔صفحہ 665
۱۳۔ الدر ثمین فی مبشرات النبی الامین۔صفحہ 3
۱۴۔ فیوض الحرمین۔صفحہ 44
۱۵۔ تذکرہ شاہ ولی اللہ۔صفحہ 270
۱۶۔ فوائد جامع۔صفحہ 282
۱۷۔ تذکرہ شاہ ولی اللہ۔صفحہ 130
۱۸۔ ایضاً۔صفحہ 261
۱۹۔ بحوالہ رودِ کوثر۔صفحہ 572
۲۰۔ تذکرہ شاہ ولی اللہ۔صفحہ 133
۲۱۔ دیباچہ حجۃ اللہ البالغہ

۲۲ے تفہیمات الٰہیہ۔ صفحہ 216

۲۳ے ایضاً۔ صفحہ 216

۲۴ے دیباچہ حجۃ اللہ البالغہ۔ صفحہ 6

۲۵ے امیر الروایات۔ صفحہ 44

۲۶ے تفہیمات الٰہیہ۔ جلد 2 صفحہ 216-214

۲۷ے حمامۃ البشریٰ۔ صفحہ 76

۲۸ے تفہیمات الٰہیہ۔ جلد 2 صفحہ 133

۲۹ے انفاس العارفین۔ صفحہ 103

۳۰ے تفہیمات الٰہیہ۔ صفحہ 85 تفہیم نمبر 55

۳۱ے ملفوظات جلد 1 صفحہ 30

تیرھویں صدی کے مجدد

حضرت سیّد احمد بریلوی شہید

رَحمَۃُ اللّٰہِ عَلَیہ

۱۲۰۱ھ - ۱۲۴۶ھ

''لوگ کہیں گے کہ سیّد احمد کا انتقال ہوگیا یا شہادت ہوگئی لیکن جب تک ہندوستان کا شرک، ایران کا رفض، اور سرحد کا غدر نہیں جائے گا میرا کام ختم نہیں ہوگا''۔ [1]

ولادت وعہد طفولیت

سیّد احمد شہید 6 صفر 1201ھ بمطابق 29 نومبر 1786ء کو پیر کے دن رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام محمد عرفان تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب چھتیسویں پشت پر حضرت علیؓ سے جاملتا ہے۔ آپ حسنی الحسینی سیّد ہیں۔

بچپن میں ہی آپ کی دلیری اور شجاعت درجہ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ اپنے ہم عمر لڑکوں کا لشکر بناتے اور بطور جہاد بآواز بلند تکبیریں کہتے ہوئے ایک فرضی لشکر پر حملے کرتے اور خوب ورزش کیا کرتے تھے۔ خلق اللہ کی خدمت میں مشغول رہتے۔ ان کو جنگل سے پانی، ایندھن وغیرہ لا دیتے، اطاعت وعبادات شروع سے ہی بکثرت کرتے تھے۔ [۲]

مقصد حیات

آپ چونکہ مجدد وقت تھے اس لیے زندگی کا مقصد لوگوں کو بدعت وضلالت سے نکال کر ہدایت کے راستوں پر چلانا تھا۔ چنانچہ اس کا اظہار ان کے مکاتیب میں ملتا ہے۔ ایک موقعہ پر فرماتے ہیں:-

> ''تاج فریدوں اور تخت سکندر میری نظروں میں جو کے برابر بھی نہیں ہیں......صرف یہ آرزو ہے کہ اکثر افراد بنی آدم بلکہ دنیا کے تمام خطوں میں ربّ العالمین کے احکام جاری ہوجائیں''۔ [۳]

عظمتِ کردار

آپ کا مقام بیان کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:-

> ''ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں یہ سلسلہ فیوض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسے طور پر جاری ہے کہ اس میں کبھی انقطاع نہیں ہوا۔ یہ سلسلہ ابتدائے اسلام سے جاری ہے اور سیّد احمد شہید بریلوی کے زمانے تک برابر جاری رہا۔ اُن پر الہامات کا نزول ہوتا تھا۔ وہ ان الہامات کو بیان کرتے تھے۔ لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی ہستی پر یقین پیدا ہوتا تھا''۔ [۴]

فطرتی سعادت

آپ اسلام پر مجبول تھے۔انہیں فطرت اتنی سعید، پاکیزہ اور مزکی ملی تھی کہ مرضیات الٰہی سے خفیف سا اختلاف بھی گوارانہ تھا اور اتباع سنت کا ذوق طبیعت پر اس قدر غالب تھا گویا ان کی تمام حرکات وسکنات کی عنان شریعت حقہ کے قبضہ میں تھی۔ زمانۂ طفلی کا بھی کوئی واقعہ ایسا پیش نہیں کیا جاسکتا کہ ان کا قدم کبھی جادۂ حق سے ادھر اُدھر جاپڑا ہو کہ انہوں نے عزیمت عملی کے مقابلے میں رخصت کو ترجیح دی ہو۔

اعلیٰ اخلاق

ایک مجدد کو اخلاق عالیہ پر فائز ہونا ضروری ہے تا کہ وہ دوسروں کیلئے نمونہ بن سکے۔حضرت سیّد صاحب اخلاق عالیہ سے متصف تھے۔

سفر لکھنؤ کے دوران ایک مرتبہ سب احباب اور اقرباء تھک گئے اور مزدور کی تلاش سے بھی عاجز آگئے اور آگے چلنے سے انکار کر دیا تو آپ نے عہد لیا کہ میری ایک گذارش قبول کرو گے۔جب سب نے عہد کر لیا تو آپ نے اپنی چادر بچھادی اور فرمایا کہ سب سامان اس میں ڈال دو اور مزدور کی تلاش ترک کر دو۔چنانچہ ؏ نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن۔انہوں نے ایسا ہی کیا۔آپ نے سارا سامان خود اُٹھالیا اور خوشی سے یہ کہتے جاتے تھے

کہ دوستوں اور بھائیوں نے آج جو احسان مجھ پر کیا ہے اس کی شکر گزاری کا حق عمر بھر ادا نہ کر سکوں گا۔ [۵]

ایک مرتبہ ایک مفلوک الحال مزدور بھوک سے تنگ آکر ایک سپاہی کا مٹکا اجرت پر اُٹھانے پر مجبور ہو کر چلا جا رہا تھا کہ اجرت ملے تو پیٹ بھروں۔مگر کمزوری اتنی تھی کہ جلد ہانپنے لگا۔سیّد صاحب نے اسے دیکھ لیا۔آپ نے فرمایا:-

''تم اس کی مزدوری اسے ابھی دے دو میں تمہارا بوجھ اُٹھاتا ہوں''۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ [۶]

توحید الٰہی سے محبت

آپ کو شرک سے نفرت تھی اور توحید سے دلی رغبت تھی۔ چنانچہ آپ نے شاہ عبدالعزیز کے ہاتھ پر بیعت کی اور تصوف کے درس لینے لگے اور ایک مرتبہ جب ''تصورِ شیخ'' کا ذکر آیا تو آپ فرمانے لگے کہ حضرت اس میں اور بت پرستی میں کیا فرق ہے۔ آپ نے جواباً حافظ کا یہ شعر پڑھا۔

بہ مئے سجادہ رنگین کن گرت پرمغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

اگر تیرا پیر حکم دے تو مصلے کو بھی مے سے بھگو لے کہ سالک اپنی منزل کے راہ و رسم سے بے خبر نہیں ہوتا۔

لیکن آپ نے عرض کیا کہ حضرت کوئی قرآنی آیت یا حدیث بیان فرمائیں ورنہ مجھے اس سے باز رکھیں۔ اس پر شاہ صاحب نے سیّد صاحب کو سینہ سے لگالیا۔ رخساروں اور پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے فرمایا ''اے فرزند ارجمند خدائے برتر نے اپنے فضل و رحمت سے تجھے ولایت انبیاء عطا فرمائی ہے۔ [7]

آپ کو شبِ قدر نصیب ہوئی

آپ فرماتے ہیں:-

''1222ھ رمضان کو اچانک نیند آئی اور پھر کسی نے جگایا۔ بیدار ہو کر دیکھا کہ دائیں بائیں حضور سرورِ دو عالم ﷺ اور حضرت صدیق اکبر تشریف فرما ہیں اور زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے ''احمد اُٹھ اور غسل کر، آج شب قدر ہے۔ خدا کی یاد میں مشغول ہو اور قاضی الحاجات کے دربار میں دعا اور مناجات کر''۔ [8]

علم حقیقی سے مراد

علم حقیقی کے بارہ میں آپ فرماتے ہیں:-

''عالم سے یہ مراد نہیں کہ وہ صدور اور شمس بازغہ پڑھ چکا ہو۔ یہاں علم سے مراد یہ ہے کہ وہ جانتا ہو کہ اونچی شان والا پروردگار کن باتوں سے راضی ہوتا ہے اور کن سے ناراضی

(یعنی اوامر ونواہی کا اسے علم ہو)۔ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے ہدایہ یا شرح وقایہ نہیں پڑھی تھیں۔ لیکن وہ ان کتب کے مصنفوں کے پیشوا تھے اور مجتہدین بھی انہیں ہادیان دین کے کلام پاک سے سندیں لاتے ہیں اور اسے کسوٹی قرار دے کر کھرے کھوٹے سے الگ کرتے ہیں"۔ [۹]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کے متعلق فرمایا:۔

"سیّد احمد بریلوی سلسلہ خلافت محمدیہ کے بارھویں خلیفہ ہیں جو حضرت یحییٰ کے مثیل ہیں اور سیّد ہیں"۔ [۱۰]

تصانیف

آپ نے زیادہ تجدیدی کام دورہ جات کر کے خطابات اور عملی اقدامات کے ذریعہ کیا۔ تاہم آپ کی چند کتب کا پتہ بھی ملتا ہے۔

۱۔ تنبیہ الغافلین ۲۔ رسالہ نماز ۳۔ صراطِ مستقیم

۴۔ ملہمات احمدیہ فی الطریق المحمدیہ [۱۱]

تجدیدی کارنامے

ہندوستان میں اسلامی حکومت کی بحالی اور شرعی نظام کا اجراء آپ کا نصب العین تھا۔ وقت کے صاحبان جاہ وحشمت اور سالاران عساکر میں سے نواب امیر خان ہی آپ کا رفیقِ کار بنا لیکن اس نے بھی آخر تک مساعدت نہ کی اور آپ تن تنہا تجدید دین میں ڈٹے رہے اور مسلمانوں میں جذبہ جہاد بیدار کرتے رہے۔

دعویٰ مجددیت

اگرچہ آپ نے اپنے لیے لفظ مجدد تو استعمال نہیں کیا لیکن آپ کی تحریرات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ اپنے وقت کے امام تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

''آج اللہ نے مجھے بیحد احسانات سے نوازا، مجھے تمام میرے معاصرین واسلاف میں سرفراز اور ممتاز فرمایا اور فرمایا کہ جو تم سے بیعت کرے گا اس کو دنیا و آخرت کے مکروہات سے محفوظ اور اپنی رضامندی اور انعام سے محظوظ کروں گا'' ؎۱۲

دعوتِ اصلاح

شاہ عبدالعزیز صاحب نے سیّد صاحب کے دہلی پہنچنے سے ایک ہفتہ قبل ایک خواب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ جامع مسجد دہلی میں تشریف فرما ہیں۔ خلقت حضور کے دیدار کیلئے اُمڈتی آرہی ہے۔ حضور نے شاہ صاحب کو دست بوسی کی سعادت کا شرف بخشا اور پھر عصا مرحمت فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تو مسجد کے دروازے پر بیٹھ جا۔ ہر کسی کا حال ہمیں سنا جس کیلئے ہمارے ہاں سے حاضری کی اجازت ملے اسے اندر آنے دے۔ آپ نے شاہ غلام علی صاحب سے اس کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ آپ کا کوئی مرید رسولؐ کی فیض ہدایت کا موجب ٹھہرے گا۔ جب سیّد صاحب دہلی پہنچے تو شاہ صاحب کو یقین ہو گیا کہ سیّد صاحب کے ذریعہ سے ہی یہ سلسلہ جاری ہوگا۔

چنانچہ آپ نے لوگوں کو ہدایت کی دعوت دی۔ انہیں بُرے طور اطوار ترک کر دینے کی تلقین کی۔ آپ کو کس طرح خدا کی تائید حاصل تھی اس کا اندازہ اس معمولی واقعہ سے ہو سکتا ہے۔

ایک صوفی آپ کی مخالفت کرتا تھا۔ اس نے جب رواج کے مطابق حافظ کے شعر سے فال نکالی تو یہ شعر نکلا ؎

سجاست صوفی دجال چشم و ملحد شکل
بگو بسوز کہ مہدئ دین پناہ رسید

اے صوفی جو دجال کی آنکھ اور ملحد کی شکل کا ہے اپنی آگ میں جلتا رہ کہ مہدی دین پناہ آگیا ہے۔

اس پر صوفی نادم ہوا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر تائب ہو گیا۔ ؎۱۳

ایک شخص ملاں بخاری تھا جو شاہ عبدالعزیز صاحب کے پاس کسب فیض کیلئے آیا۔ آپ نے اُسے سیّد صاحب کی طرف بھیجا۔ اس نے آپ کی سپاہیانہ وضع قطع دیکھ کر انقباض کیا تو شاہ صاحب نے

فرمایا جو یہاں آپ کو بارہ برس میں ملے گا وہاں بارہ دن میں پالو گے اور ایسا ہی ہوا۔ [۱۴]

متعدد دورہ جات

آپ نے مندرجہ ذیل مقامات کا وقتاً فوقتاً تبلیغی و اصلاحی دورہ فرمایا۔

غازی آباد، مرادگھر، میرٹھ، کانولہ، لدھیانہ، پھلت، مظفرنگر، دیوبند، گنگوہ، نانوتہ، تھانہ بھون، رام پور لیاری، سہارن پور، شکار پور، ایوبی، دانتل، پائل، بسوالی، شیخ پورہ، سمری، جلکانہ، نگینہ، شہر کوٹ وغیرہ۔ [۱۵]

ان دوروں کے دوران مختلف مذاہب کے سینکڑوں لوگوں نے اسلام قبول کیا اور بہت سے مسلمان بری عادات سے تائب ہوئے اور انہوں نے سچے مسلمان کا روپ دھارا۔

طریقہ محمدیہ کا قیام

آپ نے اپنے مریدوں کی اصلاح کیلئے طریقہ محمدیہ اختیار کیا اور اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:-

''طریقہ محمدیہ یہ ہے کہ زندگی کا ہر کام صرف رضائے ربّ العالمین کیلئے کیا جائے۔ نکاح کی غرض یہ ہو کہ انسان فسق و فجور سے محفوظ رہے۔ تجارت اور ملازمت اس نیت سے کی جائے کہ انسان حلال روزی کما کر خود بھی کھائے اور اہل و عیال کو بھی کھلائے۔ استراحت شب کا مدعا یہ ہو کہ انسان جوف لیل میں اُٹھ کر نماز تہجد ادا کرے اور نماز فجر اوّل وقت میں ادا کرے۔ کھانا اس لیے کھایا جائے کہ جسم میں بقدر ضرورت طاقت بحال رہے تاکہ انسان خدا کے احکام مستعدی سے بجالائے۔ نماز پڑھے، روزے رکھے، حج کیلئے جائے۔ ضرورت پڑے تو جہاد کیلئے بھی تیار ہو۔ غرض چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اور کھاتے پیتے ہر حال میں مقصود احکام خداوندی کی بجا آوری اور مرضیات باری تعالیٰ کی پابندی کے سوا کچھ نہ ہو۔ بالفاظ دیگر ہر فرد آیہ مبارک **ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی لله رب العالمین** کا عملی نمونہ بن جائے''۔ [۱۶]

اس کے بعد مزید فرماتے ہیں:-

''اس کے بعد بالاتر مرتبے کیلئے ہم پر وعظ ونصیحت کے دروازے کھل گئے۔ سلسلہ تبلیغ کے اعلیٰ مراتب کو پہنچا اور یہ حقیقت مخالف وموافق پر روشن ہے۔ اب ہمیں کفار کے ساتھ جہاد کا حکم دیا گیا ہے جو (باطنی ترقی کا) سب سے اونچا پایا ہے۔ یہ انبیاء اولوالعزم کا طریقہ اور اسوہ ہے''۔ ۱۷

حاجی عبدالرحیم صاحب جو خود پیر طریقت ہیں، ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ تو خود صاحب کمال ہیں آپ کیوں سیّد صاحب کے مرید ہوئے ہیں۔ کہنے لگے:-

''ہم کو نماز پڑھنی اور روزہ رکھنا نہ آتا تھا۔ سیّد صاحب کی برکت سے نماز پڑھنی بھی آگئی اور روزہ رکھنا بھی آگیا''۔ ۱۸

بدعات کے خلاف جہاد

جب سیّد صاحب شاہ عبدالعزیز کے پاس دہلی پہنچے تو شاہ صاحب کے خاندان میں بھی ملکی رواج کے تحت تسلیمات وآداب کہنے کا رواج تھا۔ مگر آپ نے جا کر السلام علیکم کہا تو شاہ صاحب بہت خوش ہوئے اور حکم دیا کہ آئندہ سب لوگ اسی طریقہ پر سلام کیا کریں۔ ۱۹

بیوہ سے نکاح ثانی کرنا

آپ کے عہد کی سب سے بری رسم یہ تھی کہ بیوہ کے دوسرے نکاح کرنے کو برا سمجھا جاتا تھا اور اس پر قتل وغارت اور کشت وخون بہایا جاتا تھا۔ آپ نے ایک مجدد کی حیثیت سے اس بدرسم کا خاتمہ کیا اور سب سے پہلے خود عملی نمونہ پیش کرتے ہوئے اپنی بیوہ بھاوج سے خود اپنا نکاح کیا۔ اس کیلئے آپ نے ایک رسالہ بھی تصنیف فرمایا۔ اپنے رشتہ داروں کو اس سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:-

''میرے تمام رشتہ دار صاف سن لیں کہ جو اللہ اور رسول کی فرمانبرداری میں میرے شریک حال ہو کر حکموں کو پورا کرنے اور منع کی ہوئی باتوں سے دور رہنے میں کسی طعن و ملامت کا خیال تک دل میں نہ لائیں ...... جو اس کیلئے تیار نہ ہوں میری طرف سے ان کو جواب ہے اور میرا اُن سے کوئی تعلق نہیں''۔

ان اقدام کا خاطر خواہ اثر ہوا اور کئی شریف بیبیاں بیاہی گئیں۔ چنانچہ شاہ اسمٰعیل صاحب نے اپنی پچاس سالہ بیوہ بہن کا نکاح مولانا عبدالحئی سے کیا۔

آپ نے تمام مسلمانوں کو اس رسم کی قباحتوں سے یوں آگاہ کیا:-

''انہیں چیزوں میں سے بیواؤں سے دوسرا نکاح نہ کرنا ہے۔خصوصاً وہ بیوہ جو جوان ہو اس کا نکاح ثانی کرنے کو ایسا برا سمجھنا جیسا خدا کے یہاں کفر وشرک ہے اور جو بیوہ اپنا نکاح کرلے اسے بازاری عورت اور بے حیا سمجھنا اور رنڈی قرار دینا اس کو مطعون و بدنام کرنا اور ساری عمر اس کو زندہ درگور کردینا اسی قبیل سے ہے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ بات کہاں تک پہنچتی ہے۔ان کو معلوم نہیں کہ تمام امہات المومنین سوائے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیوہ تھیں''۔ [۲۰]

آپ کی تبلیغ سے پہلے کیا حالت تھی اور بعد میں کیا انقلاب ہوا اس کا اندازہ مندرجہ ذیل حوالہ سے ہو جاتا ہے۔

اس سے قبل حالت یہ تھی کہ یہ سن کر کہ آپ بیوہ کے نکاح کے قائل ہیں۔ایک شخص قتل کے ارادہ سے آپ کے پاس آیا مگر آپ کی گفتار و واعظ کے تیر سے ایسا گھائل ہوا کہ آپ کا ارادتمند بن گیا۔ [۲۱]

نصیر آباد میں شیعہ سنی چپقلش تھی۔شیعہ حضرات علی الاعلان تبرّا کرتے تھے۔سیّد صاحب سنّیوں کی دعوت پر وہاں گئے اور دونوں گروہوں میں مصالحت کرادی۔

سلون میں ایک سجادہ نشین تھا جس کا نام شاہ کریم عطا تھا۔ وہاں خلاف شرع حرکات ہوتی تھیں۔ ناچ گانا اور رقص وسرود ہوتا تھا۔مولانا نے انہیں سمجھایا کہ ان باتوں کی دلیل سنت نبوی میں کہاں ہے؟ وہ لوگ آپ کے پُر اثر وعظ کے بعد سمجھ گئے اور ایسی باتوں کو ختم کردیا۔ [۲۲]

قبر پرستی کے خلاف

ایک بری رسم قبر پرستی تھی۔آپ اسے برا خیال کرتے اور اس سے منع کیا کرتے تھے۔کسی نے کہا کہ آپ کے بعد آپ کے مرید بھی یہی کام کریں گے۔تو آپ نے فرمایا ''میں درگاہ الٰہی میں بصد آہ وزاری درخواست کروں گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ میری قبر معدوم اور میرے مدفن کو نامعلوم

کر دے۔ نہ قبر رہے گی اور نہ اس پر شرک و بدعت ہوگا''۔ ۲۳؎

شرک و بدعت اور رسومات سے بچاؤ کیلئے ارشاد فرمایا:-

''بھائیو! حاصل بیعت یہ ہے کہ تم لوگ جو شرک و بدعت کرتے ہو، تعزیے بناتے ہو، نشان کھڑا کرتے ہو، پیروں کی قبروں کو پوجتے ہو، ان کی نذر نیاز مانتے ہو، ان سب کاموں کو چھوڑ دو اور سوائے خدا کے کسی کو اپنے نفع و ضرر کا مالک نہ جانو اور اپنا حاجت روا نہ پہچانو۔ اگر یہ نہ کرو گے تو فقط بیعت کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا''۔ ۲۴؎

دعوتِ ارشاد

بنارس میں قیام کے دوران آپ نے اپنی بگڑی ہوئی قوم کو راہِ راست پر لانے کیلئے فرمایا:-

''خوب ذکر کرو۔ یہ شہر کفر و شرک کے ظلمات سے لبریز ہے۔ اِسے ذکرِ الٰہی کے انوار سے منور کر دو''۔

جب آپ لکھنؤ تشریف لے گئے تو اکثر جمعہ سے عصر تک آپ کے ارشاد پر مولانا عبدالحئی سورہ انبیاء کی تفسیر کیا کرتے تھے۔ اپنے قیام کے دوران آپ نے تعزیہ داری، عرس، راگ رنگ، گور پرستی، پیر پرستی، داڑھیاں منڈانا، پٹے رکھنا (فیشن ایبل بال مراد ہیں)، مسی لگانا، کبوتر اڑانا، مرغ لڑانا، سیٹی بجانا، پتنگ اُڑانا اور اِس قسم کی تمام رسومات سے سختی سے روکا۔ ۲۵؎

بنارس میں آپ نے ایک ماہ قیام کیا۔ یہاں دس پندرہ ہزار مرد و زن نے بیعت کی اور بنارس جو گمراہی کا گڑھ تھا مولانا کی برکت سے مسلمانوں میں بدعملیاں ختم ہوئیں۔ یہاں کے رؤساء نے بھی سیّد صاحب کی بیعت کی۔ ۲۶؎

تبت میں تبلیغ

عظیم آباد میں سیّد صاحب کو تبتیوں کا ایک قافلہ ملا۔ آپ نے انہیں اپنے حلقہ ارادت میں شامل کرنے کے بعد تبت میں تبلیغ کا کام سونپا۔ توحید و سنت کے اثبات اور شرک کے ردّ میں چند آیات و احادیث لکھ کر دیں اور فرمایا صبر و استقامت کے ساتھ دِینِ حق عام لوگوں تک پہنچاتے رہنا اور اس راہ کی تکالیف کو برداشت کرنا ...... ان کے اہتمام سے تبت میں مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت پیدا

ہوگئی۔ ہزاروں آدمی حلقہ بگوش اسلام ہوئے، یہاں تک کہ انہوں نے اپنے چند آدمی تبلیغ کیلئے چین بھیجے۔اسی طرح جاوا، بلغاریہ، مراکش وغیرہ میں بھی آپ کے خلفاء پہنچے۔

ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں تبلیغ

آپ نے اسلام کے عقائد صحیحہ کی تبلیغ اور توحید وسنت کی عالمگیر اشاعت فرمائی۔ ہندوستان کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا۔ دہلی اور کلکتے کے درمیان سینکڑوں مقامات پر آپ نے خود دورہ فرمایا۔مولانا عبدالحئ صاحب اور شاہ اسماعیل صاحب آپ کے مواعظ ہوئے۔سندھ اور سرحد میں خود قیام فرمایا۔ حیدرآباد دکن، بمبئے، مدراس میں مولانا سیّد محمد علی رامپوری ومولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادی کو بھیجا۔ جنہوں نے وہاں قیام فرما کر اصلاحِ عقائد و اعمال و رسوم کا عظیم الشان کام سرانجام دیا۔ ہزاروں بندگانِ خدا اور سینکڑوں امراء ورؤسا و اہل علم وفضل مستفید ہوئے اور توحید وسنت کا عام چرچا ہوگیا۔

یورپ میں آپ کے خلفاء مولانا کرامت علی صاحب ومولانا سخاوت علی صاحب جونپوری نے تبلیغ وہدایت کے فرائض انجام دیئے اور بڑی کامیابی حاصل کی۔

نیپال کی ترائی میں مولانا جعفر علی صاحب نے روشنی پھیلائی۔ افغانستان میں بھی آپ کے خلیفہ مولوی حبیب اللہ قندھاری سے اصلاح ہوئی۔ان حضرات نے جہاد اور شہادت کے بارے میں اس رنگ میں وعظ کیے کہ لوگ از خود جان و مال راہِ خدا میں قربان کرنے کیلئے تیار ہوگئے اور خدمت دین کو عین سعادت خیال کرنے لگے۔ ۲۷

کلکتہ میں تبلیغ

یہاں انگریزی طرز معاشرہ تھی۔ شراب اور بے پردگی عام تھی اور دوسری بدرسومات بھی تھیں۔ آپ کی آمد سے شراب کی دکانیں بے رونق ہوگئیں، عورتیں باپردہ ہوگئیں، سینکڑوں بیوگان کے نکاح ہوئے اور سینکڑوں غیرمختونوں کے ختنے کرائے گئے۔سیّد محمد علی نے اس بارہ میں لکھا ''ہر خطے اور ہر کشور سے ہزاروں بلکہ بیشمار مسلمان آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اہل شرک و بدعت اور سرکش اور گناہگار اپنے برے اعمال سے تائب ہوکر مخلص مومنوں کے زمرے میں شامل ہوگئے۔

پرنسپ کی کتاب رنجیب سنگھ کے صفحہ 146 میں یہ لکھا ہے:-

''1822ء میں سیّد صاحب کلکتہ آئے۔ مسلم آبادی بہت بڑھی اور ایک کثیر تعداد ان کی پیرو بن گئی''۔ ۲۸

برما میں تبلیغ

برما کے علاقے سے ایک صاحب سیّد حمزہ آئے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس طرح آپ کی تحریک برما پہنچی۔ آپ نے رؤساء، امراء اور عوام الناس کو الگ الگ خطوط لکھ کر جہاد پر آمادہ کیا اور اس جہاد سے آپ کا مقصد سراسر اعلائے کلمہ حق تھا۔ آپ نے ملک کے مختلف حصوں میں داعیانِ حق کا تقرر کیا۔

آپ کی تجدید دین کا اثر

مولانا عبدالحئی صاحب اپنے سفرنامہ ''ارمغان احباب'' میں رقمطراز ہیں:۔

''اس وقت تک سہارنپور کے جس قدر قصبوں میں جانے کا اتفاق ہوا ہے وہاں ہر فردِ بشر کو سیّد صاحب کا دم بھرتے پایا۔ جو ہے ان کی محبت میں چُور رہے اور سب بالاتفاق کہتے ہیں کہ ہم کو اِسلام اور ایمان کی سیدھی راہ اُن سے ملی ہے۔ برائے نام مسلمان تھے۔ جتنے مشائخ ہیں وہ سب اس سلسلہ کو مقدم جانتے ہیں۔ میں نے فی عمری میں جتنا چرچا سیّد صاحب کا دیکھا اتنا چرچا کہیں نہیں دیکھا۔ اس طرف کی مساجد عموماً آباد ہیں۔ ہر مسجد میں حمام گرم ہو رہے ہیں۔ ہر مسلمان کم سے کم نماز وتلاوت کا ضرور شائق ہے۔ میرے گمان میں ضلع سہارنپور کے اشرار ہماری طرف کے اخیار سے اچھے ہیں اور اخیار کا کیا پوچھنا ہے ان کی تو نظیر اس طرف نہیں ملتی۔ یہ بے تکلف اور سچے دیندار مسلمان ہیں۔ مجلس وعظ معمور رہتی ہے''۔ ۲۹

مولوی عبدالاحد صاحب لکھتے ہیں:۔

''حضرت سیّد احمد صاحب قدس سرہٗ کے ہاتھ پر چالیس ہزار سے زیادہ ہندو وغیرہ، کفار مسلمان ہوئے اور تیس لاکھ مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی''۔ اسی طرح آپ کے خلیفہ مولانا کرامت علی کی کوششوں سے بنگال میں لاکھوں آدمی مشرف با اسلام ہوئے۔ ۳۰

مندرجہ بالا حوالہ جات سے آپ کی تجدید دین کی مساعی جمیلہ کا اندازہ ہو جاتا ہے۔آپ کا وجود اسلام کے حق میں بارانِ رحمت اور بادِ بہاری ثابت ہوا۔ دینداری اور تشرع کی ایک ہوا چل پڑی۔آپ کے ہاتھوں پر لاکھوں انسانوں نے توبہ کی۔فساق وفجار ابرار واخیار ہو گئے۔آپ جدھر سے گزرے اُدھر ہی عمل کا شوق۔عبادت الٰہی کا ذوق،اتباعِ سنت کا ولولہ پیدا ہوتا گیا۔شراب کے کاروبار ٹھپ ہو گئے، میخانوں میں خاک اُڑنے لگی اور مساجد آباد اور بارونق ہو گئیں۔الغرض آپ نے گرد سے اٹے ہوئے اسلام کو صیقل کیا۔مستور ایمان کو منکشف کیا۔دلوں کے تالے کھولے۔ایمان وایقان کی شمع فروزاں کی،اس طرح تجدید دین کا حق ادا کر دیا۔

سفرحج اوراحیائے اِسلام

سیّد صاحب کے وقت میں فرنگیوں نے سمندر پر قبضہ کر رکھا تھا اور حج کے خطرات بڑھ رہے تھے۔چنانچہ لکھنؤ کے علماء نے فرضیت حج کے سقوط کا فتویٰ دے دیا اور بعض علماء نے **لاتلقوا بایدکم الی التھلکۃ** سے استدلال کر کے حرمت جہاد کا فتویٰ بھی دے دیا۔لیکن سیّد صاحب کا سفرحج دراصل سارے ہندوستان کا تبلیغی دورہ بھی تھا اور آپ لوگوں کو ساتھ رکھ کر ان کی تربیت کرنا چاہتے تھے۔اور آپ کے نزدیک ابھی سقوط حج یا حرمت جہاد کا وقت نہیں تھا۔ بلکہ جہاد کا وقت تھا۔ اس لیے سیّد صاحب اور آپ کے رفقاء نے بذریعہ دلائل قاطعہ اس کا ردّ کیا اور حج پر جانے کا عزم صمیم کیا اور فرمایا جو مسلمان چاہے تیار ہو جائے خواہ اس کے پاس پیسے ہوں یا نہ ہوں میرے ہمراہ حج کرے۔

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ سیّد صاحب کی اس سفر سے غرض تبلیغ دین وتجدید اسلام تھی۔جیسا کہ انہوں نے خود فرمایا:-

''مجھ کو عنایت الٰہی سے امید قوی ہے کہ اس سفر میں اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ سے لاکھوں آدمیوں کو ہدایت نصیب کرے گا اور ہزاروں ایسے لوگ کہ دریائے شرک وبدعت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور شعار اسلام سے مطلق ناواقف ہیں وہ پکے موحد اور متقی ہوں گے''۔ [۳۱]

چنانچہ شوال 1336ھ کی آخری تاریخ بمطابق 30 جولائی 1821ء کو آپ چار سو رفیقوں کے ہمراہ حج کو روانہ ہوئے اور تین ماہ کلکتہ میں قیام فرمایا۔اصلاح واحیائے دین کا کام جاری رکھا۔لاکھوں

مسلمانوں نے ہدایت پائی اور بہت سے غیر مسلم اسلام لائے۔ ۳۲؎

حجاز کو روانہ ہونے تک مختلف شہروں کے سات سو ترپن آدمی آپ کے ہمراہ تھے۔ تیرہ ہزار آٹھ سو ساٹھ روپیہ کرایہ دے کر سب کو دس جہازوں میں سوار کرایا۔ تینتیس ہزار روپیہ کا سامان خوراک خریدا، حجاز میں قیام اور واپسی کا خرچ بھی سیّد صاحب نے برداشت کیا اور لطیفہ یہ کہ جب گھر سے چلے تو پاس دھیلہ تک نہ تھا۔ ۳۳؎

کس طرح خدا اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے اور مشکل وقت میں وفاداری دکھاتا ہے۔

آپ 29 شعبان 1239ھ بمطابق 29/اپریل 1824ء کو وطن واپس پہنچے۔ گویا اس سفر میں دو سال اور دس ماہ صرف ہوئے۔ قریباً لاکھ روپیہ خرچ ہوا اور ہزاروں بلکہ لاکھوں افراد نے نورِ ہدایت سے حصہ پایا۔ سیّد صاحب کی مراجعت پر مولانا ابوالحسن صاحب نے ایک قصیدہ لکھا جس کے چند اشعار لکھنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ مولانا سیّد صاحب کی کامیاب مراجعت پر کہتے ہیں ؎

آتی ہے ہر سمت سے بانگ مؤذن کی صدا ۔۔۔ جس کو سنئے یہی کہتا ہے اللہ اکبر
اس قدر عصر میں تیرے ہوئی افراطِ نماز ۔۔۔ لاکھوں تیار ہوئے ملک میں پھوٹے منبر
قطع بدعات ہوئی فیض سے تیرے ایسی ۔۔۔ ہند سے رسمیں بری اُٹھ گئیں ساری یکسر
دیکھئے جس کو سو کرتا ہے کلام اللہ کو یاد ۔۔۔ باندھی ہے ہر شخص نے تہذیب و ہدایت پہ کمر ۳۴؎

جہاد

سیّد صاحب کے زمانے میں سکھوں نے مسلمانوں کا عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ مسلمانوں کو مساجد بنانے پر پابندی تھی۔ اذان کی آواز اونچی سنائی دیتی تو سزائیں دی جاتی تھیں۔ مسلمان عورتوں کی عزتیں غیر محفوظ تھیں۔ سکھوں کی منظّم غارت گری کا آغاز ''بندہ بیراگی'' سے ہوا۔ اس شخص کی تباہ کاریوں کے متعلق جان میلکم لکھتا ہے:-

''ہمیشہ یاد رکھنے والی اس یورش کی تفصیلات بیان کرنا غیر ضروری ہے۔ تمام روایتوں کے مطابق یہ بدترین لعنت تھی جو کبھی کسی ملک کیلئے سرچشمہ آزار بنی۔ نہایت درجہ وحشیانہ بربریت جن تعدّیوں کی مرتکب ہوسکتی تھی اور انتقام کی بھڑکتی ہوئی آگ جن بے دردیوں کی

جانب رہنمائی کرسکتی تھی وہ سب اِس صوبے (پنجاب) کے ان تمام باشندوں پر پوری شدت سے نازل ہوئیں۔ جہاں جہاں ان یورشیوں کے قدم پہنچے صرف ان لوگوں کو زندہ چھوڑا گیا جنہوں نے سکھ دھرم قبول کرلیا اور سکھوں کی سی وضع قطع کے پابند ہو گئے"۔ ۳۵

رنجیت سنگھ پنجاب اور کشمیر پر قابض تھا اور اب سرحد کی طرف بھی پیش قدمی کرتے ہوئے تباہی مچا رہا تھا۔ اور سکھ راج کی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے آرچ اپنے سفر ہند میں لکھتا ہے:-

"سکھوں کے مذہبی پیشواؤں یا اکالیوں میں رواداری اور اعتدال بالکل ناپید ہے اور مسلمان مجبور ہیں کہ اپنے مذہبی فرائض چھپ کر ادا کریں"۔ ۳۶

ایسے حالات میں سیّد صاحب نے اپنے ساتھیوں کو جہاد کی دعوت دی۔ یہ دعوت سراسر سکھوں کے خلاف تھی کیونکہ وہ دین میں مزاحم ہو رہے تھے۔ انگریز آپ کے مدمقابل نہیں تھے۔

انگریزوں سے جہاد کے بارہ میں جماعت احمدیہ اورسیّد صاحب ہم مسلک ہیں

بعض معترضین ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ مرزا صاحب نے انگریزوں کی تعریف کی اور ان کے خلاف جہاد کو خانہ جنگی اور بغاوت سے تعبیر کیا ہے۔ اس بارہ میں مرزا صاحب کے ارہاص سیّد احمد شہید جو تیرھویں صدی کے مجدد ہیں کا کیا عقیدہ تھا۔ اس کا اندازہ اس حوالہ سے آپ خود لگا سکتے ہیں۔

مولانا جعفر تھانیسری جو سیّد صاحب کے معتمد اور رفیق تھے لکھتے ہیں کہ سفر حج کے دوران کسی نے سیّد صاحب سے انگریزوں کے خلاف جہاد کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا:-

"ایسی بے ریا اور غیر متعصب سرکار سے کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں ہے۔ اس وقت پنجاب میں سکھوں کا ظلم اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ ان پر جہاد کیا جائے"۔

جب آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ اتنی دور جا کر سکھوں سے جہاد کرتے ہیں، یہاں رہ کر انگریزوں کے خلاف کیوں نہیں کرتے۔ تو آپ نے فرمایا:-

"سکھوں سے جہاد کرنے کی صرف یہی وجہ ہے کہ وہ ہمارے برادران اسلام پر ظلم کرتے ہیں اور اذان وغیرہ فرائض مذہبی کے ادا کرنے کے مزاحم ہوتے ہیں۔ اگر سکھ اب یا

ہمارے غلبے کے بعد ان حرکات مستوجب جہاد سے باز آ جائیں تو ہم کو ان سے بھی لڑنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ سرکارِ انگریز خواہ منکر اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم و تعدی نہیں کرتی اور نہ ان کو عبادت لازمی سے روکتی ہے۔ ہم ان کے ملک میں علانیہ وعظ کہتے اور ترویجِ مذہب کرتے ہیں وہ کبھی مانع اور مزاحم نہیں ہوتی۔ بلکہ ہم پر کوئی زیادتی کرتا ہے تو اس کو سزا دینے کو تیار ہے۔ ہمارا اصل کام اشاعت توحید الٰہی اور احیائے سنن المرسلینؐ ہے۔ سو ہم بلا روک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں۔ پھر ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں؟'' ۳۷

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی آپ کا ذکر کرتے ہوئے یہی بات بیان فرمائی ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:-

''ان لوگوں کی نیتیں نیک تھیں۔ وہ چاہتے تھے کہ ملک میں نماز اور اذان اور قربانی کی جو رکاوٹ سکھوں نے کر رکھی ہے دور ہو جائے۔ خدا نے ان کی دعا کو قبول کیا اور قبولیت کو سکھوں کے دفعیہ اور انگریزوں کو اس ملک میں لانے سے کیا۔ یہ ان کی دانائی تھی کہ انہوں نے انگریزوں کے ساتھ لڑائی نہیں کی بلکہ سکھوں کو اس قابل سمجھا کہ ان کے ساتھ جہاد کیا جائے۔ مگر چونکہ وہ زمانہ قریب تھا کہ مہدی موعود کے آنے سے جہاد بالکل بند ہو جائے۔ اس واسطے جہاد میں ان کو کامیابی نہ ہوئی۔ ہاں بسبب نیک ہونے کے ان کی خواہش اذانوں اور نمازوں کے متعلق اس طرح پوری ہوگئی کہ اس ملک میں انگریز آ گئے''۔ ۳۸

بالکل یہی دلائل حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیئے ہیں کہ یہاں ہمیں مکمل مذہبی آزادی ہے کوئی قدغن نہیں۔ اس لیے انگریزوں سے جہاد خلاف احکام اسلام ہوگا۔ فتدبروا

بات چل رہی تھی سیّد صاحب کے جہاد پر جانے کی۔ چنانچہ 11 جنوری 1828ء کو جمعرات کے دن ساداتِ کرام، علماء عظام، مشائخ ذوی الاحترام، امراء عالی مقام و سائر خواص و عام نے سیّد صاحب کے ہاتھ پر امامت جہاد کی بیعت کی۔ ہندوستانی غازی آپ کو ''امیر المومنین''، اہل سرحد ''سیّد بادشاہ'' اور سکھ آپ کو خلیفہ صاحب کہا کرتے تھے۔ آپ کا جہاد صرف شریعت اسلامیہ کے احیاء کیلئے تھا۔ چنانچہ آپ نے جہاد کی کامیابی کی دعا بارگاہِ ایزدی میں یوں کی:-

''اے ہمارے پروردگار تو خوب جانتا ہے کہ یہ سب لوگ محض تیری خوشنودی اور رضاء جوئی کیلئے اپنے گھربار، اہل وعیال اور مال ومنال چھوڑ کر یہاں آئے ہیں......ہم جو چند ضعفاء اور غرباء تیرے عاجز بندے باقی ہیں ان کو بھی (دوسرے شہداء کی طرح) اپنی رضامندی اور خوشنودی کی راہ میں جان و مال قربان کرنے کی توفیق عطا فرما۔ ہمارے سینوں میں جو شیطانی خطرات اور نفسانی وساوس فتور کرتے ہیں ان کو دور کردے۔ دِلوں کو اپنے اخلاص اور محبت سے معمور رکھ اور اپنے دین کو قوت اور ترقی بخش۔ جو لوگ اس دین کے دشمن اور بدخواہ ہیں انہیں ذلیل ورسوا کر۔ جو مسلمان شریعت کے راہ راست سے ہٹ کر بادیہ ضلات میں ٹھوکریں کھارہے ہیں انہیں ہدایت دے اور پکے مسلمان بنادے تا کہ اِس کارِخیر میں جان ومال اور اہل وعیال سے شریک ہوں''۔ [۳۹]

آپ کو جاہ وحشمت سے قطعاً لگاؤ نہ تھا۔آپ نے صرف اعلائے کلمۃ اللہ اور احیائے دین کی خاطر تیر وتفنگ وحرب وسنان کا بازار گرم کیا تھا۔

استقامت

جہاد کے سلسلہ میں آپ کو اللہ نے استقامت سے بھی نوازا تھا۔معتمد الدولہ آغا جو نائب السلطنت اودھ تھا اس نے آپ سے بدعہدی کی اور جبراً آپ سے کہا کہ شیعہ حضرات کو حلقہ ارادت میں شامل نہ کریں ورنہ لشکرکشی کی دھمکی دی۔آپ چونکہ فرقہ پرستی کی لعنتوں سے پاک تھے۔اس لیے آپ نے اس کو سختی سے جواب دیا۔

''آپ میرے قدیمی آشنا ہیں اور میرا حال جانتے ہیں۔یہ بات مجھ سے نہ ہوگی کہ کلمہ حق سے رک جاؤں۔دو چار توپیں کیا چیز ہیں میں تو سو توپوں سے بھی نہیں ڈرتا۔اگر مالک حقیقی میرا مددگار ہے تو مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا''۔ [۴۰]

7 جمادی الآخر 1244ھ کو آپ رائے بریلی روانہ ہوئے۔مختلف بلاد سے گزرتے ہوئے آپ پشاور پہنچے۔اکوڑہ کے مقام پر سکھوں پر حملہ کیا اور انہیں شکست دی۔اس فتح سے مسلمانوں کے حوصلے جوان ہوگئے اور نوجوان سیّد صاحب کے لشکر میں شامل ہونے لگے۔رفتہ رفتہ یہ تعداد لاکھوں تک جا پہنچی۔آپ کو پے درپے فتوحات حاصل ہوتی رہیں اور سرحد میں اسلامی حکومت کے قدم مضبوط

ہوتے گئے۔ سیّد صاحب چونکہ مجدد وقت تھے اور آپ کا جہاد بھی شریعت اسلامیہ کے نفاذ کیلئے تھا اس لیے آپ جنگ وجدال کے ساتھ ساتھ جہاد بالنفس کی تلقین بھی کرتے تھے۔ بدرسوم کا خاتمہ کرتے اور بدعات کا استیصال کرتے۔ سرحد کے خوانین جولڑنے مرنے پر تو آپ کے ساتھ فوراً ہو گئے تھے جب انہوں نے اس معاشرہ کے انقلاب کو دیکھا جس سے ان کی جھوٹی ساکھ اور انانیت پر ضرب کاری لگتی تھی تو یہ بات انہیں ناگوار گزری۔ بعض خوانین نے آپ سے غداری کی۔ یار محمد خان سکھوں سے جاملا۔ عین میدان جنگ میں ان کی غداری رنگ لائی اور مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی۔

اسلامی تاریخ کا یہ باب کتنا المناک ہے۔ بغداد و اندلس ہو کہ شتیلہ وصابرہ یا ہندوستان ہو ہر جگہ پر ہوس پرستی، اپنوں کی بدعہدی وغداری یہی مشترکہ عناصر ہیں جو مسلمانوں کی شکست کے اسباب بنے۔

شہادت

اسی طرح درّانی قبائل نے بھی غداری کی۔ ان بدعہد خوانین سے تنگ آ کر آپ نے مرکز بدلنے کا ارادہ کیا اور کشمیر کی تنگ و تاریک گھاٹیوں سے گزرتے ہوئے بالا کوٹ پہنچے اور یہاں مرکز قائم کرلیا۔ سکھوں کی طرف سے رنجیت سنگھ کا بیٹا شیر سنگھ ایک بڑی جمعیت لے کر مقابلہ کیلئے پہنچا اور 6 مئی 1831ء کو بمطابق 13 ذیقعدہ 1246ھ خون ریز لڑائی ہوئی جس میں شاہ اسماعیل صاحب اور سیّد احمد صاحب نے جام شہادت نوش کیا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

یوں وہ پیکر عزم وہمت ہزارہ کے شمال مشرقی گوشے میں ابدی نیند سو گیا۔ وہ چراغ گل ہو گیا لیکن جاتے جاتے ہزار ہا دلوں میں نورِ ایمان کی قندیلیں روشن کر گیا۔

سکھوں نے لاش تلاش کرائی تو سرتن سے جدا ملا۔ دونوں کو ملا کر انہوں نے باعزاز دفن کیا۔ لیکن دوسرے یا تیسرے روز نہنگ کے سکھوں نے دوبارہ لاش نکال کر دریا میں بہادی۔ اس طرح سر پھر جسم مبارک سے الگ ہو گیا۔ لاش گڑھی حبیب اللہ خان کے قریب پہنچی تو کسانوں نے نکال کر دفنایا اور سر تھوڑا سا دور گڑھی کے اندر ملا چنانچہ اُسے الگ وہاں دفن کر دیا گیا۔ آپ کی شہادت بروز جمعہ 11 بجے

24 ذیقعدہ 1246ھ بمطابق 17 مئی 1831ء کو ہوئی۔ [41]

اگرچہ آپ نے زندگی کی 45 بہاریں دیکھیں لیکن آپ کا مقصد پورا ہوا کہ حق کا بول بالا رہے اور کفار کا سفلی رہے۔ ہمیشہ نورِ مصطفوی بالآخر فتحیاب ہوا اور نار بولہبی کے حصے میں خسران آئے۔ یہی غلبہ اسلام کا مشن آپ کے بعد زیادہ وسیع پیمانے پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعے آگے پہنچا اور ان کی خواہش بھی یہی تھی کہ میرا کام اس وقت مکمل ہوگا جب سارا ہندوستان اسلام لے آئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ہمشیرہ سے فرمایا تھا:-

''لوگ کہیں گے کہ سیّد احمد کا انتقال ہوگیا یا شہادت ہوگئی لیکن جب تک ہندوستان کا شرک، ایران کا رفض اور سرحد کا غدر نہیں جائے گا میرا کام ختم نہیں ہوگا''۔ [42]

پس سیّد صاحب کا مشن جو غلبہ اسلام کا مشن تھا آج بھی جماعت احمدیہ کے ذریعے ایک نئی شان سے جاری ہے۔ حضرت اقدس نے آپ کو اپنا ارہاص قرار دیا اور فرمایا:-

''سیّد احمد بریلوی سلسلہ خلافت محمدیہ کے بارھویں خلیفہ ہیں جو حضرت یحییٰ کے مثیل ہیں اور سیّد ہیں''۔ [43]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:-

''جس طرح کہ حضرت عیسیٰ سے پہلے یوحنا نبی خدا تعالیٰ کی تبلیغ کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے اسی طرح ہم سے پہلے اس ملک پنجاب میں سیّد احمد صاحب توحید کا وعظ کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔ یہ بھی مماثلت تھی جو خدا تعالیٰ نے پوری کر دی''۔ [44]

سیّد احمد شہیدؒ کے شروع کردہ کام کا اتمام

ایک مقام پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ:-

''ہند میں دو واقعہ ہوئے ایک سیّد احمدؒ صاحب کا اور دوسرا ہمارا۔ ان کا کام لڑائی کرنا تھا انہوں نے شروع کر دی مگر اس کا انجام ہمارے ہاتھوں مقدر تھا۔ جو کہ اب اس زمانہ میں بذریعہ قلم ہو رہا ہے۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے وقت جو نامرادی تھی وہ چھ سو سال بعد آنحضرت

ﷺ کے ہاتھوں سے رفع ہوئی۔ خدا تعالیٰ بھی فرماتا ہے کہ وہ کامیابی اب ہوئی"۔ ۴۵

اپنا بھائی

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ فرماتے ہیں:-

ایک دفعہ ہمارے بڑے بھائی حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنے بچپن کے زمانہ میں جہانگیر کا مقبرہ دیکھنے کا شوق ظاہر کیا اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نصیحت کے رنگ میں فرمایا:-

"میاں تم جہانگیر کا مقبرہ دیکھنے کیلئے بیشک جاؤ لیکن اُس کی قبر پر نہ کھڑے ہونا کیونکہ اُس نے ہمارے **ایک بھائی حضرت مجدد الف ثانی** کی ہتک کی تھی"۔

ایک لمبا زمانہ گزرنے پر بھی ایک مسلمان بادشاہ کے ایسے فعل پر جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے اسلامی تاریخ میں گویا ایک عام واقعہ ہے کیونکہ مسلمان بادشاہوں کے زمانہ میں ایسے کئی واقعات گزر چکے ہیں، حضرت اقدس علیہ السلام کا اس قدر غیرت ظاہر کرنا اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کیلئے بھائی جیسا پیارا لفظ استعمال کرنا اس یگانگت اور محبت اور عقیدت کی ایک بہت روشن مثال ہے جو آپ کے دل میں امت محمدیہؐ کے صلحاء کیلئے موجزن تھی جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس ارشاد میں خود وضاحت فرما دی ہے۔ حضور کی اس ہدایت کا یہ مطلب نہیں تھا کہ کسی مسلمان کو جہانگیر کا مقبرہ نہیں دیکھنا چاہیے۔ وہ ایک جاہ وجلال والا بادشاہ تھا اور ہمیں اپنے قومی اکابر اور بزرگوں بلکہ غیر قوموں کے بزرگوں کی بھی عزت کرنے کا حکم ہے۔ مگر چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے بچوں کے دل میں غیر معمولی اسلامی غیرت اور صلحاء امت کا غیر معمولی ادب پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے آپ نے اس موقعہ پر اپنی اولاد کو ایک خاص نوعیت کی نصیحت کرنی مناسب خیال فرمائی۔ ۴۶

حضرت سیّد احمد بریلویؒ صرف ہندوستان کے مجدد تھے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے فرمایا:-

"حضرت سیّد احمد صاحب بریلوی بھی بیشک مجدد تھے مگر ساری دنیا کیلئے نہیں تھے۔ بلکہ صرف ہندوستان کے مجدد تھے۔ اگر کہا جائے کہ وہ ساری دنیا کے مجدد تھے تو سوال

پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے عرب کو کیا ہدایت دی۔ انہوں نے مصر کو کیا ہدایت دی۔ انہوں نے ایران کو کیا ہدایت دی۔ ان ملکوں کی ہدایت کیلئے انہوں نے کوئی کام نہیں کیا......'' ۴۷

سیّد احمد صاحب بریلویؒ بطور ارہاص کے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے فرمایا:-

''اب ہم دیکھتے ہیں کہ یحییٰ کس بات میں بے مثل تھے۔ اس نقطہ نگاہ سے جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یحییٰ وہ پہلے نبی ہیں جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ الیاس کا نام پا کر آئے ہیں۔ گویا ارہاص والے نبیوں میں سے یہ پہلے نبی تھے جو الیاس کا نام پا کر اسی کی خو بو پر آئے۔ اس سے پہلے پرانے نبیوں میں کوئی ایسا نبی نہیں مل سکتا جو کسی دوسرے نبی کیلئے بطور ارہاص کے طور پر آیا ہو۔ لیکن یحییٰ کے بعد حضرت مسیحؑ آ گئے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارہاص تھے۔ اور پھر حضرت سیّد احمد صاحب بریلوی آ گئے جو حضرت مسیح موعودؑ کیلئے ارہاص تھے۔ پس **لم نجعل له من قبل سميًا** میں یہی خبر دی گئی تھی''۔ ۴۸

سیّد احمد بریلویؒ کا ساتھی مسیح موعود کے چرنوں میں

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ فرماتے ہیں:-

''سیّد احمد صاحب بریلوی کا ایک مرید جو بہت بوڑھا اور ایک سو سال کی عمر اپنی بتلاتا تھا اور سیّد صاحب کے زمانہ جہاد وغیرہ کی باتیں کرتا تھا۔ ایک دفعہ قادیان آیا اور حضرت صاحبؑ کی بیعت میں داخل ہوا اور غالباً ایک سال بعد دوبارہ بھی آیا اس کے بعد جلد اس کی وفات کی خبر آ گئی۔ اس کے بال مہندی سے رنگے ہوئے سرخ تھے''۔ ۴۹

حضرت سیّد احمد بریلویؒ غافلوں پر حجت تھے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:-

''حضرت مسیح موعودؑ سے پہلے حضرت مجدد صاحب بریلوی یا حضرت مولوی محمد اسمٰعیل

صاحب شہید اور اسی طرح بعض اور بزرگ گزرے ہیں مگر یہ چالیس کروڑ مسلمانوں میں سے چند نفوس تھے جو خدا تعالیٰ سے ملے۔ ان لوگوں کو خدا تعالیٰ نے یہ دکھانے کیلئے بھیجا تھا کہ اسلام اب بھی اپنے اندر طاقت رکھتا ہے اور اب بھی وہ لوگوں کو زندہ کرسکتا ہے۔ اب بھی وہ انہیں خدا تعالیٰ کے دربار تک پہنچا سکتا ہے۔ قومی طور پر ان کے وجود سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ پس حضرت سیّد احمد صاحب بریلویؒ کہا کرتے تھے کہ وہ درحقیقت حجت تھے سُستوں پر، وہ حجت تھے غافلوں پر اور وہ یہ بتانے کیلئے بھیجے گئے تھے کہ اسلام اب بھی اپنے اندر زندگی بخش اثرات رکھتا ہے''۔ ۵۰

سَلَامٌ عَلٰی اِلْیَاسِیْنَ

حضرت سیّد احمد صاحب بریلویؒ الیاس کے رُوپ میں

حضرت مصلح موعود نوراللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:-

''ہماری جماعت کا اعتقاد ہے الیاس کی بجائے الیاسین کا لفظ اللہ تعالیٰ نے اس لیے استعمال کیا کہ یہاں ایک سے زیادہ الیاس مراد ہیں۔ ایک تو وہ الیاس ہیں جو اسرائیلی انبیاء کے وسط میں گزر چکے ہیں۔ دوسرے الیاس یوحنا ہیں جو حضرت عیسیٰؑ سے معاً پہلے آئے اور تیسرے الیاس حضرت سیّد احمد صاحب بریلویؒ ہیں جو حضرت مسیح موعودؑ سے پہلے آئے۔ چونکہ نزول قرآن سے پہلے دو الیاس دنیا میں آ چکے تھے اور ایک الیاس نے ابھی آنا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے **سلام علی الیاس** کی بجائے **سلام علی الیاسین** کہہ کر اس صدی کی طرف اشارہ کر دیا''۔ ۵۱

اس صدی کے دوسرے مجددین کے نام یہ ہیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، مولوی محمد اسمٰعیل شہید دہلوی، شاہ رفیع الدین دہلوی اور بعض نے شاہ عبدالقادر کو بھی مجدد تسلیم کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سیّد احمد شہید۔ صفحہ 445

۲۔ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد دوم صفحہ 137

۳۔ مکاتیب شاہ اسمٰعیل۔ صفحہ 50 بحوالہ سیّد احمد شہید۔ صفحہ 266

۴۔ تفسیر کبیر۔ جلد 8 صفحہ 198

۵۔ سیّد احمد شہید از غلام رسول مہر۔ صفحہ 65

۶۔ ایضاً۔ صفحہ 67

۷۔ ایضاً۔ صفحہ 76

۸۔ ایضاً۔ صفحہ 71

۹۔ منظورہ۔ صفحہ 54

۱۰۔ تحفہ گولڑویہ۔ صفحہ 45

۱۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد 2 صفحہ 139

۱۲۔ مخزن احمدی بحوالہ سیرت سیّد احمد شہید۔ صفحہ 254

۱۳۔ ایضاً۔ صفحہ 111

۱۴۔ ایضاً۔ صفحہ 120

۱۵۔ ایضاً۔ صفحہ 124

۱۶۔ ایضاً۔ صفحہ 130

۱۷۔ منظورہ بحوالہ سیّد احمد شہید۔ صفحہ 143

۱۸۔ امیر الروایات بحوالہ سیرت سیّد احمد شہید۔ صفحہ 258

۱۹۔ ارواحِ ثلاثہ صفحہ 96 بحوالہ سیّد احمد شہید از غلام رسول مہر۔ صفحہ 72

۲۰۔ ایضاً۔ صفحہ 75

۲۱۔ سیارہ ڈائجسٹ اولیاء کرام نمبر 2۔ صفحہ 466

۲۲؎ سیرت سیّد احمد شہید۔ صفحہ 153-155

۲۳؎ وصایا انوری بحوالہ سیرت سید احمد شہید۔ صفحہ 269

۲۴؎ ایضاً۔ صفحہ 194

۲۵؎ ایضاً۔ صفحہ 171

۲۶؎ سید احمد شہید۔ صفحہ 157

۲۷؎ ماخوذ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد 2 صفحہ 138

۲۸؎ بحوالہ سیرت سیّد احمد شہید از غلام رسول مہر۔ صفحہ 216

۲۹؎ سیرت سیّد احمد شہید از سیّد سلیمان ندوی۔ صفحہ 69-70

۳۰؎ امیر الروایات بحوالہ سیرت سیّد احمد شہید۔ صفحہ 236

۳۱؎ ایضاً۔ صفحہ 236

۳۲؎ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد 2 صفحہ 139

۳۳؎ ایضاً

۳۴؎ سیّد احمد شہید از غلام رسول مہر۔ صفحہ 343

۳۵؎ سیّد احمد شہید۔ صفحہ 231

۳۶؎ Travels in India vol I, P-164 بحوالہ سیرت سیّد احمد شہیدؒ۔ صفحہ 338

۳۷؎ تواریخ عجیبیہ۔ صفحہ 91

۳۸؎ ملفوظات۔ جلد 2 صفحہ 207

۳۹؎ سیرت سیّد احمد شہید۔ صفحہ 248

۴۰؎ ایضاً۔ صفحہ 172

۴۱؎ ایضاً۔ صفحہ 406

۴۲؎ سیرت سیّد احمد شہید۔ صفحہ 465

۴۳؎ تحفہ گولڑویہ۔ صفحہ 45

۴۴؎ ملفوظات۔ جلد پنجم صفحہ 356

۴۵؎ ملفوظات۔ جلد دوم صفحہ 506

۴۶؎ سیرۃ طیبہ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ۔ صفحہ 104
۴۷؎ تفسیر کبیر۔ جلد ہفتم صفحہ 199-200
۴۸؎ تفسیر کبیر۔ جلد پنجم صفحہ 130-131
۴۹؎ ذکر حبیب از حضرت مفتی محمد صادقؓ۔ صفحہ 175
۵۰؎ تفسیر کبیر۔ جلد ششم صفحہ 337
۵۱؎ تفسیر کبیر۔ جلد نہم صفحہ 170

ایک نئی تحقیق

خاکسار مکرم ومحترم ناظر صاحب اشاعت مکرم ومحترم عبدالحئی شاہ صاحب کے دفتر میں ایک کام کے سلسلہ میں حاضر ہوا تو آپ نے از راہِ شفقت پوچھا کہ اب کیا کام ہو رہا ہے۔ خاکسار نے بتایا کہ ''مجدّدین اُمت محمدیہ اور ان کے تجدیدی کارنامے'' تحریر کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ انڈونیشیا ملائشیا کی طرف جو بزرگ تجدید دین کیلئے آئے ہیں ان کا بھی پتہ کرنا چاہیے۔ یہ بات ہمارے لیے بالکل نئی تھی۔ چنانچہ خاکسار نے مکرم ومحترم مولانا محمود احمد چیمہ صاحب سابق مبلغ انڈونیشیا جو تیس سال سے زائد عرصہ خدمت دین کرنے کے بعد لوٹے تھے، سے ملا اور اپنا مدعا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ مکرم مولانا عبدالباسط صاحب امیر جماعتہائے احمدیہ انڈونیشیا کو لکھیں کہ وہ تحقیق کر کے بھجیں۔ چنانچہ مکرم مولانا عبدالباسط صاحب کو لکھا گیا۔ آپ نے از راہِ شفقت جو تحقیق بھیجی وہ حاضر خدمت ہے۔

اس کا ترجمہ مکرم ومحترم مولانا محمود احمد چیمہ صاحب طال اللہ عمرھم نے کیا ہے۔ ان کی طرف سے ایک اضافی نوٹ بھی شروع میں دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

صفدر نذیر گولیکی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم ومحترم جناب صفدر نذیر گولیکی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

آپ کے مسودہ بنام ولی سونگو کا ترجمہ خاکسار نے کردیا ہے جو لف ہذا ہے۔

ولی سونگو کے معنے ہیں کہ دیوان مبلغ جو نو (9) افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔ جو ترکی، ایران اور فلسطین سے آئے۔ جب ان میں سے کوئی وفات پاجاتا یا چلا جاتا تو اس کی جگہ پر لوکل ولی علماء کا انتخاب کرلیا جاتا۔ اس لیے اکثر اوقات ایک وقت میں نو (9) ولی ہوتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام مجدد کی طرح اِن ولی یا اولیاء یا علماء بزرگوں کے ساتھ مجدد کا لفظ اس مسودہ میں نہیں ہے اور مجدّدین کے بارہ میں جو حدیث ہے:-

ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا

(ابوداوٗد۔ مشکوٰۃ)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مجدّدین کو اللہ تعالیٰ مبعوث کرے گا۔ یعنی ان کو مجدد ہونے کا الہام ہوگا۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہوا۔ اور الفاظ ھذہ الامۃ بتاتے ہیں کہ مجدّدین مسلمانوں کی اصلاح کیلئے آئیں گے۔ لیکن مندرجہ ذیل مسودہ میں انڈونیشیا میں پہلے ہندو اور بدھ مذہب پھیلا تو مسلمان اولیاء، علماء اور بزرگوں نے دوسرے ملکوں سے آکر اسلام کو پھیلایا۔ البتہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے فرمان کے مطابق تمام احمدی مبلغین بھی مجدد ہیں۔ اس لیے مندرجہ ذیل اولیاء، علماء اور بزرگوں کو بھی مجدد کہا جاسکتا ہے۔

مجدد کو انگریزی میں Reformer کہتے ہیں اور انڈونیشن زبان میں Pembaharu یعنی اصلاح کرنے والا۔ چونکہ ان اولیاء اور علماء نے ہندوؤں اور بدھوں کی عادات، روایات کی جگہ پر اسلام کی اعلیٰ تعلیمات داخل کیں اس لحاظ سے وہ مجدد یا مصلح کہلا سکتے ہیں۔

طالب دُعا- خاکسار

محمود احمد چیمہ

WALI SONGO

Para Penyebar Agama Islam di Tanah Jawa

A. Pendahuluan

Sesungguhnya jauh sebelum para wali (walisongo) menyebarkan Islam di tanah Jawa. Sebenarnya sudah ada masyarakat Islam di daerah-daerah pantai utara. Hal ini bisa dibuktikan dengan adanya makam seorang wanita bernama Fatimah binti Maimun yang meninggal pada tahun 475 H atau 1082 M.

Namun jumlah mereka sangat sedikit dibandingkan dengan jumlah masyarakat yang beragama Budha dan Hindu. Sehingga pada tahun 1404 M, Sultan Muhammad I yang saat itu memerintah Turki untuk pertama kalinya mengutus seorang ulama Turki yang bernama **Maulana Malik Ibrahim** untuk membina dan menyebarkan Islam di tanah Jawa tersebut. Kemudian setelah itu diutusnya pula beberapa ulama lainnya untuk membantu beliau, mereka adalah:

1. **Maulana Ishak**, berasal dari Samarqand (dekat Bukhara-Rusia Selatan) ahli pengobatan wafat di Pasai- Aceh.
2. **Maulana Ahmad Jumadil Kubra**, berasal dari Mesir wafat di Mojokerto- Jawa Timur.
3. **Maulana Muhammad Al-Magrobi**, berasal dari Maghrib-Maroko wafat tahun 1465 M di Jatinom Klaten- Jawa Tengah.
4. **Maulana Malik Isroil**, berasal dari Turki, ahli mengatur Negara wafat tahun 1435 M. di makamkan di Gunung Santri.
5. **Maulana Muhammad Ali Akbar**, berasal dari Persia- Iran, ahli pengobatan wafat tahun 1435 M. Makamnya di Gunung Santri.
6. **Maulana Hasanuddin**, berasal dari Palestina wafat tahun 1462 M di Banten.
7. **Maulana Alayuddin**, berasal dari Palestina, wafat tahun 1462 M di banten.
8. **Syekh Subakir**, berasal dari Persia- Iran. Pada tahun 1462 M Kembali ke Persia dan wafat disanah.

Dan kemudian mereka ini lebih dikenal dengan sebutan walisongo. Walisongo adalah nama suatu dewan Mubaligh yang terdiri dari sembilan ulama yang apabila salah seorang dari mereka meninggal atau kembali ke negaranya maka akan diganti dengan yang lainnya.

Di dalam kitab Ulul Ibnul Bathuthah yang penulisannya dilanjutkan oleh Syekh Maulana Al-Maghrobi. Walisongo telah melakukan sidang sebanyak tiga kali, yaitu pada tahun 1404 M, 1436 M dan tahun 1463 M. Dan juga menurut KH. Dakhlan Abdul Qohar pada tahun 1466 M telah diadakan juga sidang untuk mengangkat dua orang wali menggantikan dua orang wali yang meninggal yaitu Maulana Muhammad Al-Maghrobi dan Maulana Ahmad Jumadil Kubro.

Para walisongo awalnya berasal dari Afrika Utara, Timur Tengah dan Bukhara. Mereka diutus ke tanah Jawa pada tahun 1404 M atau 808 H, atas perintah Sultan Muhammad I yang saat itu memerintah Turki.

Namun ketika sebagian dari antara mereka wafat atau kembali ke negaranya. Maka kedudukan mereka di Dewan Mubaligh digantikan oleh ulama-ulama lain baik yang diutus oleh Kesultanan Turki ataupun putra-putra pribumi yang didalamnya juga terdapat putra-putra para wali itu sendiri. Seperti

1. **Raden Ahmad Ali Rahmatullah** yang terkenal dengan sebutan Raden Rahmat atau *Sunan Ampel*, berasal dari Cempa- Muangthai Selatan, diutus pada tahun 1421 M untuk menggantikan Maulana Malik Ibrahim yang wafat tahun 1419 M.
2. **Sayyid Ja'far Shaddiq** berasal dari Palestina, diutus pada tahun 1436 M untuk menggantikan Maulana Malik Isroil yang wafat tahun 1435 M.
3. **Syarif Hidayatullah** yang terkenal dengan sebutan *Sunan Gunung Jati*, berasal dari Palestina diutus pada tahun 1436 M menggantikan Maulana Ali Akbar yang wafat tahun 1435 M.
4. **Raden paku** yang terkenal dengan nama *Sunan Giri*, putra Maulana Ishak yang menikah dengan R. Dewi Sekardadu putri Kerajaan Blambangan. Beliau menggantikan kedudukan ayahnya yang telah pindah ke negri Pasai-Aceh
5. **Raden Makdum Ibrahim** yang terkenal dengan sebutan *Sunan Bonang*, putra Sunan Ampel, yang menggantikan Maulana Hasanuddin yang wafat tahun 1462 M
6. **Raden Said** yang terkenal dengan nama *Sunan Kalijaga*, putra Adipati Wilatikta yang berkedudukan di Tuban-Jawa Timur, menggantikan Syekh Subakir yang kembali ke Persia pada tahun 1462 M.
7. **Raden Jafar Shaddiq** yang terkenal dengan nama *Sunan Kudus*, putra Sunan Ngudung atau Raden Usman Haji dari Jipang- Jawa Tengah Menggantikan Maulana Alayuddin yang wafat tahun 1462 M.
8. **Raden Fattah**, putra Raja Brawijaya Majapahit yang menggantikan Maulana Ahmad Jumadil Kubra yang wafat di Mojokerto- Jawa Tengah Dan kemudian dinobatkan menjadi Sultan atau Raja Demak tahun 1468 M.
9. **Raden Qosim** yang dikenal dengan sebutan *Sunan Drajad*, putra Sunan Ampel yang menggantikan Maulana Muhammad Al-Maghrobi yang wafat tahun 1465 M.
10. **Raden Umar Said** yang dikenal dengan *Sunan Muria*, putra Sunan Kalijaga.
11. **Fathullah Khan**, putra Sunan Gunungjati, beliau dipilih sebagai anggota walisongo menggantikan ayahnya yang telah berusia lanjut
12. **Sunan Bayat** atau Ki Pandhanarang mantan bupati Semarang-Jawa Tengah
13. **Syekh Siti Jenar** atau Syekh Lemah Abang

Wali-wali tersebut terbagi menjadi beberapa periode, dan tiap-tiap periode jumlah mereka harus tetap sembilan dan apabila ada diantara mereka meninggal atau kembali ke negeri asalnya, maka mereka akan mengangkat yang lainnya agar jumlahnya tetap genap sembilan.

Diantara sekian walisongo tersebut yang namanya sangat melegenda dan termasyur di masyarakat adalah:

1. **Maulana Malik Ibrahim**,
2. **Raden Ahmad Ali Rahmatullah** yang terkenal dengan sebutan *Sunan Ampel*
3. **Syarif Hidayatullah** yang terkenal dengan sebutan *Sunan Gunung Jati*,
4. **Raden paku** yang terkenal dengan nama *Sunan Giri*,.
5. **Raden Said** yang terkenal dengan nama *Sunan Kalijaga*,
6. **Raden Makdum Ibrahim** yang terkenal dengan sebutan *Sunan Bonang*,
7. **Raden Jafar Shaddiq** yang terkenal dengan nama *Sunan Kudus*,
8. **Raden Qosim** yang dikenal dengan sebutan *Sunan Drajad* dan
9. **Raden Umar Said** yang dikenal dengan *Sunan Muria*.

B. Kisah Para Walisongo yang Melegenda di Masyarakat

1. Maulana Malik Ibrahim

Ulama Turki yang diutus pertama kali ke tanah Jawa oleh Sultan Turki, Muhammad I pada tahun 1404 M ini merupakan seorang ahli tata negara dan juga ahli pertanian dan pengobatan. Beliau wafat pada tahun 1419 M di Gersik-Jawa Timur.

Pada masa itu kerajaan yang berkuasa di Jawa Timur adalah Majapahit yang rakyatnya kebanyakan beragama Hindu dan Budha. Namun karena beliau pernah bertugas di wilayah Gujarat- Hindia yang merupakan basis agama Hindu maka beliau tidak terlalu kesulitan dalam menghadapi mereka.

Masyarakat setempat menjuluki beliau dengan sebutan Kakek Bantal karena kedekatan beliau pada fakir miskin, dan kepribadian beliau yang menyenangkan sehingga beliau juga sangat dihormati dan disegani baik oleh masyarakat umum, para Sultan, para Pangeran maupun para Mentri. Hal ini dapat ditemukan di dalam tulisan yang tertera di batu nisannya yang isinya"

"Inilah makam Almarhum Almaghfur, yang berharap rahmat Tuhan, kebanggaan para Pangeran, sendi para Sultan dan para Menteri, penolong fakir miskin, yang berbahagia lagi syahid, cemerlangnya simbol negara dan agama, Malik Ibrahim yang terkenal dengan Kakek Bantal. Allah meliputinya dengan Rahmat-Nya dan keridhaan-Nya, dan dimasukkan ke dalam surga. Telah wafat pada hari senin 12 Rabiul Awwal tahun 822 H."

Beliau mendirikan pesantren sebagai tandingan untuk Hindu yang mendirikan mandala-mandala untuk mencetak kader-kader pemimpin agama mereka. Hubungan beliau dengan pemimpin-pemimpin kerajaan Majapahit sangat baik hal ini terbukti dengan diberikannya daerah Gersik untuk dikelolah dibawah pimpinan sang wali.

2. Sunan Ampel

Beliau terlahir dengan nama Sayyid Ali Rahmatullah, putra Syekh Ibrahim Samarqandi dari Bukhara yang menikah dengan Dewi Candrawulan, putri raja Cempa dari Muangthai

Ibunya, Dewi Cendrawulan mempunyai adik yang bernama Dewi Dwarawati yang diperistri Prabu Brawijaya, Raja Majapahit dari Jawa. Oleh karena itu beliau merupakan keponakan dari raja Jawa tersebut.

Ketika diutus ke Jawa, beliau dijodohkan dengan salah satu putri Majapahit yang bernama Dewi Candrawati. Karena beliau menantu raja maka beliaupun diberi gelar Raden—gelar penghormatan yang diberikan untuk pangeran-pangeran Kerajaan ditanah Jawa. Yang kemudian beliau lebih akrab dipanggil dengan sebutan Raden Rahmat.

Beliau diberikan tanah di daerah Ampeldenta wilayah Surabaya-Jawa Timur dan mengembangkan pertablighannya disanah. Beliau merupakan seorang wali yang mempertahankan dan mengajarkan kemurnian syariat Islam sesuai ajaran Rasulullah saw., tanpa ada interpolasi dari kebiasaan atau adat istiadat setempat.

Karena beliau tinggal di daerah Ampeldenta dan berdakwah disanah maka beliau lebih dikenal dengan sebutan Sunan Ampel—Sunan sendiri berasal dari kata Susuhan yang artinya Yang dijunjung tinggi atau panutan masyarakat setempat. Ada juga yang mengatakan Sunan berasal dari kata Suhu Nan yang artinya Guru besar atau orang yang berilmu tinggi.

Beliau merupakan orang yang pertama kali yang menciptakan huruf *Pegon*
atau tulisan Arab yang berbahasa Jawa.
Setelah Syekh Maulana Malik Ibrahim wafat beliau menggantikannya dan
diangkat menjadi mufti se-tanah Jawa serta sebagai penasehat Raja Demak
Bintoro—kerajaan Islam pertama di tanah Jawa. Beliau wafat pada tahun 1478 M.

3. Sunan Giri

Sunan Giri yang nama lainnya Joko Samudra atau Raden Paku adalah putra
dari Syekh Maulana Ishak, seorang anggota walisongo yang pindah ke negri Pasai-
Aceh, dan menikah dengan putri Raja Blambangan, Dewi Sekardadu.
Beliau lahir pada tahun 1442 M. Giri sendiri dalam bahasa sansekerta artinya
Gunung. Jadi beliau merupakan Sunan yang mengembangkan Islamnya dari salah
satu daerah dataran tinggi di Gersik-Jawa Timur yang kemudian disulap menjadi
sebuah pesantren terbesar dan terpengaruh yang bernama pesantren Giri, dan
lambat-laun pesantren tersebut berubah menjadi sebua Kedaton atau Kerajaan
yang kekuasaannya berlangsung hampir 200 tahun lamanya.
Sunan Giri merupakan murid Sunan Ampel sehingga dalam menyebarkan
Islampun sama seperti Sunan Ampel yaitu menyebarkan menurut apa yang
diajarkan Rasulullah saw., tanpa dibumbuhi atau dicampuri dengan adat istiadat
lama. Namun walaupun begitu beliau sangat senang kepada kesenian. Sehingga
banyak sekali jasa beliau dalam bidang kesenian seperti tembang Asmarandana,
Pucung, Jamuran, Cublak-cublak Suweng, Jithungan dan Delikan yang semuanya
merupakan nasehat agar tetap berpegang teguh kepada Tauhid. Dan beliau wafat
pada tahun 1506 M.

4. Sunan Bonang

Bonang adalah alat musik sejenis kuningan yang ditonjolkan dibagian
tengahnya. Bila benjolan itu dipukul dengan kayu lunak maka akan menimbulkan
suara yang merdu.
Sunan Bonang sendiri merupakan putra Sunan Ampel yang nama aslinya
Raden Makdum Ibrahim. Beliau adalah seorang wali yang memiliki citra rasa
kesenian yang tinggi. Oleh karena itu banyak menciptakan tembang yang isinya
menggambarkan keagungan Islam. Beliau juga menciptakan suatu karya sastra
yang disebut Suluk yang sampai sekarang masih disimpan rapi di Perpustakaan
Universitas Leiden, Belanda.
Dalam bertabligh Raden Makdum Ibrahim sering mempergunakan Bonang
sebagai sarana tablighnya. Sehingga banyak menarik perhatian rakyat dan sejak itu
pun beliau lebih dikenal dengan nama Sunan Bonang. Daerah pertablighannya
meliputi Lasem, Rembang, Sempadan dan Tuban-Jawa Timur.
Beliau wafat pada tahun 1525 M.

5. Sunan Kalijaga

Sunan Kalijaga adalah keturunan dari Ranggalawe panglima ternama
Majapahit. Beliau putra Tumenggung Wilatikta atau Raden Sahur, Adipati
Tuban yang berkuasa saat itu. Beliau bernama asli Raden Said.
Sunan Kalijaga adalah seorang wali yang memasukan unsur-unsur Islam
kedalam adat dan tradisi Jawa. Beliau tidak pernah menghilangkan kebiasaan, adat

istiadat dan budaya Jawa yang memang pengaruh ajaran Hindhu dan Budha sudah kental didalamnya. Namun beliau berusaha mengganti pengaruh-pengaruh ajaran tersebut dengan ajaran Islam. Sebagai contoh *Tahlilan* atau dalam bahasa Jawa disebut *Selamatan*- suatu upacara (ritual) yang dihadiri banyak orang dan dipimpin oleh seorang ahli agama yang membacakan mantera-mantera untuk mengusir roh jahat, didalamnya banyak sekali disajikan makanan dan minuman yang sengaja diberikan untuk roh-roh tersebut dan setiap orang yang menghadirinya dilarang memakannya. Sunan Kalijaga merevisi ritual tersebut dengan mengganti mantera-mantera tersebut dengan ayat-ayat Al-Qur'an dan pujian-pujian terhadap Rasulullah saw dan menyuruh orang yang menghadirinya untuk memakan hidangan tersebut.

Ketika peresmian Masjid Demak, beliau mengusulkan agar dibuka dengan pertunjukan wayang yang pada waktu itu bentuknya merupakan gambar manusia yang dilukis pada sebuah kulit binatang. Namun usul beliau ditolak oleh Sunan Giri karena wayang tersebut merupakan gambar orang yang tidak dibenarkan oleh syariat. Tapi Sunan Kalijaga telah merubah lukisan tersebut menjadi sebuah gambar yang sama sekali tidak mirip dengan manusia maupun dengan makhluk lainnya. Sehingga para walipun mengijinkan peresmian Masjid Demak tersebut dengan pagelaran wayang yang didalangi langsung oleh beliau, dan *Syahadat* sebagai karcis masuk untuk masyarakat yang ingin melihat pertunjukan tersebut.

Sikapnya yang lunak terhadap adat istiadat dan tradisi lama pernah ditentang oleh Sunan Ampel, Sunan Giri, dan Sunan Drajad. Karena dikhawatirkan di kemudian hari adat istiadat dan tradisi serta upacara lama itu akan dianggap sebagai ajaran yang berasal dari agama Islam. Jika hal ini dibiarkan nantinya akan menjadi bid'ah. Namun Sunan Kudus salah seorang wali yang mendukung pikiran dan pandangan Sunan Kalijaga memastikan bahwa pasti dibelakang hari akan ada orang yang menyempurnakan dan menghilangkan serta menepis tradisi-tradisi tersebut.

Beliau wafat di Kadilangu, Demak- Jawa Tengah.

6. Sunan Kudus

Nama asli beliau adalah Raden Jafar Sodiq, putra dari Raden Usman Haji atau Sunan Ngundung seorang senopati Kerajaan Demak dan ketika Raden Usman Haji wafat maka beliaulah yang menggantikannya menjadi senopati.

Kudus merupakan nama suatu daerah tempat Raden Jafar Sodiq mengembangkan dan menyebarkan Islam. Sehingga beliau lebih dikenal dengan nama Sunan Kudus.

Dalam bertabligh beliau termasuk seorang wali yang mendukung gagasan Sunan Kalijaga yaitu membiarkan dahulu adat istiadat dan kepercayaan lama yang sukar diubah tanpa harus memaksa menghapus agama kebiasaan atau dengan cara yang lain. *Melainkan tetap mengikuti adat dan kebiasaan tersebut* dengan berusaha sedikit demi sedikit mempengaruhi dan memasukkan warna Islam kedalamnya. Namun untuk adat istiadat yang mudah dirubah maka segera dihilangkan.

Salah satu hasil kreasinya adalah bangunan Masjid yang dibentuk mirip dengan sebuah candi Hindu dan *padasan* atau tempat untuk mengambil air wudhunya dibentuk mirip dengan arca kaum Budha. Hal ini bertujuan untuk memancing rasa penasaran kaum Hindhu dan Budha hingga mudah untuk menyampaikan keindahan ajaran Islam kepada mereka.

Beliau juga wali yang menjaga tradisi *mitoni*—upacara yang dilakukan untuk menyambut seorang bayi yang masih dalam kandungan tuju bulan dengan membaca mantera-mantera agar anaknya setampan Arjuna dan secantik Dewi Ratih dengan memanjatkan doa'doa kepada para Dewa dan memberikan *sesajen* — -sebuah sajian yang dihidangkan kepada sesuatu yang dianggap mempunyai kekuatan yang besar, bisa mereka adalah para Dewa, roh-roh leluhur, ruh jahat, setan dsb.

Sunan Kudus mengganti bacaan-bacaan mantera-mantera tersebut dengan membaca surah Yusuf agar anaknya dapat setampan Nabi Yusuf dan surah Maryam agar anaknya secantik Siti Maryam, dengan memanjatkan doa'do'a kepada Allah Ta'ala dan menghidangkan makanan baik untuk yang hadir maupun untuk fakir miskin.

Beliau wafat dan dimakamkan di Kudus.

7. Sunan Drajad

Sunan Drajad merupakan adik kandung dari Sunan Bonang, putra dari Sunan Ampel. Nama asli beliau adalah Raden Qosim.

Dalam menyebarkan Islam beliau lebih cenderung kepada cara-cara ayahnya yaitu menyebarkan Islam sesuai yang diajarkan Rasulullah saw., dan berhati-hati terhadap adat istiadat lama yang dapat menumbulkan bid'a didalam agama Islam.

Beliau bertabligh didaerah Lamongan yang tepatnya disebuah bukit yang disebut Dalem Duwur dan mendirikan pesanteren disanah. Beliau wafat dan dimakamkan disanah.

8. Sunan Muria

Nama asli beliau adalah Raden Umar Said, putra dari Raden Said atau Sunan Kalijaga.

Beliau mendapatkan tugas bertabligh dan menyiarkan Islam disekitar Gunung Muria sehingga masyarakat setempat lebih mengenal beliau dengan nama Sunan Muria.

Dalam bertabligh Raden Umar Said lebih cenderung mengikuti cara dan pemahaman ayahnya yaitu mewarnai adat istiadat dan tradisi jawa dengan ajaran Islam tanpa harus menghilangkan adat atau tradisi itu sendiri. Beliau juga wali yang tetap mempertahankan kesenian gamelan dan wayang sebagai alat dakwah untuk menyampaikan Islam ke masyarakat-masyarakat tingkat bawah. Tembang Sinom dan Kinanti merupakan karya-karya peninggalan beliau dalam bidang kesenian.

9. Sunan Gunung Jati

Sunan Gunung Jati, berasal dari Palestina diutus pada tahun 1436 M menggantikan Maulana Ali Akbar yang wafat tahun 1435 M. Nama asli beliau sendiri adalah Syarif Hidayatullah.

Beliau mendapat tugas menyebarkan Islam di daerah Cirebon-perbatasan Jawa Tengah dan Jawa Barat, tepatnya disekitar Gunung Jati. Oleh karena itu beliau selanjutnya lebih dikenal dengan nama Sunan Gunung Jati.

Pada tahun 1479 M beliau pernah mengunjungi daratan Cina dan menyebarkan Islam disanah. Kemudian pada tahun 1481 M, Kaisar Hong Gei

yang saat itu merupakan penguasa Dinasti Ming mengambil beliau menjadi mantu dan dinikahkan dengan putrinya Ong Tien. Pada tahun itupun beliau kembali ke negri Jawa dengan istrinya yang empat tahun kemudian tepatnya tahun 1485 M wafat.

Beliau merupakan seorang wali yang ahli dalam bidang obat-obatan sehingga ketika berada di negri Cina beliau menjadikan keahliannya itu sebagai sarana dalam bertabligh dan menyebarkan Islam di negri tersebut. Dan sejarah mencatat bahwa tiga orang pembesar Dinasti Ming, Jendral Ceng Hong dan Sekretaris Negara Ma Huan serta Sekretaris Negara Feis Hsin menjadi pengikut ajaran yang dibawah oleh Nabi Besar Muhammad SAW.

Sunan Gunung Jati wafat di Gunung Jati- Cirebon, dan putranya **Fathullah Khan**, dipilih sebagai anggota walisongo menggantikan kedudukan beliau

WALI SONGO

انڈونیشیا کے جزیرہ جاوا میں اسلام پھیلانے والے

(الف) پیش لفظ

تمام ولی سونگو (Wali Songo) کے جاوا میں اسلام پھیلانے سے قبل مشارکت اسلام موجود تھے۔مشرقی ساحل میں جاوا کے، کیونکہ وہاں پر ایک مسلمان عورت فاطمہ بنت میمون کی قبر ہے جو 475ہجری یا 1082ء میں فوت ہوئیں۔

لیکن بدھوں اور ہندوؤں کے مقابل پر ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔1404ء میں سلطان محمد اوّل جو اس وقت ترکی میں حاکم تھا اُس نے پہلی دفعہ ایک عالم ترکی جس کا نام مولانا ملک ابراہیم تھا کو جاوا میں اسلام پھیلانے کیلئے بھیجا۔اس کے بعد انہوں نے کچھ اور علماء کو بھیجا جو ان کے مددگار تھے جن کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) مولانا اسحٰق: جو کہ اصل سمرقند (بخارا۔رشیا جنوبی) کے تھے۔جو کہ طبیب تھے۔جنہوں نے Aceh میں وفات پائی۔

(۲) مولانا احمد جمادل کبریٰ: جو کہ اصل مصر Mesir سے تھے۔جنہوں نے Mjokerto مشرقی جاوا میں وفات پائی۔

(۳) مولانا محمد المغربی: اصل مغرب Maroko کے تھے۔جنہوں نے 1465ء میں بمقام Jatinom Klaten مڈل جاوا میں وفات پائی۔

(۴) مولانا ملک اسرائیل: جو کہ اصل ترکی سے تھے۔جو کہ ملکی انتظام کے اہل یا ماہر تھے۔جنہوں نے 1435 مسیحی میں وفات پائی۔تو پہاڑ Santri کے قریب ان کی قبر ہے۔

(۵) مولانا محمد علی اکبر: جو کہ اصل ایران سے تھے اور طبیب تھے۔انہوں نے 1435 مسیحی میں وفات پائی اور پہاڑ Santri کے قریب ان کی قبر ہے۔

(۶) مولانا حسن الدین: جو کہ اصل فلسطین سے تھے۔1462 مسیحی میں وفات پائی۔موضع

Banten میں مغربی جاوا میں ان کی قبر ہے۔

(۷) مولانا علاؤ الدین: جو کہ اصل فلسطین سے تھے اور موضع Banten مغربی جاوا میں وفات پائی۔

(۸) شیخ سوباکر: جو کہ اصل ایران سے تھے اور 1462 مسیحی میں واپس ایران گئے اور وہاں وفات پائی۔

ان سب علماء کو Wali Songo کہتے ہیں۔ گویا Wali Songo ایک دیوان مبلغین ہے۔ جو کہ نو (9) علماء پر مشتمل ہے۔ اگر ان میں سے کوئی وفات پاتا یا اپنے ملک کو واپس چلا جاتا تو اس کی جگہ پر ایک اور عالم کو تبدیل کیا جاتا تھا۔

کتاب Ulul Bin Bathatha جس کا لکھنا مولانا محمد المغربی نے جاری رکھا۔ Wali Songo نے تین دفعہ مجلس یا اجلاس منعقد کیا۔ یعنی 1404 مسیحی میں 1436 مسیحی میں اور 1465 مسیحی میں۔ مکرم عالم حاجی دھلان صاحب کے بیان کے مطابق مکرم عبد القہار صاحب نے 1466 مسیحی میں ایک مجلس قائم کی تاکہ دو Wali کی جگہ پر دو اور Wali تبدیل کئے جائیں جو کہ وفات پا گئے۔ یعنی مولانا المغربی اور مولانا احمد جمادل کیرو صاحب۔

تمام Wali Songo پہلے اصل شمالی افریقہ، مشرقی وسطیٰ اور بخارا کے تھے۔ ان کو 1404 مسیحی تا 808 ہجری میں سلطان محمد اوّل جو کہ ترکی کے حاکم تھے نے جاوا میں بھجوایا۔

جب ان میں سے کوئی وفات پا جاتا یا وہ اپنے ملک واپس چلا جاتا تو ان کی جگہ پر دیوان مبلغین اور علماء تبدیل کرتے خواہ وہ سلطان ترکی کی طرف بھجوائے جاتے یا کہ لوکل علماء جو کہ سارے ولیوں کی اولاد سے تھے جیسے:

(۱) راڈین احمد رحمت اللہ: جو کہ راڈین رحمت یا سنتن (بزرگ) امپل کے نام سے مشہور تھے۔ جو کہ جنوبی Cempa-Maungthei کے تھے۔ 1421 مسیحی میں وہ بھجوائے گئے تاکہ مولانا ملک ابراہیم کی جگہ کام کریں جو کہ 1419 مسیحی میں وفات پا گئے۔

(۲) سیّد جعفر صادق: جو کہ اصل فلسطین میں سے تھے۔ ان کو 1436 مسیحی میں بھجوایا گیا۔ جو کہ مولانا ملک اسرائیل کی جگہ پر آئے جو 1435 مسیحی میں وفات پا گئے۔

(۳) شریف ہدایت اللہ: جو کہ سنتن (بزرگ) پہاڑ جاتی کے نام سے مشہور تھے۔ اصل فلسطین

سے تھے۔1436 مسیحی میں بھجوائے گئے جو کہ مولانا علی اکبر کی جگہ پر آئے۔جنہوں نے 1435 مسیحی میں وفات پائی۔

(۴) راڈین پاکو: جو کہ سنتن گیری کے نام سے مشہور تھے اور مولانا اسحٰق کے بیٹے تھے۔جنہوں نے آر۔دیوی بسکارڈاڈر سے نکاح کیا۔جو کہ راجہ بالمبانگن کی بیٹی تھی۔انہوں نے اپنے باپ کی جگہ لی جو کہ Aceh سماٹرا واپس چلے گئے۔

(۵) راڈین مکدوم ابراہیم: جو کہ سنتن بانگ کے نام سے مشہور تھے اور سنتن آمپل کے بیٹے تھے جنہوں نے مولانا حسن الدین کی جگہ لی جو کہ 1462 مسیحی میں وفات پا گئے۔

(۶) راڈین سعید: جو کہ سنتن کالی جاگہ کے نام سے مشہور تھے۔جو کہ آڈی پاتی ولاتیکا کے بیٹے تھے جو کہ توبان مشرقی جاوا کے رہنے والے تھے۔اور شیخ سوباکر کی جگہ پر آئے۔جو کہ 1462 مسیحی میں ایران واپس چلے گئے تھے۔

(۷) راڈین جعفر صادق: جو کہ سنتن کدس کے نام سے مشہور تھے۔جو کہ سنتن آنگوڈنگ یا راڈین عثمان حاجی کے بیٹے تھے جو کہ جیسپانگ مڈل جاوا کے رہنے والے تھے۔یعنی مولانا علاء الدین کی جگہ پر جو کہ 1462 مسیحی میں وفات پا گئے۔

(۸) راڈین فتح: جو کہ راجہ برادیجایا ماجا پاھت کے بیٹے تھے۔یعنی مولانا احمد جمادل کبریٰ کی جگہ پر جو کہ موجوکرتو مڈل جاوا میں وفات پا گئے۔پھر 1468 مسیحی میں ان کو سلطان یا راجہ ڈیماک کا تاج پہنایا گیا۔

(۹) راڈین قاسم: جو کہ سنتن دراجات کے نام سے مشہور تھے۔اور سنتن آمپل کے بیٹے تھے۔یعنی مولانا محمد المغربی کی جگہ پر جنہوں نے 1465 مسیحی میں وفات پائی۔

(۱۰) راڈین عمر سعید: جو کہ سنتن موریہ کے نام سے مشہور تھے اور سنتن کالی جاگہ کے بیٹے تھے۔

(۱۱) فاتھولا خاں: جو کہ سنتن پہاڑ جاتی کے بیٹے تھے۔ان کو ولی Songo کا ممبر بنایا گیا۔یعنی ان کے باپ کی جگہ پر جو کہ بوڑھے ہو گئے تھے۔

(۱۲) سنتن بایت یا عالم پاڈانارنگ: جو کہ سمارنگ مڈل جاوا کے سابق ڈپٹی کمشنر تھے۔

(۱۳) شیخ سی تی جنار یا شیخ لماہ آبنگ:

مندرجہ بالا اولیاء مختلف اوقات میں تھے لیکن ہر وقت ہی ان کی تعداد نو (9) تھی۔ جب ان میں سے کوئی وفات پا جاتا یا اپنے ملک کو واپس چلا جاتا تو ان کی جگہ پر کسی اور کا انتخاب ہوتا تاکہ نو (9) تعداد پوری رہے۔

مذکورہ ولی سونگو میں سے جو پبلک میں مشہور تھے ان کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) مولانا ملک ابراہیم:

(۲) راڈین احمد علی رحمت اللہ: جو کہ سنن آمپل کے نام سے مشہور تھے۔

(۳) شریف ہدایت: جو کہ سنن گننگ جاتی کے نام سے مشہور تھے۔

(۴) راڈین پاکو: جو کہ سنن گیری کے نام سے مشہور تھے۔

(۵) راڈین سعید: جو کہ سنن کالی جاگہ کے نام سے مشہور تھے۔

(۶) راڈین مکدوم ابراہیم: جو کہ سنن بانگ کے نام سے مشہور تھے۔

(۷) راڈین جعفر صادق: جو کہ سنن کدس کے نام سے مشہور تھے۔

(۸) راڈین قاسم: جو کہ سنن دراجات کے نام سے مشہور تھے۔

(۹) راڈین عمر سعید: جو کہ سنن موریہ کے نام سے مشہور تھے۔

(ب) تمام ولی سونگو جو کہ مشارکت میں مشہور تھے کی حکایت

(۱) **مولانا ملک ابراہیم:** سلطان محمد اوّل ترکی کی طرف سے پہلا عالم جو انڈونیشیا بھجوایا گیا یعنی 1404 مسیحی میں جو کہ حکومتی نظام کا ماہر اور زراعت اور طباعت کے علم میں ماہر تھے۔ انہوں نے 1419 مسیحی میں گرسیک مشرقی جاوا میں وفات پائی۔

اس وقت جو حکومت اقتدار میں تھی یعنی مشرقی جاوا میں وہ ماجاپاہت کی حکومت تھی۔ جس کی رعیت زیادہ تر بدھ اور ہندو تھے۔ چونکہ پہلے آپ کو گجرات انڈیا میں کام کرنے کا موقع مل چکا تھا جہاں کے رہنے والے ہندو تھے۔ اس لیے آپ کو دوبارہ ہندوؤں میں کام کرنے کی کوئی مشکل پیش نہ آئی۔

لوکل مشارکت آپ کو بزرگ دادا کے نام سے یاد کرتی۔ کیونکہ آپ ہر فقیر مسکین کی عزت کرتے تھے۔ آپ کی ذاتی وجاہت کی وجہ سے بھی لوگ آپ کی بہت عزت کرتے تھے۔ یعنی سب

سلطان، سب شاہزادے اور سب وزراء آپ کی عزت کرتے تھے۔ یہ حالات آپ کی قبر کے کتبہ سے معلوم ہوتے ہیں جہاں لکھا ہے:-

''یہ مرحوم و مغفور کی قبر ہے۔ جن پر خدا کی رحمت ہو۔ تمام شاہزادے، سارے سلطان اور سارے وزراء فقیر ملک ابراہیم کی مدد کرتے تھے۔ جو کہ بزرگ دادا کے نام سے مشہور تھے۔ اللہ تعالیٰ اس پر بہت رحمت نازل کرے۔ اور اپنی خوشنودی عطا کرے اور جنت میں داخل کرے۔ بروز سوموار 822 ہجری 12 ربیع الاوّل میں وفات پا گئے''۔

آپ نے ایک بڑا مذہبی مدرسہ قائم کیا۔ ہندوؤں کے مقابل پر جنہوں نے اپنے مذہب کے علماء بنانے کیلئے مذہبی سکول قائم کئے تھے۔ حکومت ماجاپاہت کے ساتھ آپ کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ اسی وجہ سے آپ کو گرسیک کا علاقہ دیا گیا جہاں پر آپ رہنمائی اور کنٹرول کرتے تھے۔

(۲) سنتن آمپل: جن کا اصلی نام سیّد علی رحمت اللہ تھا۔ اور شیخ ابراہیم سمرقندی جو کہ بخارا سے تھے کے بیٹے تھے۔ جنہوں نے دیوی چندراوالن سے نکاح کیا۔ جو کہ ماجاپاہت کے راجہ Cempa کی لڑکی تھی۔

اس کی والدہ دیوی چندراوالن کی ایک چھوٹی بہن تھی جس کا نام دیوی دادرتی تھا۔ جس کی شادی پرابو براوی جابا سے ہوئی جو کہ جاوا کا راجہ ماجاپاہت تھا۔ اس لئے آپ جاوا کے راجہ کے بھتیجے تھے۔ جب آپ کو جاوا بھجوایا گیا تو ماجاپاہت کی لڑکی سے آپ کی شادی ہوئی۔ جس کا نام چندراواتی تھا۔ چونکہ آپ راجہ کے داماد تھے اس لئے آپ کو راڈین کا خطاب دیا گیا۔ عزت کا خطاب جو کہ جاوا کے شہزادوں کو دیا جاتا تھا۔ پھر آپ کو راڈین رحمت سے پکارا جانے لگا۔

آپ کو سورابایا مشرقی جاوا میں آمپل ڈنڈا کا علاقہ دیا گیا۔ جہاں آپ نے تبلیغ کو پھیلایا۔ آپ ایک اچھے منتظم تھے اور اپنے علاقہ میں اسلام کی اعلیٰ تعلیم کو پھیلایا جو کہ نبی کریم ﷺ لے کر آئے تھے۔ لوکل عادات میں دخل دیئے بغیر آپ کام کرتے تھے۔ چونکہ آپ علاقہ آمپل ڈنٹا میں رہتے تھے اور وہاں تبلیغ کرتے تھے اس لیے آپ کو سنتن آمپل کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ سنتن کا لفظ دراصل سوسھن سے ہے جس کے معنے ہیں جس کی بہت عزت کی جائے یا کہ جو لوکل مشارکت کا لیڈر ہو اور رہنما ہو۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ سنتن کا لفظ اصل ساھونن ہے جس کے معنے ہیں بڑا اُستاد یا جس کا علم بڑا ہو۔

یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حروف پیگن یا عربی تحریر جوکہ جاوا کی زبان تھی جاری کی۔ جب ملک ابراہیم وفات پا گئے تو انہوں نے ان کی جگہ لی اور جاوا کی زمین کے مفتی قرار دیئے گئے نیز موضع ڈیمک کے راجہ بن تور کے مشیر بنے۔ جو کہ جاوا میں پہلی اسلامک حکومت تھی۔ آپ کی وفات 1478 مسیحی میں ہوئی۔

(۳) سنن گیری: آپ کا دوسرا نام جوکوسمندر رایا راڈین پا کو ہے اور یہ مولانا اسحٰق کے بیٹے تھے۔ اور یہ ولی سونگو میں سے ہیں جوکہ Aceh سماٹرا سے آئے اور راجہ بالا میانکن کی لڑکی دیوی سکارڈاڈو سے شادی کی۔

آپ 1442 مسیحی میں پیدا ہوئے۔ سنسکرت زبان میں گیری کے معنے پہاڑ کے ہیں یعنی آپ ایسے بزرگ تھے جنہوں نے گرسیک مشرقی جاوا کے علاقہ میں اسلام کو پھلایا۔ جہاں پر ایک بڑا مدرسہ قائم کیا جو مدرسہ گیری کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ مدرسہ آہستہ آہستہ ایک بادشاہت بن گیا۔ جس کی حکومت دوسو سال تک رہی۔

یہ سنن آمپل کے مرید تھے۔ انہوں نے سنتن آمپل کی طرح رسول کریم ﷺ کے مذہب اسلام کو پھیلایا اور لوکل عادات میں دخل نہ دیا۔ آپ لوکل نقش ونگار کو بہت پسند کرتے تھے۔ جیسے مذہبی عشق، گرم مصالحے کے درخت، کھانے پینے کی چیزیں، لیمپ کا تیل، بانسری سے علاج، چھپانا اور تلاش کرنے کی کھیل۔ ان امور میں ان کا مقصد نصیحت کرنا تھا تا کہ لوگ توحید پر قائم رہیں۔ آپ کی وفات 1506 مسیحی میں ہوئی۔

(۴) سنن بوننگ: بوننگ میوزک کا ایک آلہ ہے جس کا رنگ پیلا ہے اور ایک نرم لکڑی سے بجایا جاتا ہے اور دلکش آواز پیدا ہوتی ہے۔

یہ سنتن آمپل کے لڑکے تھے۔ جن کا اصلی نام راڈین مکدوم ابراہیم ہے۔ یہ ایک ایسے بزرگ تھے جو نقش ونگار کو بہت پسند کرتے تھے۔ جن کے ذریعہ یہ اسلام کی اعلیٰ خوبیوں کو بیان کرتے تھے۔ آپ نے ایسا لٹریچر پیدا کیا جس کو سولوک کہتے ہیں جوکہ اب تک ہالینڈ کی لائبریری لائیڈن میں محفوظ ہے۔

مکرم راڈین مکدوم ابراہیم اپنی تبلیغ میں اکثر بوننگ کا طریق استعمال کرتے تھے۔ جس کو رعیت

بہت پسند کرتی تھی۔ اوراس وقت سے آپ سنتن بونگ کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کا تبلیغ کا علاقہ لاسم، رمبانگ، سیمپاڈن، توبان مشرقی جاوا تھےاور 1525 مسیحی میں وفات پائی۔

(۵) سنن کالی جاگہ: یہ رنگاولو کمانڈر ماجاپاہت کی نسل سے ہیں۔ جوکہ تیمی گنگ والا تکتاک یا راڈین سھور کے لڑکے تھے۔ آڈی پاتی توبان اس وقت حاکم تھا۔ آپ کا اصلی نام راڈین سعید ہے۔

یہ ایک ایسے بزرگ ہیں جنہوں نے اسلام کی خوبیوں کو لوکل عادات اور روایات میں داخل کیا۔ جنہوں نے لوکل عادات کو تبدیل نہ کیا اور نہ ہی جاوا کی تہذیب کو تبدیل کیا جن پر ہندو اور بدھ مذہب کی تعلیمات کا اثر تھا۔ لیکن انہوں نے اس اثر کو آہستہ آہستہ اسلام کی تعلیمات سے تبدیل کیا۔ جیسے تہلیلن یا جس کو جاوا کی زبان میں سلامتن کہتے ہیں۔ یہ ایک ایسا پروگرام تھا جس میں بہت سے لوگ حاضر ہوتے۔ یہ پروگرام ایک مذہبی عالم کی رہنمائی میں ہوتا جوکہ ایسے تعویذ، جادو وغیرہ پڑھتا کہ بری روح کو نکالا جائے اوراس پروگرام میں قسم قسم کے کھانے اور پینے کی چیزیں دی جاتیں ان بری روحوں کیلئے۔ اور جو لوگ حاضر ہوتے تھے ان کو کھانے کی اجازت نہ ہوتی۔ سنتن کالی جاگہ مندرجہ بالا پروگرام کے تعویذ و جادو کی جگہ قرآن کریم کی آیات پڑھتے اور آنحضرت ﷺ کے متعلق نعتیہ اشعار پڑھتے اور جو لوگ حاضر ہوتے ان کو حکم دیتے کہ مذکورہ کھانے پینے کی چیزیں کھاؤ اور پیئو۔

جب ڈیمک مسجد کا افتتاح ہوا تو آپ نے یہ تجویز پیش کی کہ افتتاح میں ایک ڈرامہ منعقد کیا جائے۔ جس کی بناوٹ ایک انسانی شکل میں ہو جوکہ ایک حیوان کے چمڑے پر بنائی جائے۔ مگر سنتن گیری نے آپ کی تجویز کا انکار کردیا۔ کیونکہ اس قسم کے ڈرامہ کی شریعت سے تائید نہ ہوتی تھی۔ لیکن سنتن کالی جاگہ نے اس نقش کو تبدیل کردیا اور ایک ایسی تصویر میں تبدیل کیا جو انسانی شکل میں نہ تھی یا کسی اور مخلوق کے مشابہ نہ تھی۔ اس لیے تمام اولیاء نے مسجد ڈیمک کے افتتاح کی اجازت دے دی۔ ایک ایسے ڈرامہ کے ساتھ جس میں روایتی کھیل کو ظاہر کیا گیا اور کلمہ شہادت کا ٹکٹ بطور داخلہ کے قرار دیا گیا جو اُس افتتاح کو دیکھنا چاہتے تھے۔

سنن آمپیل، سنتن گیری اور سنتن دراجات نے پرانی عادات اور روایات کی نرمی سے مخالفت کی۔ کیونکہ یہ خطرہ محسوس کیا گیا کہ اگر آہستہ آہستہ یہ عادات اور روایات کے متعلق خیال کیا جائے گا کہ یہ اسلام کی اصل تعلیمات ہیں اور اگر مندرجہ امور کو برداشت کیا گیا تو وہ آئندہ بدعت میں شمار ہوں گی۔

سنتن قدس ایک ایسا ولی ہے جس نے سنتن کالی جاگہ کے خیال اور نظریہ کی تائید کی ۔یعنی بعد میں ایک آدمی ایسا آئے گا جو مذکورہ پرانی روایات کو غائب کردے یا مٹادے گا۔

آپ نے کاڈی لانکو۔ڈیمک جاوامیں وفات پائی۔

(۶) سنن قدس: آپ کا اصلی نام راڈین جعفر صادق ہے۔راڈین عثمان حاجی کے بیٹے تھے یا سنتن ناگندنگ کے جو کہ ڈیمک کی سلطنت میں کمانڈر تھے۔ جب راڈین عثمان حاجی وفات پا گئے تو ان کی جگہ پر آپ بطور چیف کمانڈر منتخب ہوئے۔

راڈین جعفر صادق کے ایک علاقہ کا نام قدس ہے۔ جہاں انہوں نے اسلام کو پھیلایا اور ترقی دی۔اس لئے آپ سنتن قدس کے نام سے مشہور ہوئے۔آپ اپنی تبلیغ میں سنن کالی جاگہ کے خیال اور تصور کی تائید کرتے یعنی پرانی عادات کو چھوڑا جائے اور پرانے ایمان کو چھوڑا جائے۔جس کیلئے رعیت کو مجبور کیا جائے جو سب پرانی عادات کی پیروی کرتے۔مگر آہستہ آہستہ ان پر اسلامی تعلیمات کا اثر ڈالتے۔اور جو عادات آسانی سے تبدیل ہوسکتی تھیں ان کو جلد تر تبدیل کرتے تھے۔

پہلی تبدیلی آپ نے یہ کی کہ مسجد کو ہندوؤں کے مندر کی طرح نہ بنایا جائے اور وضو کرنے کا طریق بدھوں کی طرح نہ کیا جائے۔ یہ طریق آپ نے اس لیے اختیار کیا تا کہ ہندوؤں اور بدھوں پر اسلام کی عمدہ تعلیمات کا اثر ہو۔

آپ ایک ایسے ولی تھے جو کہ پرانی روایات کا خیال رکھتے تھے اور ایک تین ماہ کے بچے تمپان اور خوبصورت دیوی راتیج کیلئے جو تعویذات پڑھے جاتے تھے ان کی جگہ پر آپ نے دیوتاؤں کی طرف دعائیں کرنی شروع کیں اور اشعار پڑھنے شروع کیے۔آپ نے تعویذات کی جگہ پر بچہ کیلئے سورہ یوسف پڑھنی شروع کی تا کہ بچہ نبی یوسف علیہ السلام کی طرح ہوجائے۔اور بچی کیلئے سورہ مریم پڑھنی شروع کی تا کہ بچی Siti سیتی مریم کی طرح ہوجائے۔اور دعائیں بھی پڑھتے اور حاضرین اور فقیر مسکین کو کھانے بھی دیئے جاتے۔آپ نے قدس کے مقام پر وفات پائی۔

(۷) سنن دراجاد: یہ سنتن بونانگ کے چھوٹے بھائی تھے اور سنتن آمپل کے لڑکے تھے۔آپ کا اصلی نام راڈین قاسم ہے۔اسلام کو پھیلانے میں آپ اپنے باپ کا طریق استعمال کیا کرتے تھے۔ جیسے نبی کریم ﷺ نے اسلام کو پھیلایا اور سکھلایا۔اور عام عادات سے پرہیز کرتے تا کہ بدعات نہ

شروع ہوجائیں۔آپ لامنگن کے علاقہ میں تبلیغ کرتے تھے جہاں ایک پہاڑی کا نام دائم دُوْ وَڑ تھا۔ اور وہاں پر مدرسہ قائم کیا اور وہاں پر آپ کی وفات ہوئی۔

(۸) سنن موریہ: آپ کا اصلی نام راڈین عمر سعید تھا۔ جو راڈین سعید کے لڑکے تھے یا کالی جاگہ کے۔آپ کو تبلیغ کا کام دیا گیا اور اسلام کو پھیلانے کا۔ پہاڑ موریہ کے اردگرد اس لیے مشارکت اکثر آپ کو سنن موریہ کے نام سے یاد کرتی ہے۔

تبلیغ کے کام میں آپ اپنے باپ کا طریق استعمال کرتے تھے۔یعنی عادات کو بدلنے کی بجائے اُن پر اسلام کی تعلیمات کا اثر ڈالتے تھے۔آپ ایک ایسے ولی تھے جو نقش ونگار اور ڈرامہ کے طریق کو اپنے دعویٰ کے اور تبلیغ اسلام میں استعمال کیا اور نقش ونگار کے سلسلہ میں میں آپ کے دو کام ٹیمبنگ سی نم اور کی نانتی مشہور ہیں۔

(۹) سنن گونگ جاتی: یہ اصل فلسطین سے تھے اور 1436 مسیحی میں آپ کو بھجوایا گیا جو کہ مولانا علی اکبر کی جگہ پر آئے۔جنہوں نے 1435 مسیحی میں وفات پائی۔آپ کا اصلی نام شریف ہدایت اللہ ہے۔آپ کو تبلیغ اسلام کا کام چربون مڈل جاوا اور مغربی جاوا میں دیا گیا یعنی پہاڑ جاتی کے اردگرد کا علاقہ۔اس لیے آہستہ آہستہ آپ سنن جاتی کے نام سے مشہور ہوئے۔

1479 مسیحی میں آپ نے چین کا دورہ کیا اور وہاں پر اسلام کو پھیلایا۔پھر 1481 مسیحی میں جبکہ قیصر ہانگ گئی وہاں پر حاکم تھا، دی ناستی مینگ نے آپ کو اپنا داماد بنایا اور اپنی لڑکی ارنگ تین کے ساتھ ان کا نکاح کیا۔اور اسی سال یہ جاوا میں واپس آئے یعنی اپنی بیوی کے ساتھ اور پھر چار سال کے بعد وفات پائی یعنی 1485 مسیحی میں۔

آپ ایک ایسے ولی تھے جو طبیب تھے۔اس لیے جب آپ چین میں تھے اور طبابت کو تبلیغ میں استعمال کیا اور وہاں پر اسلام کو پھیلایا۔اور تاریخ میں درج ہے کہ تین بڑے آدمی یعنی دی ناستی مینگ، جنرل سینگ ہانگ اور ملک کے سیکرٹری ماھوانْ اور ملک کے سیکرٹری فیس حین نبی ﷺ کی تعلیم کے پیرو ہوگئے۔سنن گونگ جاتی نے گونگ جاتی چربون میں وفات پائی اور آپ کے بیٹے فتوح اللہ کو ولی سونگو کا ممبر منتخب کیا گیا یعنی اپنے باپ کی جگہ پر۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم وعلی عبده المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

هو الناصر

مکرم نصیر احمد انجم اور مکرم صفدر نذیر گولیکی صاحبان مربیان کرام نے مل کر ''مجدّدین امت محمدیہ اور ان کے تجدیدی کارنامے'' لکھ کر بہت ہی عمدہ کام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور میں اس لحاظ سے بھی ان کا مشکور ہوں کہ انہوں نے میرے مقالہ حضرت عثمان ڈان فودیو کا خلاصہ بھی اپنی کتاب میں شامل کرلیا ہے۔ فجز اھم اللہ احسن الجزاء۔

اللہ تعالیٰ ان کی کاوش کو مقبولیت عامہ عطا فرمائے۔ آمین

میری طرف سے انہیں اس مقالہ کا خلاصہ اپنی کتاب میں شائع کرنے کی اجازت ہے۔

والسلام خاکسار

محمد عثمان شاہد

مربی سلسلہ احمدیہ۔ نواب شاہ

حضرت عثمان ڈان فودیو

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے فرمایا۔

''ہر صدی کے سر پر آنے والا مجدد ساری دنیا کیلئے نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے علاقہ اور زمانہ کیلئے ہوتا ہے۔ پھر عثمان ڈان فودیوؒ کو لےلو وہ مجدد تھے۔ ان کے پیدا ہونے سے پہلے ملک میں اخیار کو ان کی پیدائش کی بشارت دی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ عنقریب مجدد پیدا ہوگا اور آپ ان بشارتوں کے مطابق پیدا ہوئے''۔ [1]

حضرت عثمان ڈان فودیو کے متعلق ایک اور ارشاد

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے فرمایا:۔

''سارے نائیجیریا میں تو بہت سے صوبے ہیں اور بہت سا علاقہ ایسا ہے جہاں عثمان فودی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ سے ایک صدی پہلے اس علاقہ میں مجدد ہو کر آئے۔ دنیوی سیاست میں تو نہیں لیکن ویسے دو حصوں میں ان کے دو بیٹوں کی اولاد کا اتنا اثر ہے کہ وہاں صوبہ کے گورنر بھی ان کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا۔ ان کے چھوٹے بیٹے کی جو اولاد ہے ان میں تو تعصب نہیں۔ انہیں Royal Blood شاہی خون کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ان کی زبان میں۔ ان میں بعض احمدی بڑے دلیر قسم کے ہو چکے ہیں۔ عثمان فودی کی اولاد میں سے اور دوسرے صوبے میں یہ لوگ پڑھے لکھے ہیں۔ اتفاق یہ ہے کہ عثمان فودی کے وہ صاحبزادے جن کا نام عبدالرحمٰن تھا وہ بڑے عالم اور تفقہ فی الدین رکھنے والے تھے۔ بہت سی عربی میں کتابیں لکھیں ہیں۔ میں نے بھی ان میں سے بعض پڑھی ہیں۔ ان کی اولاد میں سے جو اس وقت ہیں وہ زیادہ پڑھے لکھے ہیں لیکن متعصّب بڑے ہیں''۔ [2]

حضرت عثمان ڈان فودیو کے قبیلے کا نام

فولانی قبیلہ کے لوگ خود اپنے آپ کو فلب Fulbe یا فلبہ (Fulba) کہتے ہیں جو کہ پُلو Pulo

کی جمع ہے۔ فرانسیسی میں انہیں (Peuel) لکھا جاتا ہے۔ ان کی زبان فلفدہ یا فلفڈ (Fulfulde) ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں لکھا ہے:-

"The Fulani have no firm national tradition about their origin ....."

یعنی فولانیوں کے پاس ان کی اصلیت کے متعلق کوئی قومی روایت نہیں ملتی۔ کبھی یہ لوگ اپنے آپ کو عرب اور بنی اسرائیل کی مخلوط نسل قرار دیتے ہیں اور کبھی اپنے آپ کو عربوں اور نیگروؤں کی نسل قرار دیتے ہیں...... ۳

بہرحال سب سے زیادہ قابل قبول نظریہ یہ ہے کہ دراصل فولانی لوگ مشرق وسطیٰ یا شمالی افریقہ سے آئے تھے اور آہستہ آہستہ سارے براعظموں سے ہوتے ہوئے سنی گیمبیا کے علاقہ میں آکر آباد ہوگئے۔ ۴

پیدائش

حضرت عثمان ڈان فودیو 29 نومبر 1168 ہجری بمطابق 15 / دسمبر 1754ء ۵ بروز اتوار علاقہ ہاؤسا کی ایک ریاست گوہیر Gohir کی بستی مراٹہ Marata میں پیدا ہوئے۔ ۶

نسب نامہ

آپ کا اصل نام عثمان تھا اور والد کا نام محمد فودیو تھا۔ تاریخ میں آپ شیخ عثمان ڈان فودیو۔ شیخ ڈان فودیو یا شیہو (Shehu) کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کی والدہ کا نام حوّا اور دادی کا نام رقیہ تھا۔

آپ کی والدہ حوا کا نسب نامہ حضرت فاطمہؓ سے جا کر ملتا ہے۔ ۷

ابتدائی علم

آپ نے تمام مروجہ علوم سیکھے۔ فقہ، تفسیر، اخلاقیات، حدیث وغیرہ اور پھر ایک بہت بڑے عالم کے طور پر ظاہر ہوئے۔ ۸

مذہب ومسلک

مذہب خالص اسلامی اور مسلک رائج الوقت مالکی اختیار کیا۔ لیکن اعتقادی لحاظ سے اشعری طریق کے پیروکار تھے۔ اپنی کتاب مواج العلوم کے صفحہ 2 پر لکھتے ہیں:-

"عثمان بن محمد بن عثمان الفلانی نسبًا المالکی مذھبًا الاشعری اعتقادًا"۔

فرقہ قادریہ (حضرت عبدالقادر جیلانیؒ) تھا۔

لکھا ہے:-

"The Eighteenth century Jihads waged in Fula Toro and Futa Jallon were organised by Fulla Teahers, most of whom belonged to the ancient brotherhood called the Qadiriyya ...." [9]

اخلاق فاضلہ

آپ نہایت عمدہ اخلاق کے مالک اور عمدہ اوصاف کا مرقع تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی باتوں کا اثر دوسروں کے دلوں پر بہت جلد ہوتا تھا۔ [10]

حج بیت اللہ کا شرف اور وہابی اصولوں کا اثر

دعوت اسلام صفحہ 316 اور History of Nigeria صفحہ 41 پر لکھا ہے کہ حج کے موقع پر وہاں وہابی تحریک کے اصولوں کا اثر آپ پر بہت ہوا۔ جس کی وجہ سے ان کے دل میں اپنے ملک کے معاشرہ کی اصلاح اور ھاؤسا میں مروّجہ بدعات وخرافات کے خلاف جنگ کرنے کی شدید خواہش پیدا ہوئی اور پھر واپس آ کر تجدید دین واصلاح دین کا عظیم فریضہ سرانجام دیا۔

دعویٰ مجددیت

حضرت عثمان بن فودی کے زمانہ میں جنوبی افریقہ میں مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ان کی اکثریت ارکانِ اسلام سے ناواقف تھی۔ طرح طرح کی بدعات ان میں پھیل چکی تھیں۔ ایسے حالات میں عثمان بن فودی کا دل تھا جو مسلمانوں کیلئے بے قرار ہوا اور اسی کی رُوح تھی جو اسلام کیلئے تڑپ اُٹھی اور خدا تعالیٰ نے اسے تیرھویں صدی کے سر پر اپنی امت کی اصلاح کی خاطر مجدد بنا کر مبعوث فرمایا۔ چنانچہ عثمان بن فودی نے پہلی مرتبہ اپنی کتاب "**حسن الافہام**" میں مصلح اور مجدد ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنے مخالفین کو بتایا کہ صحیح اسلامی علم ان کے پاس ہے۔ [11]

نوٹ: یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ کی اکثر تالیفات کے ٹائٹل پیج پر آپ کے نام کے ساتھ "**الشیخ المجدد نور الزمان**" کے القابات بھی درج ہیں۔

احیائے سنت وتجدید دین

احیائے سنت اور تجدید دین کے سلسلہ میں حضرت شیخ ڈان فودیو نے وہ عظیم الشان کام کیا ہے جسے تاریخ ہمیشہ سنہری حروف میں یاد رکھے گی۔ آپ کی 63 سالہ زندگی اسی مقدس فریضہ کی انجام دہی کیلئے وقف رہی۔

مٹ جاؤں میں تو اس کی پرواہ نہیں ہے کچھ بھی
میری فنا سے حاصل گر دین کو بقا ہو

آپ کی بیانوے (92) سے زائد تصانیف احیائے سنت کے فریضہ کی انجام دہی کی ہی ایک کڑی ہیں۔ احیائے سنت کی یہی تحریک ہی تھی جس کی وجہ سے بالآخر حضرت عثمان بن فودیؒ کو اور آپ کے متبعین کو 'ھاؤسا' میں 12 سال تک جہاد بالسیف سے بھی کام لینا پڑا اور ایک آزاد اسلامی ریاست کے قیام میں کامیابی حاصل ہوئی۔

آپ کے اس عظیم کارنامہ کا ذکر کرتے ہوئے "جرنل آف دی افریقین سوسائٹی" میں لکھا ہے:

"Shehu lived to see the conclusion of his life's works. He had found Muhammadanism under a han he left it

supreme. The Filani from a tribe of nomade herdsmen had become the ruling race through out the Hausa States. A man of sinere faith and deep religious conviction, he had implicit confidence in his divine call and his personality inspired his followers with a confidence similar to his own. His simple habits and austere life made a profound contrast to the barbaric pomp affected by the Pagan rulers".

(ترجمہ) شیخو اپنی کاوشوں کے ثمرات حسنہ کو دیکھنے تک زندہ رہے۔ آپ نے دین اسلام کی تبلیغ کو علاقہ ہاؤسا میں ممنوع پایا لیکن آخر کار اسلام کو بلندی و رفعت تک پہنچا دیا۔ فولانی جو معمولی چرواہوں کی حیثیت رکھتے تھے بالآخر وہ ہاؤسائی ریاستوں پر مکمل اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ حضرت شیخ راسخ العقیدہ اور مذہب میں گہری دلچسپی رکھنے والے تھے اور دین کی تبلیغ میں پورا یقین اور اعتماد آپ کو حاصل تھا اور آپ کی پُرتاثیر شخصیت نے ایسا ہی اعتماد اپنے متبعین کو بھی عطا کر دیا تھا۔ آپ کی سادہ زندگی بربری اور ظالم ہاؤسا حکمرانوں کے بالکل برعکس تھی۔ [۱۲]

ہجرت

آپ کو قتل کرنے کی کئی بار سازش کی گئی مگر اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا۔ آپ کو ہجرت کرنے کیلئے بھی مجبور کیا گیا۔ جب گمبانا پر حملہ کے بعد یونفا نے طغل پر حملہ کا ارادہ کیا لیکن یہ سوچ کر کہ طغل میں شیخ کی موجودگی میں حملہ کرنا مشکل ہے اس نے شیخ کو پیغام بھیجا کہ آپ اپنے خاندان سمیت طغل سے چلے جائیں کیونکہ وہ طغل پر حملہ کا ارادہ رکھتا ہے [۱۳]۔ جب یہ پیغام پہنچا تو آپ نے مشہور زمانہ فقرہ کہا جو آج بھی زبان زد خلائق ہے۔

"I will not leave my community, but I will leave your country."

میں اپنی جماعت کو نہیں چھوڑ سکتا البتہ تمہارے ملک کو الوداع کہہ دوں گا۔ [۱۴]

امیر المومنین کا خطاب

جب جہاد بالسیف کی ضرورت آن پہنچی تو امیر المومنین کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ جو نام پیش ہوئے

عبداللہ بن فودی

عمر الکامبو

امام محمد تنبو

ان پر کسی کا اتفاق نہ ہوا اور آخر سب نے مل کر حضرت عثمان بن فودیؒ کو اپنا امیر المومنین منتخب کر لیا اور آپ کو امیر المومنین یا سارکن مسلمی (Sarkin Muslimi) کا خطاب ملا۔ ۱۵؎

انتخاب کے بعد سب نے آپ کی بیعت کی۔ ۱۶؎

آپ نے بہت سے علاقے فتح کئے۔ تابکن کواتو Tabkin Kwatto، ماتنکاری کو فتح کیا۔ گینیگا (Giniga) برنن کونی کو فتح کیا...... بعد ازاں مخالفین سے صلح کی بھی طرح ڈالی مگر اس میں ناکامی رہی۔ ریاست کیبی پر حملہ کیا اور فتح کیا۔ گوانڈو Gwandu میں نئے مرکز کا قیام کیا۔ یہ 1805ء میں قائم ہوا۔ 7-1806ء میں مجاہدین اور کانو کی فوج کے درمیان سخت جنگ ہوئی۔ مجاہدین نے کانو کو فتح کر لیا۔ اسی طرح ریاست زازاڈ، الکادہ کو بھی فتح کیا۔ ۱۷؎

مفتوحہ علاقوں میں دار الحکومتوں اور نوابوں کا تقرر کیا۔ آپ کا جہاد خالصۃً مذہبی جہاد تھا۔ ۱۸؎

شیخ عثمان ڈان فودیو مجدد زمانہ تھے

حضرت شیخ مجدد تھے۔ مہدی منتظر نہ تھے۔ جس کی حقیقت آپ نے خود بیان فرمائی۔ چنانچہ "Islam in Tropical Africa" میں آپ کی کتاب ''تحذیر الاخوان'' کے حوالہ سے لکھا ہے:-

ترجمہ: اے میرے بھائیو! خوب جان لو کہ میں امام مہدی نہیں ہوں اور نہ کبھی میں نے مہدویت کا دعویٰ کیا ہے۔ اگرچہ یہ بات دوسرے لوگوں کی زبان سے سنی گئی ہے۔ تاہم میں نے اس بات سے سختی سے منع کر دیا ہے ۱۹؎۔ اور اپنی عربی اور عجمی تحریرات میں بھی اس کی تردید کر دی ہے۔ اسی طرح آپ کے بیٹے محمد بلّو نے بھی لکھا ہے کہ آپ کا دعویٰ ہرگز مہدویت کا نہ تھا بلکہ آپ مجدد الوقت قطب الزمان اور غوث اعظم تھے۔ چنانچہ لکھا ہے:-

"لاجرم انه من الخلفاء الراشدين والائمة الهادين المهتدين وهو القائم المبعوث المجدد فی هذا لاوان ...... فهو قطب الوقت الافخم والغوث الاعظم والعلمء نجوم فهو القمر جید انه لا تدع انه المهدی المنتظر"۔ [20]

(ترجمہ) اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ) عثمان بن فودی) خلفاء راشدین میں سے تھے اوران ائمہ میں سے جو ہدایت یافتہ ہوکر لوگوں کو بھی ہدایت کی طرف بلاتے ہیں اور آپ اس زمانہ میں بطور مجدد مبعوث کئے گئے ہیں ...... وہ یقیناً اپنے وقت کے بہت بڑے قطب اور عظیم غوث تھے اور علماء تو ستاروں کی مانند ہیں۔ جبکہ آپ "چاند" کی حیثیت رکھتے ہیں۔ البتہ انہوں نے اپنے مہدی منتظر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔

ظہور امام مہدی کے متعلق پیشگوئی

حضرت عثمان ڈان فودیو کے بیٹے محمد بلّو نے اپنی کتاب انفاق المیسور کے صفحہ 5-604 پر علامہ امین الکاظمی کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ہمارا ہرگز یہ دعویٰ نہیں کہ عثمان بن فودی مہدی منتظر ہیں اور نہ ہی علامات مہدی ان میں پوری ہوتی ہیں بلکہ مہدی انشاء اللہ عنقریب ظاہر ہوگا۔ اسی طرح جب عثمان بن فودی نے محمد بلّو کو اپنے نمائندہ کی حیثیت سے اہل کانو کی طرف بھیجا تو ساتھ یہ پیغام بھی دیا کہ ان کو بتا دینا کہ مہدی کا ظہور بہت قریب ہے۔ چنانچہ محمد بلّو اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"اخبرتهم بما بشرهم به من قرب ظهور المهدی"۔ [21]

(ترجمہ) اور ظہور مہدی کے قرب کے متعلق جو خوشخبری ان لوگوں کو حضرت عثمان بن فودی نے بھیجی تھی وہ میں نے ان لوگوں کو پہنچائی۔

اسی طرح "دی کیمبرج ہسٹری آف افریقہ Vol:5, P:134" میں لکھا ہے:-

"The Shehu and his followers believed that he was the last of the Mujaddids and that the coming of the Mahdi was therefore very near indeed."

شیخ اور آپ کے متبعین کا یہ خیال تھا کہ شیخ ابن فودی آخری مجدد ہیں اس لیے مہدی کی آمد اب

بہت نزدیک ہے۔

مہدی کی سچائی کی علامت سورج اور چاند گرہن

دارقطنی کی حدیث متعلقہ امام مہدیؑ کے متعلق حضرت عثمان بن فودیؒ نے اپنی کتاب **تنبیہ الامۃ علی قرب ھجوم اشراط الساعۃ** صفحہ 38 میں علامات مہدی کا ذکر کرتے ہوئے اس کی ایک علامت سورج اور چاند گرہن بتائی ہے۔

تصنیفات

آپ نے 92 سے زائد تصانیف فرمائیں اور اپنے زمانہ کے لوگوں کی روحانی تشنگی دُور فرمائی۔ حضرت عثمان بن فودی کی تقاریر و تصانیف کے موضوعات عموماً پانچ قسم کے ہوتے تھے۔ انہی پانچ اقسام کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلاتے رہے۔

۱) احکام شریعت کی اتباع اور شریعت کے اصول و فروع کا بیان۔

۲) آنحضور ﷺ کی سنت کی اتباع کی تلقین۔

۳) ان اوہام باطلہ اور شکوک و شبہات کی تردید جو توحید یا دوسرے عقائد کے بارہ میں پیدا ہو گئے تھے۔

۴) بدعات شیطانیہ کا خاتمہ اور غلط عقائد کا بطلان۔

۵) علوم شرعیہ کی اشاعت کی طرف توجہ دلانا۔

وفات

حضرت عثمان ڈان فودیو تقریباً تریسٹھ سال تک اپنے انفاس قدسیہ اور برکات روحانیہ سے لوگوں کو فائدہ پہنچا کر نیز اصلاح اُمت اور تجدید دین کا عظیم فریضہ سر انجام دینے کے بعد ایک سال بیمار رہ کر اپریل 1817ء کو اپنے دارالخلافہ سکوٹو (Sokoto) میں وفات پا گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

علمی کارنامے

حضرت عثمان ڈان فودیوؒ نے کل 92 کتب لکھیں۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

۱) احیا السنة و اخمار البدعة

۲) الاجوبة المحررة

۳) کتاب الامر بالمعروف و النهی عن المنکر

۴) بیان البدعة الشیطانیة

۵) معراج العوام

۶) نجم الاخوان

۷) بیان وجوب الهجرة علی العباد

۸) الفرق بین العلم اصول الدین و بین علم الکلام

۹) هدایة الطالبین

۱۰) ارشاد الاخوان فی احکام خروج النسوان

۱۱) اسانید الفقیر المتعارف بالحجر والتقصیر

۱۲) الامر بالموالات المومنین والنهی عن موالات الکافرین

۱۳) تنبیه الامت علی قرب هجوم اشراط الساعة

۱۴) کتاب الفرق بین العلم اصول الدین و بین علم الکلام

۱۵) کتاب مدة الدنیا

۱۶) کفایة المهتدین

۱۷) کفایة المسلمین

۱۸) اتباع السنة و ترک البدعة

۱۹) ارشاد السالک الربانی الی احوال عبدالقادر جیلانی

۲۰) ارشاد اهل التفریط والافراط

۲۱) افادة الاخوان [۲۲]

چودھویں صدی کے مجدد

جیسا کہ علماء کا عقیدہ بیان ہو چکا ہے کہ مجدد ین کا خاتم امام مہدی و مسیح موعود ہی ہوگا اور وہی چودھویں صدی کے مجدد ہوں گے۔ چنانچہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے اس صدی کے مجدد ہونے کا دعویٰ فرمایا۔آپ کے بعد آپ کی خلافت خدائی نوشتوں کے مطابق ''دوسری قدرت'' کی صورت میں ظاہر ہوئی جو جاری وساری ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ جاری رہے گی۔خلافت آب کا حکم رکھتی ہے اور مجددیت تیمّم کا۔پانی کے ہوتے ہوئے تیمّم کی ضرورت نہیں رہتی۔اسی طرح خلافت کی موجودگی میں کسی ایک مجدد کی کوئی گنجائش اور ضرورت نہیں رہتی۔خلیفہ وقت ہی تجدید دین کا کام باحسن طریق پر انجام دیتا ہے۔

یہی سوال ایک مرتبہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے کیا گیا تو آپ نے اس کا تفصیلی جواب عطا فرمایا جو یہاں درج کیا جاتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے ایک سوال

ایک سوال یہ بھی کیا گیا کہ مجدد ہر صدی پر آتے رہے کیا یہ سلسلہ جاری رہے گا؟ حضور نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:-

مجددیت خلافت کی قائمقام ہے

سوال یہ ہے کہ دین کے متعلق پیشگوئیاں ہیں ان میں کیا خوشخبری تھی اور کیا انذار کا پہلو تھا اور تاریخ اسلام سے ثابت ہوا کہ دونوں پہلو سچے ثابت ہوئے۔خلافت کے ہوتے ہوئے جب مجددیت کی خبر دی گئی کہ ایک سو سال بعد مجدد آئے گا تو یہ بھی پیشگوئی تھی کہ سو سال سے پہلے خلافت ہاتھ سے نکل جائے گی۔ورنہ قرآن کریم نے خلافت کی پیشگوئی کی ہو اور رسول کریم ﷺ اس پیشگوئی کو نظرانداز کر کے کوئی اور پیشگوئی کردیں، یہ بات درست نہیں ہے۔تو مجددیت خلافت کے قائمقام ایک انسٹیٹیوشن ہے اور واقعہ یہی ہوا کہ اسلام کی پہلی صدی کے ختم سے بہت پہلے خلافت کا نظام ٹوٹ گیا اور خلافت کا نظام ٹوٹنے کے نتیجے میں روحانی نظام حکومت سے الگ ہو گیا۔اور مرکزی نظام دوحصوں میں

بٹ گیا، ایک صلحاء اور اولیاء پیدا ہونے شروع ہوئے جنہوں نے اپنے طور پر اسلام کو زندہ رکھنے کی کوشش کی اور اس دوران میں جب بگاڑ پیدا ہوا تو ایک سو سال کے بعد، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو مجدد بنایا جو بظاہر خلیفہ بھی تھے۔ لیکن ان کا اصل مقام مجددیت کا تھا کیونکہ خلافت راشدہ تو ختم ہو چکی تھی اور انہوں نے اسلام کی عظیم الشان خدمت کی اور بدرسوم کو نکالا اور بہت سی نئی باتیں جاری کیں۔ پھر ایک عرصہ گزرا اور عالم اسلام زیادہ پھیل گیا۔ پھر ایک وقت میں ایک سے زیادہ مجدد بھی آتے رہے۔ کوئی ایران میں پیدا ہو رہا ہے، کوئی مڈل ایسٹ میں پیدا ہو رہا ہے، کوئی افریقہ میں پیدا ہو رہا ہے۔ سارے عالم اسلام کیلئے ایک مجدد آ ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ وسائل کی کمی تقاضا کرتی تھی کہ الگ الگ جگہوں کیلئے الگ الگ مجدد آئیں اور پھر ایک اور بات ہم نے عالم اسلام میں دیکھی کہ مجددین میں سے اکثریت نے دعویٰ نہیں کیا۔ اور بہت سے ایسے تھے جن کو بعضوں نے مجدد کہا اور بعض ایسے تھے جن کو بعض دوسروں نے مجدد کہا اور کسی کو بعض تیسروں نے مجدد کہا اور اب کئی لسٹیں مجددین کی بن گئیں۔ تو مَنْ کے اندر جمع کا پہلو بھی موجود تھا۔ اس لیے مجددیت کے پیغام میں نہ تو کوئی دعویٰ شرط تھا نہ اس مجدد کو ماننا۔ **ان الله يبعث لهذه الامة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها** کی حدیث میں لفظ مَنْ کی طرف اشارہ ہے، ضروری قرار دیا گیا۔ کہیں بھی تمام احادیث میں جن کی تشریح عالم اسلام کی تاریخ نے کی ہے یہ بات کہیں نہیں آتی کہ مجدد مامور ہو اور اس کی بات مانی جائے۔ ایک بزرگ ہے جس نے خدمت کی ہے اور خدا نے اس کو عظیم خدمت کی توفیق عطا فرمائی ہے اور گرتے ہوئے حالات کو سنبھالنے کی توفیق بخشی ہے۔ یہ ہے مجددیت کا تصور۔ لیکن خلافت کے مقابل پر جس کا قرآن کریم میں ذکر ہے کسی مجددیت کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اگر خلافت راشدہ جاری رہتی اور پھر مجدد الگ الگ کھڑے ہوتے اور دعویٰ بھی کرتے، اپنی طرف بھی بلاتے تو وحدت کو پارہ پارہ کر دیتے بجائے فائدہ پہنچانے کے۔ اسی لیے رسول کریم ﷺ نے جہاں مجدد کی پیشگوئی فرمائی وہاں ساتھ یہ بھی خبر دی کہ جب مسیح آئے گا فرمایا: **ثم تكون خلافة على منهاج النبوة** (مسند احمد بحوالہ مشکوٰۃ باب الانذار والتحذیر)

پھر مجددیت نہیں آئے گی بلکہ منہاج نبوت پر خلافت جاری ہو جائے گی۔ اگر آنحضرت ﷺ نے صرف مجددیت کی پیشگوئی فرمائی تو ٹھیک ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس قسم کے مجدد آئیں گے لیکن آپ

نے خود وضاحت فرمادی کہ مسیح موعود کے آنے کے بعد مجددیت نہیں جاری ہوگی بلکہ خلافت دوبارہ جاری ہوجائے گی۔ یہ ایک ایسی صورت نظر آتی ہے جو معقول ہے اور جس کا ظاہر ہونا بعید از عقل نہیں ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب خلافت راشدہ جاری رہے گی جب ضرورت ہوگی انہی خلفاء میں سے اللہ تعالیٰ مجدد بنا سکتا ہے۔ یعنی سپیشل توفیق کسی خلیفہ کو دے سکتا ہے بعض کاموں کی۔ اس لیے Clash ٹکراؤ بھی نہیں ہوسکتا۔ جب ضرورت ہوگی تو اگر خلافت سچی ہے تو پھر اس کے مقابل پر خدا مجدد کو کھڑا نہیں کرے گا۔ لیکن خدا کیلئے یہ کون سی روک ہے کہ ایک خلیفہ کو غیر معمولی تجدید دین کی توفیق بخش دے۔ لیکن منصب خلافت منصبِ مجددیت سے بالا بھی ہے اور ماموریت کا پہلوان معنوں میں رکھتا ہے کہ خلفاء چونکہ مامور کے جانشین تھے اس لیے ان کی اطاعت فرض قرار دے دی گئی۔ یہ ایک منصب ہے اور ایک مجددیت کا ہے جس کی بیعت فرض ہی نہیں، جس کا دعویٰ بھی فرض نہیں، تو ظاہر و باہر فرق ہے۔ اس لیے مجددیت کو خلافت سے فضیلت نہیں دی جاسکتی۔ کہاں یہ کہ ایک کے متعلق اُمت کو پابند کردیا جائے کہ اس کی بیعت کرنی ہے اور اس کی اطاعت کرنی ہے اور کہاں یہ آزاد چھوڑا ہے بلکہ یہ بھی نہیں پتہ کہ کوئی مجدد ہے بھی یا نہیں۔ پس مجدد کا مفہوم آپ سمجھ لیں تو پھر آپ کے ذہن میں کوئی Clash پیدا نہیں ہوگا۔ احمدیت کی تعلیم اور ان کی مجددیت کی احادیث میں بلکہ تمام اسلامی تعلیم کو مدنظر رکھ کر بات کریں گے تو ایک نہایت خوبصورت سلجھی ہوئی ایک جاری شکل نظر آئے گی جس میں کوئی ذہنی Clash نہیں ہے۔ ۲۳ے

چودھویں صدی کے مجدد کے متعلق ہماری طرف سے ایک مثبت جواب

پس جب مجددین کا آنا قرآن شریف کی ایک زبردست صداقت کا ثبوت بھی ہے تو ایک جستجو کرنے والا اور محقق انسان اس ثبوت کی تفصیل سے متعلق سوال کرسکتا ہے۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود چودھویں صدی کے مجدد کے بارہ میں فرماتے ہیں:۔

> ”دُشمنانِ اسلام کا حق ہے کہ وہ ہم سے مطالبہ کریں کہ اِس صدی کا مجدد کونسا ہے، اسے ہمارے سامنے پیش کرو کیونکہ تمہارے ساتھ وعدہ ہے کہ ہر صدی کے سر پر مجدد آئیں گے...... احمدی جماعت اِس اعتراض کو فوراً ردّ کرسکتی ہے اور کہہ سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل

سے یہ صدی بھی مجدد سے خالی نہیں گئی اور اِس زمانہ میں معمولی مجدد نہیں بلکہ مسیح موعود کو بھیج کر اللہ تعالیٰ نے اِسلام کو مضبوط کیا ہے"۔ ۲۴

ساری دُنیا کیلئے مجدد

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے فرمایا:-

سوال: آپ نے رمضان المبارک کے درس میں ذکر کیا کہ حضرت مسیح موعودؑ سے پہلے بارہ مجدد آئے ہیں۔ میرا سوال یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود یا کسی اور خلیفہ نے اس بارے میں کوئی روشنی ڈالی ہے؟

جواب: ساری بات جو ہے وہ بارہ کی تعیین پر ہے۔ یہ جو بارہ ہے اوپر سب لوگوں کا اتفاق ہے یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ان سے پوچھو کہ آگے مجدد بند کیوں ہوگئے۔ مجدد تو بند ہونے چاہیے تھے مہدی کے ظاہر ہونے پر۔ تو وہ اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ بعض لوگ مصنوعی طور پر مجدد بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ بعضوں نے لکھا ہے کہ فلاں مجدد تھا۔ مگر اس کو سارے فرقے ردّ کرتے ہیں کوئی بھی اس کو مانتا نہیں۔ مگر حضرت مسیح موعودؑ کو مجدد کہنے والے اب ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ کوئی فرقہ نہیں جس کی نمائندگی ان کو عطا نہ ہوئی ہو۔ تو مجدد 12 ہی ہیں ان کے ناموں میں اختلاف ہے اور یہ بھی ایک فرق یاد رکھنا چاہیے کہ مجدد مقامی ہوتا ہے۔ صرف حضرت مسیح موعودؑ پہلے مجدد ہیں جو آفاقی ہیں۔ ساری دُنیا کے ورنہ مجدد تو کوئی افریقہ میں ہوا، کوئی تاشقند میں ہوا، کوئی نائیجیریا میں اور مختلف ملکوں میں ہندوستان میں ہر جگہ مجدد اپنے اپنے دائروں میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان کا دائرہ ہمیشہ چھوٹا ہوتا ہے۔ اس وقت لوگوں نے بات مان لی اور ان کو مجدد سمجھ لیا۔ لیکن پہلا مجدد جو ساری دنیا کا مجدد ہے وہ حضرت مسیح موعود ہیں اسی لیے آپ کے حق میں چاند سورج کا گرہن ان تاریخوں میں ہوا جن تاریخوں میں رسول اللہ ﷺ نے پیشگوئی فرمائی تھی۔ ۲۵

فکر انگیز تحریر

"وبرسر مائۃ چہاردہم کہ وہ سال کامل آنرا باقی است۔ اگر ظہورِ مہدی علیہ السلام و

نزولِ عیسیٰؑ صورت گرفت۔ پس ایشاں مجدد و مجتہد باشند‘‘۔ ۲۶؎

کہ چودھویں صدی کے سر پر جس کو ابھی پورے دس سال باقی رہتے ہیں اگر مہدی اور مسیح موعود ظاہر ہو گئے تو وہی چودھویں صدی کے مجدد ہوں گے۔

ب۔ ’’پس تواں گفت کہ دریں دہ سال کہ از مِائَۃِ ثالث عشر باقی است۔ ظہور کند یا بر سر چہار دہم‘‘۔ ۲۷؎

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام عین وقت (چودھویں صدی کے سر) پر ظاہر ہوئے۔ پس اگر آپ مجدد نہیں ہیں تو کوئی اور مجدد بتاؤ جو چودھویں صدی کے سر پر آیا ہو۔ اگر کوئی غیر آپ سے پوچھے کہ آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی کے مطابق چودھویں صدی کا مجدد کہاں ہے تو اسے کیا جواب دو گے؟

اب تو پندرھویں صدی میں سے بھی 25 برس گزر گئے۔ سچ تو یہی ہے کہ ؎

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا
(کلام حضرت مسیح موعودؑ)

حوالہ جات

۱۔ ماہنامہ تحریک جدید۔جنوری 1970ء

۲۔ الفضل جلسہ سالانہ نمبر 1980ء

۳۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔صفحہ 940، Vol: II

۴۔ The Fulani Empire of Sokoto P:18

۵۔ The Nigeria Hand Book P-27

۶۔ اب اس بستی کا کوئی نشان نہیں ملتا۔

۷۔ الاختفاء از عبدالقادر بن گدادو بحوالہ The Sokoto Caliphate P-4

۸۔ The Fulani Empire of Skoto by H.A.S. Johnson London 1970 Page 28-29

۹۔ African Since 1800 by Oliver and Anthony P:29-30

۱۰۔ انفاق المیسور۔صفحہ 113-114

۱۱۔ بحوالہ مضمون نائیجیریا کے بزرگ حضرت عثمان ڈان فودیو از منیر بسمل سابق مبلغ نائیجیریا (غیر مطبوعہ)

۱۲۔ F.De. F. Danial Journal of the African Soceity XXV 1925-26 P:278-83 بحوالہ The Empire of Northern Nigeria by Hogben and Kirk Green P-122

۱۳۔ انفاق المیسور۔صفحہ 219

۱۴۔ The Fulani Empire of Sokoto P-14

۱۵۔ انفاق المیسور۔صفحہ 229

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ The Sokoto Caliphate Page 40-68

۱۸۔ The Golden Trade of Morrs, Page 226

۱۹۔ تحذیر الاخوان بحوالہ Islam in Tropical Africa, P:228

۲۰۔ انفاق المیسور۔ صفحہ 700-701

۲۱۔ ایضاً۔ صفحہ 396

۲۲۔ The Sokoto Caliphate by Murrog Last London 1967, P:237-40, The Life and works of Uthman Dan Fodio by Ismail A.B. Balogon Lagos, Nigeria P:34-48

۲۳۔ مجالس عرفان شائع کردہ لجنہ اماء اللہ کراچی۔ صفحہ 122-125

۲۴۔ تحفۃ الملوک۔ صفحہ 75

۲۵۔ الفضل 8 مئی 2000ء صفحہ 5

۲۶۔ حجج الکرامہ۔ صفحہ 139

۲۷۔ ایضاً۔ صفحہ 41

۲۸۔ تفسیر کبیر۔ جلد 7 صفحہ 198

چودھویں صدی
کے مجدد اور امام مہدی

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی

علیہ السلام

۱۸۳۵ء - ۱۹۰۸ء

"اس وقت محض للہ اس ضروری امر سے اطلاع دیتا ہوں کہ مجھے خدا تعالیٰ نے اس چودھویں صدی کے سر پر اپنی طرف سے مامور کر کے دین متین اسلام کی تجدید اور تائید کیلئے بھیجا ہے تا کہ میں اس پُر آشوب زمانہ میں قرآن کی خوبیاں اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتیں ظاہر کروں اور ان تمام دشمنوں کو جو اسلام پر حملہ کر رہے ہیں ان نوروں اور برکات اور خوارق اور علوم لدنیہ کی مدد سے جواب دوں جو مجھ کو عطا کیے گئے ہیں"۔

(برکات الدعا۔ روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 34)

تعارف

بانی جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام (۱۸۳۵ء تا ۱۹۰۸ء) نے خدا تعالیٰ سے الہام پا کر مشرقی پنجاب انڈیا کی ایک گمنام بستی قادیان میں یہ دعویٰ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس زمانہ کی اصلاح کیلئے مامور فرمایا ہے اور آپ وہی مہدی اور مسیح ہیں جس کے ظہور کی خبر حضرت محمد مصطفی ﷺ نے دی تھی اور جس کے ذریعہ اسلام کا تمام ادیان پر غلبہ مقدر ہے۔

آپ نے ۲۳ / مارچ ۱۸۸۹ء کو ہندوستان کے شہر لدھیانہ میں چالیس مخلصین سے بیعت لی اور آنحضرت ﷺ کے احمد نام کی مناسبت سے اس جماعت کا نام جماعت احمدیہ رکھا۔ آپ نے ۸۰ سے زائد کتب تصنیف فرمائیں اور زندگی بھر عیسائیوں، آریوں اور دیگر مذاہب کی طرف سے اسلام پر ہونے والے حملوں کا بے مثال دفاع کیا۔ ۱۹۰۸ء میں آپ کی وفات کے بعد جماعت احمدیہ میں خلافت کا نظام قائم ہوا اور اب جماعت کے پانچویں خلیفہ حضرت مرزا مسرور احمد ایدہ اللہ تعالیٰ ہیں جو آج کل لندن میں مقیم ہیں۔ نظامِ خلافت کی برکت سے یہ جماعت آج دنیا کے کونے کونے میں پہنچ چکی ہے اور کروڑوں افراد اس الٰہی جماعت میں شامل ہو چکے ہیں۔ حضرت بانی جماعت احمدیہ کا دعویٰ آپ کے اپنے الفاظ میں پیش ہے۔

مسیح اور مہدی

''جو خدا کی طرف سے تجدید دین کیلئے آنے والا تھا وہ میں ہی ہوں تا وہ جو زمین پر سے اُٹھ گیا ہے اس کو دوبارہ قائم کروں اور خدا سے قوت پا کر اسی کے ہاتھ کی کشش سے دنیا کو اصلاح اور تقویٰ اور راستبازی کی طرف کھینچوں اور ان کی اعتقادی اور عملی غلطیوں کو دُور کروں اور پھر جب چند سال اس پر گزرے تو بذریعہ وحی الٰہی میرے پر بتصریح کھولا گیا کہ وہ مسیح جو اس امت کیلئے ابتداء سے موعود تھا اور وہ آخری مہدی جو تنزل اسلام کے وقت اور گمراہی کے پھیلنے کے زمانہ میں براہِ راست خدا سے ہدایت پانے والا اور اس آسمانی مائدہ کو نئے سرے انسانوں کے آگے پیش کرنے والا تقدیر الٰہی میں مقرر کیا تھا جس کی بشارت آج سے تیرہ سو برس پہلے رسول کریم ﷺ نے دی تھی وہ میں ہی ہوں''۔ (تذکرۃ الشہادتین۔ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 3-4)

حکم۔ کاسرِ صلیب

’’اے بھائیو! میں اللہ جل شانہٗ سے الہام دیا گیا ہوں اور علوم ولایت میں سے مجھے علم عطا ہوا ہے پھر میں صدی کے سر پر مبعوث کیا گیا تا اس امت کے دین کی تجدید کروں و را یک حَکَم بن کران کے اختلافات کو درمیان سے اُٹھاؤں اور صلیب کو آسمانی نشانوں کے ساتھ توڑوں اور قوتِ الٰہی سے زمین میں تبدیلی پیدا کروں اور اللہ تعالیٰ نے الہام صریح اور وحی صحیح سے مجھے مسیح موعود اور مہدیٔ موعود کے نام سے پکارا اور میں فریبیوں میں سے نہیں اور نہ میں ایسا ہوں کہ میری زبان پر جھوٹ جاری ہوتا اور میں لوگوں کو بدی میں ڈالتا‘‘۔

(نجم الہدیٰ۔ روحانی خزائن۔ جلد 14 صفحہ 50)

مؤیدِ اسلام

’’اس وقت محض للہ اس ضروری امر سے اطلاع دیتا ہوں کہ مجھے خدا تعالیٰ نے اس چودھویں صدی کے سر پر اپنی طرف سے مامور کر کے دین متین اسلام کی تجدید اور تائید کیلئے بھیجا ہے تا کہ میں اس پُر آشوب زمانہ میں قرآن کی خوبیاں اور حضرت رسول اللہ ﷺ کی عظمتیں ظاہر کروں اور ان تمام دشمنوں کو جو اسلام پر حملہ کر رہے ہیں ان نوروں اور برکات اور خوارق اور علوم لدنیہ کی مدد سے جواب دوں جو مجھ کو عطا کیے گئے ہیں‘‘۔

(برکات الدعا۔ روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 34)

مُعلّمِ قرآن

’’میں ہر ایک مسلمان کی خدمت میں نصیحتاً کہتا ہوں کہ اسلام کیلئے جاگو کہ اسلام سخت فتنہ میں پڑا ہے۔ اس کی مدد کرو کہ اب یہ غریب ہے اور میں اسی لیے آیا ہوں اور مجھے خدا تعالیٰ نے علم قرآن بخشا ہے اور حقائق و معارف اپنی کتاب کے میرے پر کھولے ہیں اور خوارق مجھے عطا کئے ہیں۔ سو میری طرف آؤ تا اس نعمت سے تم بھی حصہ پاؤ۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں......سو عنقریب میرے کاموں کے ساتھ تم مجھے شناخت

کرو گے۔ ہر ایک جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا، اس وقت کے علماء کی نا سمجھی اس کی سدّ راہ ہوئی۔ آخر جب وہ پہچانا گیا تو اپنے کاموں سے پہچانا گیا کہ تلخ درخت شیریں پھل نہیں لاسکتا اور خدا غیر کو وہ برکتیں نہیں دیتا جو خاصوں کو دی جاتی ہیں"۔ (برکات الدعا۔ روحانی خزائن۔ جلد 6 صفحہ 36)

مسیح موعود نام میں مصلحت

اس زمانہ کے مجدد کا نام مسیح موعود رکھنا اس مصلحت پر مبنی معلوم ہوتا ہے کہ اس مجدد کا عظیم الشان کام عیسائیت کا غلبہ توڑنا اور ان کے حملوں کو دفع کرنا اور ان کے فلسفہ کو جو مخالفِ قرآن ہے دلائل قویہ کے ساتھ توڑنا اور ان پر اسلام کی حجت پوری کرنا ہے۔ کیونکہ سب سے بڑی آفت اس زمانہ میں اسلام کیلئے جو بغیر تائید الٰہی دُور نہیں ہوسکتی عیسائیوں کے فلسفیانہ حملے اور مذہبی نکتہ چینیاں ہیں جن کے دُور کرنے کیلئے ضروری تھا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی آوے۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام۔ صفحہ 341)

مسیح موعود - اس زمانہ میں خدا کا مامور

اس زمانہ میں گندی تحریروں کے ذریعہ سے اس قدر آنحضرت ﷺ اور اسلام کی توہین کی گئی ہے کہ کبھی کسی زمانے میں کسی نبی کی توہین نہیں ہوئی...... اور درحقیقت یہ ایسا زمانہ آ گیا ہے کہ شیطان اپنے تمام تر ذرّیات کے ساتھ ناخنوں تک زور لگا رہا ہے تا کہ اسلام کو نابود کر دیا جائے اور چونکہ بلاشبہ سچائی کا جھوٹ کے ساتھ یہ آخری جنگ ہے۔ اس لیے یہ زمانہ بھی اس بات کا حق رکھتا تھا کہ اس کی اصلاح کیلئے کوئی خدا کا مامور آوے۔ پس وہ مسیح موعود ہے جو موجود ہے اور زمانہ حق رکھتا تھا کہ اس نازک وقت میں آسمانی نشانوں کے ساتھ خدا تعالیٰ کی دنیا پر حجت پوری ہو۔ سو آسمانی نشان ظاہر ہو رہے ہیں اور آسمان جوش میں ہے کہ اس قدر آسمانی نشان ظاہر کرے کہ اسلام کی فتح کا نقارہ ہر ایک ملک میں اور ہر ایک حصہ میں دنیا میں بج جائے۔ اے قادر خدا! تو جلد وہ دن لا کہ جس فیصلہ کا تو نے ارادہ کیا ہے وہ ظاہر ہو جائے اور دنیا میں تیرا جلال چمکے اور تیرے دین اور تیرے رسول کی فتح ہو۔ آمین ثم آمین

(چشمۂ معرفت۔ صفحہ 86-87)

مثیل مسیح

میں ان تمام امور پر ایمان رکھتا ہوں جو قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں درج ہیں اور مجھے مسیح ابن مریم ہونے کا دعویٰ نہیں اور نہ میں تناسخ کا قائل ہوں بلکہ مجھے تو فقط مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ ہے۔ جس طرح محدثیت نبوت سے مشابہ ہے ایسا ہی میری روحانی حالت مسیح ابن مریم کی روحانی حالت سے اشد درجہ کی مشابہت رکھتی ہے۔ غرض میں ایک مسلمان ہوں۔ **ایھا المسلمون انا منکم و امامکم منکم بامر الله تعالیٰ** ۔ خلاصہ کلام یہ کہ میں محدث اللہ ہوں اور مامور من اللہ ہوں۔ اور باایں ہمہ مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں۔ جو صدی چہار دہم کیلئے مسیح ابن مریم کی خصلت اور رنگ میں مجدد دین ہو کر **ربّ السموٰت والارض** کی طرف سے آیا ہوں۔ میں مفتری نہیں ہوں **وقد خاب من افتریٰ** ۔ خدا تعالیٰ نے دنیا پر نظر کی اور اس کو ظلمت میں پایا اور مصلحت عباد کیلئے اپنے عاجز بندہ کو خاص کر دیا۔ کیا تمہیں اس سے کچھ تعجب ہے کہ وعدہ کے موافق صدی کے سر پر ایک مجدد بھیجا گیا اور جس نبی کے رنگ میں خدا نے چاہا خدا تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا۔ کیا ضرور نہ تھا کہ مخبر صادق ﷺ کی پیشگوئی پوری ہوتی۔

بھائیو! میں مصلح ہوں، بدعتی نہیں اور معاذ اللہ میں کسی بدعت کو پھیلانے کیلئے نہیں آیا۔ حق کے اظہار کیلئے آیا ہوں اور ہر ایک بات جس کا اثر اور نشان قرآن اور حدیث میں نہ پایا جائے اس کے برخلاف ہو وہ میرے نزدیک الحاد اور بے ایمانی ہے۔ مگر ایسے لوگ تھوڑے ہیں جو کلام الٰہی کی تہہ تک پہنچتے اور ربانی پیشگوئیوں کے باریک بھیدوں کو سمجھتے ہیں۔ میں نے دین میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں کی۔ بھائیو! میرا وہی دین ہے جو تمہارا دین ہے اور وہی رسول کریم میرا مقتدا ہے جو تمہارا مقتدا ہے اور وہی قرآن شریف میرا ہادی ہے اور میرا پیارا اور میری دستاویز ہے جس کا ماننا تم پر بھی فرض ہے۔ ہاں یہ سچ اور بالکل سچ ہے کہ میں حضرت مسیح ابن مریم کو فوت شدہ اور داخل موتی یقین رکھتا ہوں اور جو آنے والے مسیح کے بارے میں پیشگوئی ہے وہ اپنے حق میں یقینی اور قطعی طور پر اعتقاد رکھتا ہوں۔ لیکن اے بھائیو! یہ اعتقاد میں اپنی طرف سے اور اپنے خیال سے نہیں رکھتا بلکہ خداوند کریم جل شانہ نے اپنے الہام و کلام کے ذریعہ سے مجھے اطلاع دے دی ہے کہ مسیح ابن مریم کے نام پر آنے والا تو ہی ہے اور مجھ

پر قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کے وہ دلائل یقینی کھول دیئے ہیں جن سے بتمام ویقین وقطع حضرت عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کا فوت ہو جانا ثابت ہوتا ہے۔ اور مجھے اس قادر مطلق نے بار بار اپنے کلام خاص سے شرف اور مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ آخری زمانہ کی یہودیت دُور کرنے کیلئے تجھے عیسیٰ ابن مریم کے رنگ اور کمال میں بھیجا گیا ہے۔ سو میں استعارہ کے طور پر ابن مریم ہوں جس کا یہودیت کے زمانہ اور تنصر کے غلبہ میں آنے کا وعدہ تھا جو غربت اور روحانی قوت اور روحانی اسلحہ کے ساتھ ظاہر ہوا۔

(تبلیغ رسالت۔ جلد دوم صفحہ 21)

مجدد وقت

اس وقت محض للہ اس ضروری امر سے اطلاع دیتا ہوں کہ مجھے خدا تعالیٰ نے اس چودھویں صدی کے سر پر اپنی طرف سے مامور کر کے دین متین اسلام کی تجدید اور تائید کیلئے بھیجا ہے تا کہ میں اس پُر آشوب زمانہ میں قرآن کی خوبیاں اور حضرت رسول اللہ ﷺ کی عظمتیں ظاہر کروں اور ان تمام دشمنوں کو جو اسلام پر حملہ کر رہے ہیں ان نوروں اور برکات اور خوارق اور علوم لدنیہ کی مدد سے جواب دوں جو مجھ کو عطا کیے گئے ہیں۔

(برکات الدعا۔ روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 34)

اور مصنف کو بھی اس بات کا علم دیا گیا ہے کہ وہ مجدد وقت ہے اور روحانی طور پر اُس کے کمالات مسیح ابن مریم سے مشابہ ہیں اور ایک کو دوسرے سے بشدت مناسبت ومشابہت ہے۔

(اشتہار منسلکہ آئینہ کمالاتِ اسلام۔ روحانی خزائن۔ جلد 5 صفحہ 657)

جری اللہ فی حلل الانبیاء

میں وہی ہوں جس کا خدا نے وعدہ کیا تھا۔ ہاں! میں وہی ہوں جس کا سارے نبیوں کی زبان پر وعدہ ہوا (ملفوظات۔ جلد سوم صفحہ 65)

خدا تعالیٰ نے میرا نام عیسیٰ ہی نہیں رکھا بلکہ ابتداء سے انتہاء تک جس قدر انبیاء علیہم السلام کے نام تھے وہ سب میرے نام رکھ دیئے ہیں۔ چنانچہ براہین احمدیہ حصص سابقہ میں میرا نام آدم رکھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اردت ان استخلف فخلقت ادم ....

اسی طرح براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں میرا نام نوح بھی رکھا اور میری نسبت فرمایا و لا تخاطبنی فی الذین ظلموا انھم مغرقون ......اور مجھے خدا تعالیٰ نے فرمایا اصنع الفلک باعیننا و وحینا۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ یداللہ فوق ایدیھم۔

اسی طرح براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں میرا نام ابراہیم بھی رکھا گیا۔جیسا کہ فرمایا سلام علیک یا ابراھیم یعنی اے ابراہیم تجھ پر سلام۔ابراہیم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے بہت برکتیں دی تھیں اور وہ ہمیشہ دشمنوں کے ہاتھ سے سلامت رہا۔پس میرا نام ابراہیم رکھ کر خدا تعالیٰ یہ اشارہ کرتا ہے کہ ایسا ہی اس ابراہیم کو برکتیں دی جائیں گی اور مخالف اس کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکیں گے............

اسی طرح براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں میرا نام یوسف بھی رکھا گیا ....اور ایسا ہی براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں میرا نام موسیٰ رکھا گیا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تلطف بالناس و ترحم علیھم و انت فیھم بمنزلۃ موسیٰ واصبر علی مایقولون ......

اسی طرح خدا نے براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں میرا نام داؤد بھی رکھا۔جس کی تفصیل عنقریب اپنے موقعہ پر آئے گی۔ ایسا ہی براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں خدا تعالیٰ نے میرا نام سلیمان بھی رکھا اور اس کی تفصیل بھی عنقریب آئے گی۔ ایسا ہی براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں خدا تعالیٰ نے میرا نام احمد اور محمد بھی رکھا اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جیسا کہ آنحضرت ﷺ خاتم نبوۃ ہیں ویسا ہی یہ عاجز خاتم ولایت ہے۔اور بعد اس کے میری نسبت براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں یہ بھی فرمایا جری اللہ فی حلل الانبیاء ۔یعنی رسول خدا تمام نبیوں کے پیرائیوں میں۔ اس وحی الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ آدم سے لے کر آخیر تک جس قدر انبیاء علیہم السلام خدا تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں آئے ہیں خواہ وہ اسرائیلی ہیں یا غیر اسرائیلی، ان سب کے خاص واقعات یا خاص صفات میں سے اس عاجز کو کچھ حصہ دیا گیا ہے اور ایک بھی نبی ایسا نہیں گزرا جس کے خواص یا واقعات میں سے اس عاجز کو کچھ حصہ نہیں دیا گیا۔ ہر ایک نبی کی فطرت کا نقش میری فطرت میں ہے۔اسی پر خدا نے مجھے اطلاع دی............

اس زمانہ میں خدا نے چاہا کہ جس قدر نیک اور راستباز مقدس نبی گزر چکے ہیں ایک ہی شخص کے وجود میں ان کے نمونے ظاہر کئے جاویں۔سو وہ میں ہوں ......اسی طرح خدا تعالیٰ نے میرا نام

ذوالقرنین بھی رکھا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی میری نسبت یہ وحی مقدس ہے کہ **جری اللہ فی حلل الانبیاء**۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ خدا کا رسول تمام نبیوں کے پیرائیوں میں ۔ یہ چاہتی ہے کہ مجھ میں ذوالقرنین کی صفات بھی ہوں ۔ کیونکہ سورہ کہف سے ثابت ہے کہ ذوالقرنین بھی صاحب وحی تھا۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ۔ روحانی خزائن ۔ جلد 21 صفحہ 112 تا 118)

امام الزمان

میں اس وقت بے دھڑک کہتا ہوں کہ خدا کے فضل اور عنایت سے وہ امام الزمان میں ہوں اور مجھ میں خدا تعالیٰ نے وہ تمام علامتیں اور شرطیں جمع کی ہیں اور اس صدی کے سر پر مجھے مبعوث فرمایا ہے۔ .... یاد رہے کہ امام الزمان کے لفظ میں نبی، رسول، محدث، مجدد سب داخل ہیں ۔ مگر جو لوگ ارشاد اور ہدایت خلق اللہ کیلئے مامور نہیں ہوئے اور نہ وہ کمالات اُن کو دیئے گئے گو وہ ولی ہوں یا ابدال ہوں، امام الزمان نہیں کہلا سکتے ۔ (ضرورة الامام ۔ روحانی خزائن ۔ جلد 13 صفحہ 495)

......اب ایک ضروری سوال یہ ہے کہ امام الزمان کس کو کہتے ہیں اور اس کی علامات کیا ہیں اور اس کو دوسرے ملہموں اور خواب بینوں اور اہل کشف پر ترجیح کیا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ امام الزمان اس شخص کا نام ہے کہ جس کی روحانی تربیت کا خدا تعالیٰ متولی ہو کر اُس کی فطرت میں ایک ایسی امامت کی روشنی رکھ دیتا ہے کہ وہ سارے جہاں کے معقولیوں اور فلسفیوں سے ہر ایک رنگ میں مباحثہ کر کے ان کو مغلوب کر لیتا ہے۔ وہ ہر ایک قسم کے دقیق در دقیق اعتراضات کا خدا سے قوت پا کر ایسی عمدگی سے جواب دیتا ہے کہ آخر ماننا پڑتا ہے کہ اس کی فطرت دنیا کی اصلاح کا پورا سامان لے کر اس مسافر خانہ میں آئی ہے۔ اس لیے اس کو کسی دشمن کے سامنے شرمندہ ہونا نہیں پڑتا۔ وہ روحانی طور پر محمدی فوجوں کا سپہ سالار ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے کہ اس کے ہاتھ پر دین کی دوبارہ فتح کرے اور وہ تمام لوگ جو اس کے جھنڈے کے نیچے آتے ہیں ان کو بھی اعلیٰ درجہ کے قویٰ بخشے جاتے ہیں اور وہ تمام شرائط جو اصلاح کیلئے ضروری ہوتے ہیں اور وہ تمام علوم جو اعتراضات کے اٹھانے اور اسلامی خوبیوں کے بیان کرنے کیلئے ضروری ہیں اس کو عطا کئے جاتے ہیں۔

(ضرورت الامام ۔ روحانی خزائن ۔ جلد 13 صفحہ 476)

خلیفۃ اللہ

میں بیت اللہ میں کھڑے ہوکر یہ قسم کھا سکتا ہوں کہ وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے وہ اسی خدا کا کلام ہے جس نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اپنا کلام نازل کیا تھا۔ میرے لیے زمین نے بھی گواہی دی اور آسمان نے بھی۔ اس طرح میرے لئے آسمان بھی بولا اور زمین بھی کہ میں خلیفۃ اللہ ہوں۔ (ایک غلطی کا ازالہ۔ روحانی خزائن۔ جلد 18 صفحہ 210)

فرشتوں کا نزول اور کامیابی کی بشارت

چونکہ یہ عاجز راستی اور سچائی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے اس لیے تم صداقت کے نشان ہر ایک طرف سے پاؤ گے۔ وہ وقت دُور نہیں بلکہ بہت قریب ہے کہ جب تم فرشتوں کی فوجیں آسمان سے اترتی اور ایشیا اور یورپ اور امریکہ کے دلوں پر نازل ہوتی دیکھو گے۔ یہ تم قرآن شریف سے معلوم کر چکے ہو کہ خلیفۃ اللہ کے نزول کے ساتھ فرشتوں کا نازل ہونا ضروری ہے تا دلوں کو حق کی طرف پھیریں۔ سو اس نشان کے منتظر رہو۔ اگر فرشتوں کا نزول نہ ہوا اور ان کے اترنے کی نمایاں تاثیریں تم نے دنیا میں نہ دیکھیں اور حق کی طرف دلوں کی جنبش کو معمول سے زیادہ نہ پایا تو تم نے یہ سمجھنا کہ آسمان سے کوئی نازل نہیں ہوا۔ لیکن اگر یہ سب باتیں ظہور میں آگئیں تو تم انکار سے باز آؤ۔ تا تم خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک سرکش قوم نہ ٹھہرو۔

(فتح اسلام۔ روحانی خزائن۔ جلد 3 صفحہ 13)

آخری نور

مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا۔ میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں اور میں اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں۔ بدقسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریک ہے۔

(کشتی نوح۔ روحانی خزائن۔ جلد 19 صفحہ 61)

عنایاتِ الٰہی

فرمایا:-

(۱) خدا نے مجھے قرآنی معارف بخشے ہیں۔

(۲) خدا نے مجھے قرآن کی زبان میں اعجاز عطا فرمایا ہے۔

(۳) خدا نے میری دعاؤں میں سب سے بڑھ کر قبولیت رکھی ہے۔

(۴) خدا نے مجھے آسمانی نشان دیئے ہیں۔

(۵) خدا نے مجھے زمین سے نشان دیئے ہیں۔

(۶) خدا نے مجھے وعدہ دے رکھا ہے کہ تجھ سے ہر ایک مقابلہ کرنے والا مغلوب ہوگا۔

(۷) خدا نے مجھے بشارت دی ہے کہ تیرے پیرو ہمیشہ اپنے دلائل صدق میں غالب رہیں گے اور دنیا میں اکثر وہ اور ان کی نسل بڑی بڑی عزتیں پائیں گے۔ تا ان پر ثابت ہو کہ جو خدا کی طرف سے آتا ہے وہ کچھ نقصان نہیں اٹھاتا۔

(۸) خدا نے مجھے وعدہ دے رکھا ہے کہ قیامت تک اور جب تک کہ دنیا کا سلسلہ منقطع ہو جائے میں تیری برکات ظاہر کرتا رہوں گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔

(۹) خدا نے آج سے بیس برس پہلے مجھے بشارت دی ہے کہ تیرا انکار کیا جائے گا اور لوگ تجھے قبول نہیں کریں گے۔ پر میں تجھے قبول کروں گا اور بڑے زور آور حملوں سے تیری سچائی ظاہر کروں گا۔

(۱۰) اور خدا نے مجھے وعدہ دیا ہے کہ تیری برکات کا دوبارہ نور ظاہر کرنے کیلئے تجھ سے ہی اور تیری نسل میں سے ایک شخص کھڑا کیا جائے گا۔ جس میں مَیں رُوح القدس کی برکات پھونکوں گا۔ وہ پاک باطن اور خدا سے نہایت پاک تعلق رکھنے والا ہوگا اور مظہر الحق والعلاء ہوگا۔ گویا خدا آسمان سے نازل ہوا۔ وتلک عشرۃ کاملۃ۔ دیکھو وہ زمانہ چلا آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ خدا اس سلسلہ کی دنیا میں بڑی قبولیت پھیلائے گا

اور یہ سلسلہ مشرق اور مغرب اور شمال اور جنوب میں پھیلے گا اور دنیا میں اسلام سے مراد یہی سلسلہ ہوگا۔ یہ باتیں انسان کی نہیں۔ یہ اس خدا کی وحی ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں۔

(تحفۂ گولڑویہ۔روحانی خزائن۔جلد 17 صفحہ 181)

کیوں عجب کرتے ہو گر میں آگیا ہو کر مسیح — خود مسیحائی کا دم بھرتی ہے یہ بادِ بہار
آسماں پہ دعوتِ حق کیلئے اک جوش ہے — ہو رہا ہے نیک طبعوں پر فرشتوں کا اُتار

آ رہا ہے اس طرف احرار یورپ کا مزاج — نبض پھر چلنے لگی مُردوں کی ناگہ زندہ وار
کہتے ہیں تثلیث کو اب اہلِ دانش الوداع — پھر ہوئے ہیں چشمۂ توحید پر از جاں نثار
باغ میں ملت کے ہے کوئی گلِ رعنا کھلا — آئی ہے بادِ صبا گلزار سے مستانہ وار
آ رہی ہے اب تو خوشبو میرے یوسف کی مجھے — گو کہو دیوانہ میں کرتا ہوں اُس کا انتظار

اسمعوا صوت السماء جاء المسیح جاء المسیح — نیز بشنو از زمیں آمد امام کامگار
آسماں بارد نشاں الوقت مے گوید زمیں — ایں دو شاہد از پئے من نعرہ زن چوں بیقرار
اب اِسی گلشن میں لوگوں راحت و آرام ہے — وقت ہے جلد آؤ اے آوارگانِ دشت خار
اِک زماں کے بعد اب آئی ہے یہ ٹھنڈی ہوا — پھر خدا جانے کہ کب آویں یہ دن اور یہ بہار

غیر کیا جانے کہ دلبر سے ہمیں کیا جوڑ ہے — وہ ہمارا ہو گیا اس کے ہوئے ہم جاں نثار
میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں — نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار
اک شجر ہوں جس کو داؤدی صفت کے پھل لگے — میں ہوا داؤد اور جالوت ہے میرا شکار
پر مسیحا بن کے میں بھی دیکھتا روئے صلیب — گر نہ ہوتا نام احمدؐ جس پہ میرا سب مدار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ 101-103)

مجھ کو کیا ملکوں سے میرا ملک ہے سب سے جدا — مجھ کو کیا تاجوں سے میرا تاج ہے رضوانِ یار
ہم تو بستے ہیں فلک پر اس زمیں کو کیا کریں — آسماں کے رہنے والوں کو زمین سے کیا نقار

روضۂ آدم کہ تھا وہ نامکمل اب تلک
میرے آنے سے ہوا کامل بجملہ برگ و بار

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے
اب میں دیتا ہوں اگر کوئی ملے امیدوار
(براہین احمدیہ حصہ پنجم)

کیا شک ہے ماننے میں تمہیں اس مسیح کے
جس کی مماثلت کو خدا نے بتادیا
حاذق طبیب پاتے ہیں تم سے یہی خطاب
خوبوں کو بھی تو تم نے مسیحا بنادیا
(درثمین)

یہ سراسر فضل و احساں ہے کہ میں آیا پسند
ورنہ درگاہ میں تری کچھ کم نہ تھے خدمت گزار
دوستی کا دم جو بھرتے تھے وہ سب دشمن ہوئے
پر نہ چھوڑا ساتھ تو نے اے مرے حاجت برار
اے مرے یارِ یگانہ اے میری جاں کی پنہ
بس ہے تو میرے لئے مجھ کو نہیں تجھ بن بکار
میں تو مر کر خاک ہوتا گر نہ ہوتا تیرا لطف
پھر خدا جانے کہاں یہ پھینک دی جاتی غبار

اے فدا ہو تیری رہ میں میرا جسم و جان و دل
میں نہیں پاتا کہ تجھ سا کوئی کرتا ہو پیار
ابتداء سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے
گود میں تیری رہا میں مثل طفل شیرخوار
نسل انساں میں نہیں دیکھی وفا جو تجھ میں ہے
تیرے بن دیکھا نہیں کوئی بھی یارِ غمگسار
لوگ کہتے ہیں کہ نالائق نہیں ہوتا قبول
میں تو نالائق بھی ہو کر پا گیا درگہ میں بار

اِس قدر مجھ پر ہوئی تیری عنایات و کرم
جن کا مشکل ہے کہ تا روز قیامت ہو شمار

اس میں میرا جرم کیا جب مجھ کو یہ فرماں ملا
کون ہوں تا ردّ کروں حکم شہ ذی الاقتدار
اب تو جو فرماں ملا اس کا ادا کرنا ہے کام
گرچہ میں ہوں بس ضعیف و ناتواں و دلفگار
(براہین احمدیہ حصہ پنجم)

دارالنجات کا دروازہ

"یہ عاجز تو محض اس غرض کیلئے بھیجا گیا ہے کہ تا یہ پیغام خلق اللہ کو پہنچائے کہ دنیا کے مذاہب موجود میں سے وہ مذہب حق پر اور خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے جو قرآن کریم لایا ہے اور دارالنجات

میں داخل ہونے کیلئے دروازہ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے‘‘۔
(حجۃ الاسلام۔روحانی خزائن۔جلد 6 صفحہ 12-13)

سچا مذہب

’’اے تمام وہ لوگو جو زمین پر رہتے ہو اور اے تمام وہ انسانی روحو جو مشرق اور مغرب میں آباد ہوئیں پورے زور کے ساتھ آپ کو اس طرف دعوت کرتا ہوں کہ اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے اور سچا خدا بھی وہی خدا ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے اور ہمیشہ کی روحانی زندگی والا نبی اور جلال اور تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہے‘‘۔(تریاق القلوب۔روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 140)

قرآن کی خوبیاں

’’مجھے خدا تعالیٰ نے اس چودھویں صدی کے سر پر اپنی طرف سے مامور کر کے دین متین اسلام کی تجدید اور تائید کیلئے بھیجا ہے تا کہ میں اس پُر آشوب زمانہ میں قرآن کی خوبیاں اور حضرت رسول اللہ ﷺ کی عظمتیں ظاہر کروں اور ان تمام دشمنوں کو جو اسلام پر حملہ کر رہے ہیں ان نوروں اور برکات اور خوارق اور علوم لدنیہ کی مدد سے جواب دوں جو مجھ کو عطا کئے گئے ہیں‘‘۔(برکات الدعا۔روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 34)

غلبۂ دین

’’اس نے مجھے بھیجا کہ میں اسلام کو براہین اور حجج ساطعہ کے ساتھ تمام ملتوں اور مذہبوں پر غالب کر کے دکھاؤں۔اللہ تعالیٰ نے اس مبارک زمانہ میں چاہا کہ اس کا جلال ظاہر ہو اب کوئی نہیں جو اس کو روک سکے‘‘۔ (ملفوظات۔جلد اوّل صفحہ 432، نیا ایڈیشن)

تعلیماتِ حقہ کی اشاعت

’’خداوند تعالیٰ نے اس احقر عباد کو اس زمانہ میں پیدا کر کے اور صدہا نشان آسمانی اور خوارق غیبی اور معارف وحقائق مرحمت فرما کر اور صدہا دلائل عقلیہ قطعیہ پر علم بخش کر یہ ارادہ فرمایا کہ تا تعلیمات حقہ قرآنی کو ہر قوم ہر ملک میں شائع اور رائج فرماوے اور اپنی حجت ان پر پوری کرے‘‘۔
(براہین احمدیہ۔روحانی خزائن۔جلد اوّل صفحہ 596)

خوشخبری

’’زندہ مذہب وہ ہے جس کے ذریعہ سے زندہ خدا ملے۔زندہ خدا وہ ہے جو ہمیں بلاواسطہ ملہم کر سکے اور کم سے کم یہ کہ ہم بلاواسطہ ملہم کو دیکھ سکیں۔سو میں تمام دنیا کو خوشخبری دیتا ہوں کہ یہ زندہ خدا اسلام کا خدا ہے‘‘۔ (مجموعہ اشتہارات۔جلد2 صفحہ 311)

موسیٰ کا طور

’’میں دیکھ رہا ہوں کہ بجز اسلام کے تمام مذاہب مُردے،ان کے خدا مُردے اور وہ خود تمام پیرو مُردے ہیں۔اور خدا تعالیٰ کے ساتھ زندہ تعلق ہو جانا بجز اسلام قبول کرنے کے ہر گز ممکن نہیں۔ ہر گز ممکن نہیں۔اے نادانوں تمہیں مُردہ پرستی میں کیا مزا ہے اور مردار کھانے میں کیا لذت۔آؤ میں تمہیں بتلاؤں کہ زندہ خدا کہاں ہے اور کس قوم کے ساتھ ہے۔وہ اسلام کے ساتھ ہے۔اسلام اس وقت موسیٰ کا طور ہے جہاں خدا بول رہا ہے۔وہ خدا جو نبیوں کے ساتھ کلام کرتا تھا اور پھر چپ ہو گیا۔آج وہ ایک مسلمان کے دل میں کلام کر رہا ہے‘‘۔(ضمیمہ انجام آتھم۔روحانی خزائن۔جلد 11 صفحہ 346-345)

نور کے چشمے

’’میں صرف اسلام کو سچا مذہب سمجھتا ہوں اور دوسرے مذاہب کو باطل اور سراسر دروغ کا پتلا خیال کرتا ہوں اور میں دیکھتا ہوں کہ اسلام کے ماننے سے نور کے چشمے میرے اندر بہہ رہے ہیں اور محض محبت رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے وہ اعلیٰ مرتبہ مکالمہ الٰہیہ اور اجابت دعاؤں کا مجھے حاصل ہوا ہے جو کہ بجز سچے نبی کے پیرو کے اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکے گا اور مجھے دکھلایا اور بتایا گیا اور سمجھایا گیا ہے کہ دنیا میں فقط اسلام ہی حق ہے اور میرے پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ سب کچھ بہ برکت پیروی حضرت خاتم الانبیاء ﷺ تجھ کو ملا ہے‘‘۔ (آئینہ کمالات اسلام۔روحانی خزائن۔جلد 5 صفحہ 276-275)

صراطِ مستقیم

’’صراطِ مستقیم فقط دین اسلام ہے اور اب آسمان کے نیچے فقط ایک ہی نبی اور ایک ہی کتاب

ہے۔ یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جو اعلیٰ و افضل سب نبیوں سے اور اتم و اکمل سب رسولوں سے خاتم الانبیاء اور خیر الناس ہیں۔ جن کی پیروی سے خدائے تعالیٰ ملتا ہے اور ظلماتی پردے اُٹھتے ہیں اور اسی جہان میں سچی نجات کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اور قرآن شریف سچی اور کامل ہدایتوں اور تاثیروں پر مشتمل ہے"۔ (براہین احمدیہ۔ روحانی خزائن۔ جلد اوّل صفحہ 557)

بانی جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی اس بات کے مدعی ہیں کہ آپ وہی مسیح اور مہدی ہیں جن کے ظہور کے متعلق قرآن کریم، احادیث نبویہ اور اقوال بزرگان اُمت میں پیشگوئیاں موجود ہیں اور آپ نے وہی مقام بیان فرمایا ہے جو ان پیش خبریوں میں آنے والے مسیح اور مہدی کا بیان کیا گیا ہے اور جماعت احمدیہ آپ کو آپ کے جملہ دعاوی میں سچا جانتی ہے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم، احادیث نبویہ اور اقوال بزرگان و علماء امت کی روشنی میں آنے والے مہدی اور مسیح کے مقام کی وضاحت کر دی جائے۔

مسیح ومہدی کا مقام اور قرآن شریف

قرآن کریم کی سورۃ الجمعہ آیت 4,3 میں آنحضرت ﷺ کی دو بعثتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔آپ کی پہلی بعثت عرب کے امیّوں میں ہوئی اور دوسری بعثت **واخرین منھم لما یلحقوا بھم** کے مطابق آخرین میں مقدر تھی۔جب یہ آیات نازل ہوئیں تو صحابہ کرامؓ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت فرمایا کہ یہ آخرین کون لوگ ہیں جن میں حضور ﷺ کی دوسری بعثت ہوگی۔اس پر آنحضرت ﷺ نے مجلس میں موجود حضرت سلمان فارسیؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا **لو کان الایمان معلقا بالثریا لنا له رجل او رجال من هؤلاء** (بخاری کتاب التفسیر سورۃ الجمعہ)۔اگر ایمان ثریا ستارے پر بھی چلا گیا تو ایک فارسی الاصل شخص یا اشخاص اس ایمان کو دوبارہ دنیا میں قائم کریں گے۔

پس اس آیت میں آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والے فارسی الاصل شخص کی بعثت کو آنحضرت ﷺ کی بعثت قرار دیا گیا ہے۔گویا آنے والا موعود آنحضرت ﷺ کا ظل کامل ہوگا۔

ھو الذی ارسل رسوله بالھدی و دین الحق لیظھره علی الدین کله (الصّف:10) وہی خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر مبعوث فرمایا تا کہ وہ اسے تمام ادیان باطلہ پر غالب کر دے۔اس آیت کی تفسیر میں مفسرین لکھتے ہیں کہ اسلام کا ادیان باطلہ پر غلبہ مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ظاہر ہوگا۔اس آیت کے اصل مصداق آنحضرت ﷺ ہی ہیں۔لیکن وہ موعود غلبہ مسیح اور مہدی کے زمانہ میں ظاہر ہونا تھا۔اس لیے مسیح اور مہدی کو آنحضرت ﷺ سے جدا نہیں سمجھا گیا بلکہ اس کا آنا آنحضرت ﷺ کا آنا قرار دیا گیا۔

اس مفہوم کی وضاحت آنحضرت ﷺ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے۔جیسا کہ آپ نے فرمایا **یھلک اللہ فی زمانه الملل کلھا الا الاسلام** (ابوداؤد کتاب الملاحم باب خروج الدجال)۔امام مہدی کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ اسلام کے سوا باقی تمام ادیان کو مٹا دے گا۔

پس اس آیت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ امت میں ظاہر ہونے والے مسیح اور مہدی آنحضرت ﷺ کے روحانی فرزند اور ظل کامل ہوں گے۔اس لیے اس کے زمانہ میں ظاہر ہونے والے غلبہ کو آنحضرت ﷺ کا غلبہ قرار دیا گیا ہے۔

مسیح اور مہدی کا مقام اور احادیث نبویہ

۱۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: **مثل امتی مثل المطر لا یدری اولہ خیر ام اخرہ** (مشکوٰۃ کتاب الرقاق باب ثواب ھذہ الامۃ)۔ کہ میری امت کی مثال اس بارش کی سی ہے کہ جس کے متعلق معلوم نہیں کہ اس کا اوّل حصہ بہتر ہے یا آخری حصہ۔

آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں امت کی مثال بارش سے دی ہے اور بتایا ہے کہ معلوم نہیں کہ اس کا اوّل زیادہ بہتر ہے یا آخر۔ آپؐ نے امت کی ابتداء کو بہتر تو اس بنا پر قرار دیا کہ آپ امت میں موجود تھے اور امت کے آخر کو بہتر قرار دینا اس بنا پر ہوسکتا ہے کہ آخری زمانہ میں امت میں آپ کے مظہر کامل مسیح اور مہدی نے ظاہر ہونا تھا۔

۲۔ آپ نے آخری زمانہ میں آنے والے مسیح موعود کو نبی اللہ کے خطاب سے نوازا۔ چنانچہ مسلم کی حدیث میں آپ کیلئے چار دفعہ نبی اللہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔
(مسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال وصفتہ)

۳۔ آپ نے آنے والے موعود کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور اس کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی قرار دیا۔ (بحار الانوار جلد 13 صفحہ 71)

۴۔ آپ نے آنے والے موعود کو قبول کرنے کی امت کو یہاں تک تاکید فرمائی کہ اگر برف کے پہاڑوں پر سے گھسٹ کر بھی جانا پڑے تو پھر بھی اسے قبول کرنا اور اس کی خدمت میں حاضر ہوکر میرا اسلام پیش کرنا۔ (ابن ماجہ کتاب الفتن باب خروج المہدی)

۵۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جس نے مہدی کو جھٹلایا اس نے گویا کفر کیا۔
(حجج الکرامہ صفحہ 351 از نواب محمد صدیق حسن خان۔ مطبع شاہجہانی بھوپال)

مسیح اور مہدی کا مقام اور علماء و بزرگان امت

حضرت محمد بن سیرینؒ: (33ھ تا 110ھ)

آپ امام مہدی کے بارہ میں فرماتے ہیں:-

''اس امت میں ایک خلیفہ ہوگا جو حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ سے بہتر ہوگا۔ کہا گیا کیا ان دونوں سے بہتر ہوگا۔ انہوں نے فرمایا کہ قریب ہے کہ وہ بعض انبیاء سے بھی افضل ہو''۔

(حجج الکرامہ صفحہ 386 از نواب محمد صدیق حسن خان۔ مطبع شاہجہانی بھوپال)

حضرت امام باقر علیہ السلام: (51ھ تا 114ھ)

''جب امام مہدی آئے گا تو یہ اعلان کرے گا کہ اے لوگو! اگر تم میں سے کوئی ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کو دیکھنا چاہتا ہے تو سن لے کہ میں ہی ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ ہوں اور اگر تم میں سے کوئی موسیٰؑ اور یوشع کو دیکھنا چاہتا ہے تو سن لے کہ میں ہی موسیٰؑ اور یوشع ہوں۔ اور اگر تم میں سے کوئی عیسیٰؑ اور شمعون کو دیکھنا چاہتا ہے تو سن لے کہ عیسیٰؑ اور شمعون میں ہی ہوں اور اگر تم میں سے کوئی محمد مصطفیٰ ﷺ اور امیر المومنین (علیؓ) کو دیکھنا چاہتا ہے تو سن لے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ اور امیر المومنین میں ہی ہوں''۔

(بحار الانوار جلد نمبر 13 صفحہ 202)

حضرت امام عبدالرزاق کاشانیؒ: (وفات 730ھ)

''آخری زمانہ میں جو امام مہدی آئیں گے وہ احکام شریعت میں آنحضرت ﷺ کے تابع ہوں گے اور معارف و علوم اور حقیقت میں آپ کے سوا تمام انبیاء اور اولیاء ان کے تابع ہوں گے۔ اور یہ بات ہمارے مذکورہ بیان کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ امام مہدی کا باطن حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا باطن ہوگا''۔ (شرح فصوص الحکم مطبع البابی الحلبی۔ صفحہ 42-43)

عارف ربانی محبوب سبحانی سیّد عبدالکریم جیلانی: (767ھ تا 837ھ)

''اس (امام مہدی...... ناقل) سے مراد وہ شخص ہے جو صاحب مقام محمدیؐ ہے اور ہر کمال کی بلندی میں کامل اعتدال رکھتا ہے''۔ (انسان کامل (اُردو) باب نمبر 61 مہدیؑ کا ذکر صفحہ 375 نفیس اکیڈمی کراچی)

حضرت ملا عبدالرحمٰن جامی:(817ھ تا 898ھ)

''حضرت نبی کریم ﷺ کا مشکوٰۃ باطن ہی محمدی ولایت خاصّہ ہے اور وہی بجنسہ خاتم الاولیاء حضرت امام مہدی علیہ السلام کا مشکوٰۃ باطن ہے۔ کیونکہ امام موصوف آنحضرت ﷺ کے ہی مظہر کامل ہیں''۔ (شرح فصوص الحکم ہندی از حضرت ملا عبدالرحمٰن جامی صفحہ 69)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی:(1114ھ تا 1175ھ)

''امت محمدیہ میں آنے والے مسیح موعود کا یہ حق ہے کہ اس میں سیّد المرسلین ﷺ کے انوار کا انعکاس ہو۔ عامۃ الناس یہ گمان کرتے ہیں کہ جب وہ موعود دنیا میں آئے گا تو اس کی حیثیت محض ایک امتی کی ہوگی۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ وہ تو اسم جامع محمدی کی پوری تشریح ہوگا۔ اور اسی کا دوسرا نسخہ (TRUE COPY۔ ناقل) ہوگا۔ پس اس کے اور ایک عام امتی کے درمیان بہت بڑا فرق ہے''۔

(الخیر الکثیر از حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ صفحہ 72۔ مدینہ پریس بجنور)

شیخ محمد اکرم صابری صاحب نے 1310ھ میں لکھا:

''یعنی وہ محمد ﷺ ہی تھے جنہوں نے آدم کی صورت میں دنیا کی ابتداء میں ظہور فرمایا۔ یعنی ابتدائے عالم میں محمد مصطفیٰ ﷺ کی روحانیت بروز کے طور پر حضرت آدم میں ظاہر ہوئی اور محمد ﷺ ہی ہوں گے جو آخری زمانہ میں خاتم الولایت امام مہدی کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔ یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ کی روحانیت مہدی میں ظہور اور بروز کرے گی''۔

(اقتباس الانوار از شیخ محمد اکرم صابری۔ صفحہ 52)

اُردو کے مشہور شاعر جناب امام بخش ناسخ:(1188ھ تا 1253ھ)

اوّل و آخر کی نسبت ہوگی صادق یہاں
صورت معنی شبیہ مصطفیٰ پیدا ہوا
دیکھ کر اس کو کریں گے لوگ رجعت کا گماں
یوں کہیں گے معجزے سے مصطفیٰ پیدا ہوا

(دیوان ناسخ۔ جلد دوم صفحہ 54 مطبع منشی نول کشور لکھنؤ 1923ء)

بزرگ صوفی حضرت خواجہ غلام فرید: آف چاچڑاں شریف (1287ھ تا1319ھ)

''حضرت آدم صفی اللہ سے لے کر خاتم الولایت امام مہدی تک حضور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بارز ہیں۔ پہلی بار آپ نے حضرت آدم علیہ السلام میں بروز کیا ہے......اس کے بعد دوسرے مشائخ عظام میں نوبت بہ نوبت بروز کیا ہے اور کرتے رہیں گے۔ حتیٰ کہ امام مہدی میں بروز فرمائیں گے۔ پس حضرت آدم سے امام مہدی تک جتنے انبیاء اور اولیاء، قطب مدار ہوئے ہیں تمام روح محمدی ﷺ کے مظاہر ہیں''۔

(مقابیس المجالس صفحہ 419۔ مقبوس نمبر 63۔ از مولانا رکن الدین۔
ترجمہ پاکستان واحد بخش سیال اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور صوفی فاؤنڈیشن بہاولپور)

شیعہ مجتہد علی الحائری: (1288ھ تا1360ھ)

''حضرت امام مہدی علیہ السلام کی حضرت مسیحؑ پر افضلیت واضح اور ثابت ہے''۔

(غایۃ المقصود۔ جلد نمبر 2 صفحہ 38۔ از مولوی سید علی الحائری مطبع شمس الہند لاہور)

شیعہ مجتہد مولانا سیّد محمد سبطین صاحب نے 1335ھ میں لکھا:-

''مہدی نفس رسول اللہ ﷺ ومظہر اوصاف رسول اللہ ﷺ ونائب خاص رسول اور آئینہ کمالات رسول ﷺ ہے اور ظہور انوار محمد و اوصاف و کمالات محمدی اس جناب پر موقوف ہے۔ پس چاہیے کہ وہ ہم شکل و ہم نام و ہم کنیت و جزو نور محمدی خلق اور سیرت میں بھی مثل محمدؐ ہوں بلکہ ایسا ہونا ضروری ولازمی ہے''۔

(الصراط السوی فی احوال المہدی صفحہ 409۔ از مولانا سیّد محمد سبطین
ناشر مینجر البرہان بک ڈپو A-33 عمر روڈ اسلام پورہ لاہور)

قاری محمد طیب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند: (1320ھ تا1403ھ)

(i) ''چونکہ حضرت عیسوی کے وجود میں آنے کا باعث صورت محمدی میں تمثل ہوا ہے اور آپ حضور کے ابن تمثالی ثابت ہوتے ہیں۔ اس لیے **الولد سر لابیہ** کے اصول پر ذات عیسوی کو حضور کی ذات اقدس سے وہ خاص خصوصیات پیدا ہو گئیں جو قدرتی طور پر اور انبیاء علیہم السلام کو نہیں

ہوسکتی تھیں۔ چنانچہ منصب خاتمیت ،طور مقبولیت ، مقام عبدیت ، غلبہ رحمت ، شان معصومیت ، وضع علم و معرفت ، نوعیت ہجرت و جہاد ، حریت و مرتبہ ، مرتبہ تکمیل عبادت ، درجہ بشارت ، مکالمہ قیامت وغیرہ جیسے اہم اور عظیم امور ہیں ۔ اگر حضور کی ذات اقدس سے کسی کو کمال اشتراک و تناسب ثابت ہوتا ہے تو حضرت عیسیٰ کی ذات مقدس کو"۔

(تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام ۔ از قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند ۔ صفحہ 144 نفیس اکیڈمی)

(ii) "بہر حال اگر خاتمیت میں حضرت مسیح علیہ السلام کو حضور سے کامل مناسبت دی گئی تھی تو اخلاق خاتمیت اور مقام خاتمیت میں بھی مخصوص مشابہت و مناسبت دی گئی ۔ جس سے صاف واضح ہوجاتا ہے کہ حضرت عیسوی کو بارگاہ محمدی سے خلقاً و طبعاً و مقاماً ایسی ہی مناسبت ہے جیسی کہ ایک چیز کے دو شریکوں میں یا باپ بیٹوں میں ہونی چاہیئے"۔

(تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام ۔ از قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند ۔ صفحہ 129 نفیس اکیڈمی)

حضرت مسیح موعودؑ کے کارنامے

زندہ خدا عطا کیا

اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان اور یقین درحقیقت مذہب کی بنیاد اور روحانیت کا مرکزی نقطہ ہے۔ اس کے بغیر مذہب کا تصور ہی کالعدم ہو جاتا ہے۔ اسلام نے خدا تعالیٰ کی ہستی کو ایک زندہ حقیقت کے طور پر پیش کیا ہے جو اس ساری کائنات کا خالق و مالک اور رب العالمین ہے۔ اس خدا کا دیدار اس دنیا میں ممکن ہے۔ اسلام کا پیش کردہ خدا ایک زندہ اور حیی و قیوم خدا ہے۔ اس کی ہستی کا ایک ثبوت یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کی دعائیں سنتا اور ان کا جواب دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ادعونی استجب لکم** (مومن:61) کہ اے میرے بندو! مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں سنوں گا اور اسی خدا کا یہ وعدہ بھی ہے کہ اگر تمہارا ایمان سچا ہوگا اور تم استقامت کی چٹان پر پختگی سے قائم ہو گے تو تمہیں وحی والہام کی دولت عطا ہوگی اور تم فرشتوں سے ہمکلام ہو سکو گے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ لیکن افسوس کہ جب اس دور آخرین میں مسلمانوں پر عقائد و اعمال میں کمزوری کا دور آیا تو انہوں نے ان پیاری تعلیمات کو یکسر فراموش کر دیا۔ مجیب الدعوات زندہ خدا پر ان کا ایمان اٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ کی لقاء اور وحی والہام کے منکر ہو گئے۔ یہ ساری باتیں جو قرآن مجید میں بڑی شوکت اور تحدی کے ساتھ بیان ہوئی ہیں اور جو دراصل اسلام کو سب مذاہب سے ممتاز کرتی ہیں۔ افسوس کہ اس دور کے مسلمان ان سب باتوں سے کلیۃً نا آشنا ہو گئے۔ خدا تعالیٰ کی پیاری ہستی کا دلربا تذکرہ ان کی مجالس سے مفقود ہونے لگا۔ کوئی نہ تھا جو خدا کے زندہ کلام کی بات کرتا ہو۔ قبولیت دعا کا ذکر بھی ایک قصہ پارینہ بن گیا۔ اس انتہائی تاریکی اور مایوسی کے عالم میں قادیان کی گمنام بستی سے یہ نعرۂ توحید بڑے جلال سے بلند ہوا۔

وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم
اب بھی اس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

یہ پُرشوکت اعلان حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا۔آپ نے دل شکستہ مسلمانوں کو یہ نوید سنائی کہ ہمارا خدا ایک زندہ خدا ہے۔جس کی پیاری صفات حسنہ میں سے کوئی صفت بھی مرورِ زمانہ سے معطل نہیں ہوئی۔وہ آج بھی سنتا ہے جیسے پہلے سنتا تھا،وہ آج بھی بولتا ہے جیسے پہلے بولتا تھا۔فرمایا:-

''زندہ مذہب وہ ہے جس کے ذریعہ سے زندہ خدا ملے۔زندہ خدا وہ ہے جو ہمیں بلا واسطہ ملہم کر سکے اور کم سے کم یہ کہ ہم بلا واسطہ ملہم کو دیکھ سکیں۔سو میں تمام دنیا کو خوشخبری دیتا ہوں کہ یہ زندہ خدا اسلام کا خدا ہے''۔

(مجموعہ اشتہارات مطبوعہ لندن 1984ء جلد 2 صفحہ 311)

آپ نے اپنی ذات اور ذاتی تجربہ کو بطور ثبوت پیش کرتے ہوئے دنیا کو یہ خوشخبری عطا کی کہ دیکھو خدا نے مجھے اس نعمت سے سرفراز فرمایا ہے۔آپ نے فرمایا:-

''خدا تعالیٰ کے ساتھ زندہ تعلق ہو جانا بجز اسلام قبول کرنے کے ہرگز ممکن نہیں۔ہرگز ممکن نہیں ......آؤ میں تمہیں بتلاؤں کہ زندہ خدا کہاں ہے اور کس قوم کے ساتھ ہے۔وہ اسلام کے ساتھ ہے۔اسلام اس وقت موسیٰ کا طور ہے جہاں خدا بول رہا ہے۔وہ خدا جو نبیوں سے کلام کرتا تھا اور پھر چپ ہو گیا آج وہ ایک مسلمان کے دل میں کلام کر رہا ہے''۔

(روحانی خزائن مطبوعہ لندن 1984ء جلد 11 ضمیمہ انجام آتھم صفحہ 62)

آپ کا یہ اعلان ایک انقلاب آفریں اعلان تھا جس نے مذہب کی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا یہ نقیب اور شاہد ایک مقناطیسی وجود ثابت ہوا جس کی طرف سعید فطرت لوگ قافلہ در قافلہ آنے لگے اور اس وجود کے فیضان سے سیراب ہو کر باخدا انسان بن گئے۔یہ وہ گروہ قدوسیاں تھا جو ایک عالم کیلئے خدا نمائی کا وسیلہ بن گیا۔

احمدیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے دنیا پر احسان عظیم فرمایا کہ دنیا کو وہ برگزیدہ مسیح موعود اور امام مہدی عطا کیا جس نے دنیا کو زندہ خدا کی خوشخبری دی،زندہ خدا کی زندہ تجلیات پر ایک زندہ ایمان اور محکم یقین بخشا۔اپنی ذات کو ہستی باری تعالیٰ کے ایک زندہ گواہ کے طور پر پیش کیا اور اپنے ماننے والوں میں اپنی عظیم قوت قدسیہ کے ذریعہ ایسا پاکیزہ انقلاب پیدا کیا کہ وہ خدا نما وجود بن گئے۔احمدیت نے

ایسے خدا نما قدوسیوں کا ایک گروہ کثیر دنیا کو عطا فرمایا۔جس کے زندگی بخش تجربات ہمیشہ نسل انسانی کیلئے خدانمائی کے راستوں کومنور کرتے رہیں گے۔

ہزاروں مثالوں میں سے ایک مثال عرض کرتے ہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک صحابی حضرت مولوی محمد الیاس خان صاحب بیان کرتے ہیں کہ ریاست قلات کے قاضی القضاۃ عبدالعلی اخوندزادہ نے مستونگ کے ایک بڑے مجمع میں علی الاعلان آپ کومخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا سارے صوبہ سرحد میں آپ کو کوئی روحانی پیر نہیں ملا جو آپ نے پنجاب جا کر ایک پنجابی مرزا غلام احمد قادیانی کی بیعت کرلی؟

حضرت مولوی صاحبؓ نے جو برجستہ اور ایمان افروز جواب دیا وہ سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا:-

''دراصل بات یہ ہے کہ اخوندزادہ صاحب! مجھ سے میرا خدا گم ہوگیا تھا۔ میں ہر مذہب میں اس کو ڈھونڈتا رہا۔ ہر مذہب مجھے پرانے قصوں کی طرف لے جاتا۔ میں نے ہر ایک سے پوچھا کیا وہ خدا اب بھی بولتا ہے؟ تو وہ کہتے اب نہیں بولتا۔ مسلمانوں کے بہتّر فرقوں میں سے ہر ایک کے پاس گیا تو انہوں نے بھی مجھے یہی جواب دیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد اب خدا نہیں بولتا۔ وحی کا دروازہ مطلق بند ہے۔تب میں اس نتیجے پر پہنچا کہ خدا حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ ایک فلسفہ ہے جو پرانے قصوں پر منحصر ہے۔ ورنہ اللہ تو وہ ہونا چاہیے جس کی تمام صفات حسنہ کی کان ہو، کوئی صفت بھی معطل نہ ہو۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ پہلے بولتا تھا اور اب اس کی صفت تکلم پر مہر لگ جائے۔ میں عنقریب دہریہ ہونے والا تھا۔ پیچھے سے ایک نرم ہاتھ نے میرے کندھے کو پکڑا اور کہا کیوں محمد الیاس کیا بات ہے؟ کیوں پریشان ہے؟ میں نے کہا کہ خدا کی حقیقت معدوم ہوگئی، وہ ایک فلسفہ ہے۔ حقیقت میں نہیں ہے۔ کیونکہ جس سے پوچھتا ہوں وہ یہی کہتا ہے کہ خدا پہلے بولا کرتا تھا اب نہیں بولتا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور یہ شخص حضرت مرزا غلام احمد قادیانی تھے اور کہا کہ آؤ میں تمہیں بتلاتا ہوں، وہ خدا اب بھی بولتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ تم میرے ہاتھ پر بیعت کرو۔ کیونکہ میں خدا کی طرف سے مسیح اور مہدی ہوں۔ وہ خدا تم پر بھی نازل ہوجائے گا۔ اگر چاہے تو تم سے

بھی کلام کرے گا۔اب عبدالعلی اخوندزادہ صاحب! میں خدا کی ذات کی قسم کھاتا ہوں،جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا خدا مجھ سے بھی کلام کرتا ہے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کوئی ہے جو دعویٰ سے کہے کہ خدا اس سے بولتا ہے؟ تمام مجمع پر سناٹا چھا گیا اور کچھ دیر خاموشی رہی اور کسی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو مولوی صاحب نے فرمایا میں ایسے مسلک اور ایسے فرسودہ اسلام کو جو صرف رسومات و بدعات کا اسلام رہ گیا ہے کیا کروں؟ جس میں خدا کلام نہیں کرتا اور کیوں نہ مرزا غلام احمد قادیانی کے اسلام کو قبول کروں جو حقیقی اسلام ہے جس سے خدا ملتا ہے اور پیار اور محبت کے کلام سے نوازتا ہے''۔

(حیات الیاس مصنفہ عبدالسلام خان۔صفحہ 118)

یہ ہے وہ زندہ خدا اور اس کی زندگی کا ایمان افروز تجربہ جو حضرت مسیح موعودؑ نے دنیا کو عطا کیا!

قرآن مجید کا ارفع مقام

قرآن کریم کی عظیم الشان نعمت امت مسلمہ کو عطا کی گئی۔لیکن افسوس کہ حضرت مسیح موعودؑ کے ظہور کے وقت علم و معرفت اور ہدایت کی سرچشمہ یہ کتاب محض ایک سربستہ کتاب بن کر رہ گئی۔اسے پرانے قصوں کی کتاب کہا جانے لگا۔بعضوں نے حدیث رسول کو قول خدا پر ترجیح دینی شروع کر دی۔ کتنی بدنصیبی کہ جو کتاب معارف کا خزانہ اور ھدی للناس بنائی گئی تھی ناقدرشناس مسلمان اس کی عظمت اور برکتوں سے کلیۃً بے بہرہ ہو گئے۔ایسے وقت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ظہور ہوا اور آپ نے قرآن مجید کے حقیقی حسن و جمال سے دنیا کو آگاہ کیا۔آپ نے قرآن مجید کو ایک زندہ کتاب کے طور پر پیش کیا۔آپ نے نسخِ قرآن کے عقیدہ کا بطلان قوی دلائل سے کیا اور ثابت کیا کہ اس عظیم کتاب کا ایک ایک لفظ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کا ایک شعشہ بھی قیامت تک منسوخ یا تبدیل نہیں ہوسکتا۔یہ کتاب علوم و معارف کا خزانہ اور کل دنیا کی نجات کا سرچشمہ ہے۔آپ نے فرمایا:۔

''یقیناً یہ سمجھو کہ جس طرح یہ ممکن نہیں کہ ہم بغیر آنکھوں کے دیکھ سکیں یا بغیر کانوں کے سن سکیں یا بغیر زبان کے بول سکیں اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ بغیر قرآن کے اس پیارے

محبوب کا منہ دیکھ سکیں‘‘۔

(روحانی خزائن مطبوعہ لندن 1984ء جلد 10، اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ 128-129)

آپ نے اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:-

’’تمہارے لیے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑ دو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے۔ جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔ جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا۔ نوع انسان کیلئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن۔ اور تمام آدم زادوں کیلئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفیٰ ﷺ‘‘۔

(روحانی خزائن مطبوعہ لندن 1984ء جلد 19، کشتی نوح صفحہ 15)

قرآن مجید سے سچی محبت کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:-

’’حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں اور باقی سب اس کے ظِلّ تھے۔ سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو۔ ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو‘‘۔

(روحانی خزائن مطبوعہ لندن 1984ء جلد 19، کشتی نوح صفحہ 28)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفائے کرام نے قرآن مجید کی ایسی عظیم الشان خدمت کی، گراں قدر رموز معرفت بیان فرمائے اور اپنی جماعت میں خدمت قرآن اور عشق قرآن کا ایسا جذبہ پیدا کیا کہ غیروں نے بھی برملا اس کا اعتراف کیا۔ ایک معزز غیر احمدی صحافی میاں محمد اسلام نے مرکز احمدیت قادیان جا کر جو کچھ دیکھا اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

’’قرآن مجید کے متعلق جس قدر صادقانہ محبت اس جماعت میں مَیں نے قادیان میں دیکھی، کہیں نہیں دیکھی .... احمدی قادیان میں مجھے قرآن ہی قرآن نظر آیا...... جس طرف نظر اٹھتی تھی قرآن ہی قرآن نظر آتا تھا۔ غرض قادیان کی احمدی جماعت ...... ایسی جماعت ہے جو دنیا میں عملاً قرآن مجید کی خالصۃً للہ پیرو اور اسلام کی فدائی ہے‘‘۔

(بحوالہ البدر قادیان 13 مارچ 1913ء، جلد 13 نمبر 2 صفحہ 6 تا 9)

احمدی سینوں میں قرآن مجید کی اس سچی محبت کا ایک ایمان افروز نمونہ پیش خدمت ہے کہ

ہمارے ایک انگریز مخلص احمدی داؤد سمرز مرحوم نے ستر سال کی عمر میں سچی محبت اور عقیدہ سے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا اور دس سپاروں سے اپنے دل کو منور کر چکے تھے کہ ان کو آخری بلاوا آ گیا!

الغرض احمدیت نے غلط عقائد کی بیخ کنی کرتے ہوئے دنیا کو ان سچے عقائد و نظریات سے روشناس کرایا جو خدا تعالیٰ کی عظمت، اسلام کی شوکت اور رسول خدا ﷺ کی بلند شان کو ثابت کرنے والے تھے۔ اس طرح زمانہ کے حکم و عدل حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسلام کے چہرہ کو سب داغوں سے پاک وصاف کر دیا اور آپ کا مقصد بتمام وکمال پورا ہوا۔ آپ نے فرمایا:-

''خدا نے مجھے بھیجا ہے کہ تا میں اس بات کا ثبوت دوں کہ زندہ کتاب قرآن ہے اور زندہ دین اسلام ہے اور زندہ رسول محمد مصطفی ﷺ ہے''۔

(مجموعہ اشتہارات مطبوعہ لندن 1984ء جلد سوم صفحہ 267، اشتہار 25 مئی 1900ء)

ان تین بنیادی امور کے علاوہ حضرت مسیح موعودؑ نے مسلمانوں میں مروجہ جن غلط عقائد کی اصلاح کی اور مسلمانوں کو صراطِ مستقیم کی راہ دکھائی ان میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کی آمد، دجال کی حقیقت، جہاد کا صحیح اسلامی تصور، توحید حقیقی، قرآن و حدیث کا مقام و مرتبہ وغیرہ بے شمار امور ہیں جن کا تفصیلی ذکر جماعتی لٹریچر میں موجود ہے۔

قرآن کریم کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:-

کلام الٰہی میں سے خاص طور پر قرآن کریم کے متعلق بہت سی غلطیاں لوگوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کو بھی دور کیا۔ مثلاً (1) ایک غلطی بعض مسلمانوں کو یہ لگی ہوئی تھی کہ وہ قرآن کریم کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اس میں تبدیلی ہوگئی ہے اور بعض حصے اس کے چھپنے سے رہ گئے ہیں۔ اس خیال کی بھی آپ نے تردید فرمائی اور بتایا کہ قرآن کریم مکمل کتاب ہے۔ انسان کی جتنی ضرورتیں مذہب سے تعلق رکھنے والی ہیں وہ سب اس میں بیان کر دی گئی ہیں۔ اگر اس کے بعض پارے یا حصے غائب ہوگئے ہوتے تو اس کی تعلیم میں ضرور کوئی کمی ہونی چاہیے تھی۔ اور ترتیب مضمون خراب ہو جانی چاہیے تھی۔ مگر نہ اس کی تعلیم میں کوئی نقص ہے اور نہ ترتیب میں خرابی۔ جس سے

معلوم ہوا کہ قرآن کریم کا کوئی حصہ غائب نہیں ہوا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔قرآن نے دعویٰ کیا اور چیلنج دیا ہے کہ اس میں ساری اخلاقی اور روحانی ضروریات موجود ہیں۔لیکن اگر اس کا کوئی حصہ غائب ہوا ہوتا تو ضرور تھا کہ بعض ضروری اخلاقی یا روحانی امور کے متعلق اس میں کوئی ارشاد نہ ملتا۔لیکن ایسا نہیں ہے۔اس میں ہر ضرورت روحانی کا علاج موجود ہے اور اگر یہ سمجھا جائے کہ قرآن کریم کے ایک حصہ کے غائب ہوجانے کے باوجود اس کے مطالب میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تو پھر تو جن لوگوں نے اس میں کمی کی ہے وہ حق بجانب تھے کہ انہوں نے ایسے لغو حصہ کو نکال دیا جس کی موجودگی نعوذ باللہ من ذالک قرآن کریم کے حسن میں کمی کر رہی تھی۔اگر وہ موجود رہتا تو لوگ اعتراض کرتے کہ اس حصہ کا کیا فائدہ ہے اور اسے قرآن کریم میں کیوں رکھا گیا ہے۔مجھے اس عقیدہ پر ایک واقعہ یاد آ گیا۔میں چھوٹا سا تھا کہ ایک دن آدھی رات کے وقت کچھ شور ہوا اور لوگ جاگ پڑے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک آدمی کو بھیجا کہ جا کر دیکھو کیا بات ہے۔وہ ہنستا ہوا واپس آیا اور بتایا کہ ایک دائی بچہ جنا کر واپس آ رہی تھی کہ نانک فقیر اسے مل گیا اور اس نے اس کو مارنا شروع کر دیا۔اس نے چیخنا چلانا شروع کیا اور لوگ جمع ہو گئے۔جب انہوں نے نانک سے پوچھا کہ تو اسے کیوں مار رہا ہے؟ تو اس نے کہا کہ یہ میرے سرین کاٹ کر لے آئی ہے اس لیے اسے مار رہا ہوں۔لوگوں نے اسے کہا کہ تیرے سرین تو سلامت ہیں انہیں تو کسی نے نہیں کاٹا۔تو حیران ہو کر کہنے لگا اچھا۔اور دائی کو چھوڑ کر چلا گیا۔یہی حال ان لوگوں کا ہے جو قرآن کریم میں تغیّر کے قائل ہیں۔وہ غور نہیں کرتے کہ قرآن کریم آج بھی ایک مکمل کتاب ہے اگر اس کا کوئی حصہ غائب ہو گیا ہوتا تو اس کے کمال میں نقص آ جاتا۔

غرض قرآن کریم کے مکمل ہونے کا ثبوت خود قرآن کریم ہے۔اگر حضرت عثمانؓ یا اور کوئی صحابی اس کی ایک آیت بھی نکال دیتے تو اس میں کمی واقع ہو جاتی۔لیکن تعجب ہے کہ باوجود اس بیان کے کہ اس سے دس پارے کم کر دیئے گئے اس میں کوئی نقص نظر نہیں آتا۔اس صورت میں تو بڑے بڑے اہم مسائل ایسے ہونے چاہئیں تھے جن کے متعلق قرآن کریم میں کچھ ذکر نہ ہوتا۔مگر قرآن کریم میں دین اور روحانیت سے تعلق رکھنے والی سب باتیں موجود ہیں

(2) دوسرا خیال مسلمانوں میں یہ پیدا ہو گیا تھا کہ قرآن کا ایک حصہ منسوخ ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کا جواب نہایت لطیف پیرایہ میں دیا اور وہ اس طرح کہ جن آیات کو لوگ منسوخ قرار دیتے تھے ان میں ایسے ایسے معارف بیان فرمائے جن کو سن کر دشمن بھی حیران ہو گئے اور آپ کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق ایک آیت بھی قرآن کریم کی ایسی نہیں جس کی ضرورت ثابت نہ کی جا سکے اور اب وہی غیر احمدی جو بعض آیات کو منسوخ کہتے تھے دشمنان اسلام کے سامنے انہی آیات کو پیش کر کے اسلام کی برتری ثابت کرتے ہیں۔ مثلاً **لکم دینکم ولی دین** (الکافرون:7) کی آیت جسے منسوخ کہا جاتا تھا اب اسی کو مخالفین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

(3) تیسری غلطی قرآن کریم کے متعلق لوگوں کو یہ لگ رہی تھی کہ اکثر حصہ مسلمانوں کا یہ خیال کرتا تھا کہ اس کے معارف کا سلسلہ پچھلے زمانہ میں ختم ہو گیا ہے۔ اس وہم کا ازالہ بھی آپ نے کیا اور اس کے خلاف بڑے زور سے آواز اٹھائی اور ثابت کیا کہ نہ صرف یہ کہ پچھلے زمانہ میں اس کے معارف ختم نہیں ہوئے بلکہ آج بھی ختم نہیں ہوئے اور آئندہ بھی ختم نہ ہوں گے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:-

”جس طرح صحیفۂ فطرت کے عجائب وغرائب خواص کسی پہلے زمانہ تک ختم نہیں ہو چکے بلکہ جدید در جدید پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ یہی حال ان صُحُفِ مطہّرہ کا ہے تا خدائے تعالیٰ کے قول اور فعل میں مطابقت ثابت ہو“۔ (ازالہ اوہام حصہ اول صفحہ 158 روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 258)

چنانچہ بہت سی پیشگوئیاں جو اس زمانہ کے متعلق تھیں اور جنہیں پہلے زمانہ کے لوگ نہیں سمجھتے تھے آپ نے قرآن کریم سے نکال کر سمجھائیں۔ مثلاً **اذا العشار عطلت** (التکویر:5) کی پیشگوئی تھی۔ اس کے معنے پہلے لوگ یہی کرتے تھے کہ قیامت کے دن لوگ اونٹوں پر سوار نہ ہوں گے۔ مگر قیامت کو اونٹنی کیا کوئی چیز بھی کام نہ آئے گی۔ بات یہ ہے کہ چونکہ یہ کلام پیشگوئی پر مشتمل تھا اور اس زمانہ کے لوگوں کے سامنے وہ حالات نہ تھے جو اس کے صحیح معنے کرنے میں ممد ہوتے ہیں اس لئے انہوں نے اسے قیامت پر چسپاں کر دیا۔ اصل میں یہ آخری زمانہ کے متعلق خبر تھی کہ اس وقت ایسی سواریاں نکل آئیں گی کہ اونٹ بیکار ہو جائیں گے۔ وہ مولوی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہر ایک بات کی مخالفت کرتے ہیں ان کو بھی اگر موٹر کے مقابلہ میں اونٹ کی سواری ملے تو کبھی اس پر سوار نہ ہوں۔ اسی طرح مثلاً **واذا الوحوش حشرت** (التکویر:6) کی پیشگوئی ہے۔ یعنی وحوش جمع کر دیئے جائیں گے

یعنی چڑیا گھر بنائے جائیں گے۔ چنانچہ اس زمانہ میں یہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ اسی طرح اس کا یہ بھی مطلب تھا کہ پہلے زمانہ میں قوموں کو ایک دوسرے سے وحشت تھی۔ آپس میں تنفّر تھا۔ اب ایسا وقت آیا کہ ایک دوسرے سے تار اور ریل اور جہازوں کے ذریعہ ملنے لگ گئے ہیں۔

اسی طرح یہ پیشگوئی تھی کہ **واذالبحار سجرت** (التکویر:8) کہ دریا خشک ہو جائیں گے۔ اس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ قیامت کے دن زلزلے آئیں گے اس وجہ سے دریا سوکھ جائیں گے۔ حالانکہ قیامت کے دن تو دنیا نے ہی تباہ ہو جانا تھا، دریاؤں کے سوکھنے کا کیا ذکر تھا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کا مطلب یہ بتایا کہ دریاؤں کے سوکھنے سے مراد یہ تھی کہ ان میں سے نہریں نکالی جائیں گی۔

اسی طرح یہ پیشگوئی تھی کہ **واذالنفوس زوجت** (التکویر:8) مختلف لوگوں کو آپس میں ملا دیا جائے گا اس کے یہ معنے کئے جاتے تھے کہ قیامت کے دن سب لوگوں کو جمع کر دیا جائے گا۔ مرد وعورت اکٹھے ہو جائیں گے۔ حالانکہ قیامت کے دن تو اس زمین نے تباہ ہو جانا تھا۔ اس میں لوگوں کے اکٹھے ہونے کی کیا صورت ہو سکتی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی تشریح یہ فرمائی کہ ایسے سامان اور ذرائع نکلنے کی اس آیت میں پیشگوئی کی گئی تھی جن کے ذریعہ سے یہاں سے بیٹھا ہوا شخص دور دراز کے لوگوں سے باتیں کر سکے گا۔ اب دیکھ لو ایسا ہی ہو رہا ہے یا نہیں۔

اسی طرح آپ نے قرآن کریم کی مختلف آیات سے ثابت کیا کہ ان میں صحیح علوم طبعیہ کا ذکر موجود ہے۔ مثلاً **والشمس وضحها والقمر اذا تلها** (الشّمس:3-2) کی آیت میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے کہ چاند اپنی ذات میں روشن نہیں بلکہ سورج سے روشنی لیتا ہے۔

غرض آپ نے بیسیوں آیات سے بتایا کہ قرآن کریم میں مختلف علوم کی طرف اشارہ ہے۔ جنہیں ایک زمانہ کے ہی لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ بلکہ اپنے اپنے وقت پر ان کی پوری سمجھ آ سکتی ہے۔

اسی طرح زمانہ جوں جوں ترقی کرتا جائے گا قرآن کریم میں سے نئے علوم نکلتے چلے جائیں گے۔ چنانچہ آج آپ کے بتائے ہوئے ان اصولوں کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن کریم کا ایسا علم دیا ہے کہ کوئی اس کے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتا۔

دیکھو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ کتنا بڑا تغیر کر دیا۔ آپ سے پہلے مولوی یہی کہا کرتے

تھے کہ فلاں بات فلاں تفسیر میں لکھی ہے اور اگر کوئی نئی بات پیش کرتا تو کہتے بتاؤ یہ کس تفسیر میں لکھی ہے۔مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بتایا کہ جو خدا ان تفسیروں کے مصنفوں کو قرآن سکھا سکتا ہے وہ ہمیں کیوں نہیں سکھا سکتا۔اور اس طرح ایک کنویں کے مینڈک کی حیثیت سے نکال کر آپ نے ہمیں سمندر کا تیراک بنا دیا۔

(4) چوتھی غلطی لوگوں کو یہ لگ رہی تھی کہ قرآن کریم کے مضامین میں کوئی خاص ترتیب نہیں ہے۔وہ یہ نہ مانتے تھے کہ آیت کے ساتھ آیت اور لفظ کے ساتھ لفظ کا جوڑ ہے۔ بلکہ وہ بسا اوقات تقدیم و تاخیر کے نام سے قرآن کریم کی ترتیب کو بدل دیتے تھے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس خطرناک نقص کا بھی ازالہ کیا اور بتایا کہ تقدیم و تاخیر بے شک جائز ہوتی ہے مگر کوئی یہ بتائے کہ کیا صحیح ترتیب سے وہ افضل ہوسکتی ہے۔اگر ترتیب تقدیم و تاخیر سے اعلیٰ ہوتی تو قرآن کی طرف ادنیٰ بات کیوں منسوب کرتے ہو؟

آپ نے آریوں کے مقابلہ میں دعویٰ کیا ہے کہ قرآن کریم میں نہ صرف معنوی بلکہ ظاہری ترتیب کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے۔حتیٰ کہ ناموں کو بھی زمانہ کے لحاظ سے ترتیب وار بیان کیا گیا ہے۔ سوائے اس کے کہ مضمون کی ترتیب کی وجہ سے انہیں آگے پیچھے کرنا پڑا ہو اور اس میں کیا شک ہے کہ معنوی ترتیب زبانی ترتیب پر مقدم ہوتی ہے۔

(5) پانچویں غلطی مسلمانوں میں بھی اور غیر مسلموں میں بھی مطالب قرآن کریم کے متعلق یہ پیدا ہوگئی تھی کہ قرآن کریم میں تکرار مضامین ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ ثابت کیا کہ قرآن کریم میں ہرگز تکرار مضامین نہیں بلکہ ہر لفظ جو آتا ہے وہ نیا مضمون اور نئی خوبی لے کر آتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن کریم کی آیتوں کو پھول سے تشبیہ دی ہے۔اب دیکھو کہ پھول میں بظاہر ہر نیا دائرہ پتیوں کا تکرار معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت ہر دائرہ پھول کے حسن کی زنجیر کو کامل کر رہا ہوتا ہے۔کیا پھول کی پتیوں کے ایک دائرہ کو اگر توڑ دیا جائے تو پھول کامل پھول رہے گا؟ نہیں۔یہی بات قرآن کریم میں ہے۔جس طرح پھول میں ہر پتی نئی خوبصورتی پیدا کرتی ہے اور خدا تعالیٰ پتیوں کی ایک زنجیر کے بعد دوسری بناتا ہے اور تب ہی ختم کرتا ہے جب حسن پورا ہو جاتا ہے۔اسی طرح قرآن کریم میں ہر دفعہ کا مضمون ایک نئے مطلب اور نئی غرض کیلئے آتا ہے اور سارا

قرآن کریم مل کر ایک کامل وجود بنتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: یہ خیال کرنا کہ قرآن کریم کی آیتیں ایک دوسری سے الگ الگ ہیں یہ غلط ہے۔ قرآن کریم کی آیتوں کی مثال ایسی ہی ہے جیسے جسم کے ذرات۔ اور سورتوں کی مثال ایسی ہے جیسے جسم کے اجزاء۔ مثلاً انسان کے 32 دانت ہوتے ہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ دانتوں کو 32 دفعہ دہرایا گیا ہے۔ اس لیے 31 دانت توڑ ڈالنے چاہئیں اور صرف ایک رہنے دینا چاہیے۔ یا انسان کے دو کان ہیں۔ کیا کوئی ایک کان اس لیے کاٹ دے گا کہ دوسرا کان کیوں بنایا گیا ہے یا کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ انسان کی بارہ پسلیاں نہیں ہونی چاہئیں۔ گیارہ توڑ دینی چاہئیں۔ اگر کسی کی ایک پسلی بھی توڑ دے گا تو وہ ضرب شدید کا دعویٰ کر دے گا۔ اسی طرح انسان کے جسم پر لاکھوں بال ہیں۔ کیا کوئی سارے بال منڈوا کر ایک رکھ لے گا کہ تکرار نہ ہو۔ ذرا جسم سے تکرار دور کر دو اور پھر دیکھو کیا باقی رہ جاتا ہے؟

غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن کریم کے مطالب بیان کر کے تکرار کا اعتراض کرنے والوں کو ایسا جواب دیا ہے کہ گویا ان کے دانت توڑ دیے ہیں۔

(6) چھٹی غلطی قرآن کریم کے متعلق مسلمانوں کو یہ لگ رہی تھی کہ قرآن کریم میں عبرت کیلئے پرانے قصے بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس شبہ کا بھی ازالہ کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ قرآن کریم میں عبرت کیلئے قصے نہیں بیان کئے گئے۔ گو قصص قرآنیہ سے عبرت بھی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اصل میں وہ امت محمدیہ کیلئے پیشگوئیاں ہیں اور جو کچھ ان واقعات میں بیان کیا گیا ہے، وہ بعینہٖ آئندہ ہونے والا ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم مسلسل قصہ نہیں بیان کرتا بلکہ منتخب ٹکڑا کا ذکر کرتا ہے۔

یہ امر ایسا بدیہی ہے کہ قرآن کریم کے قصص کی جزئیات تک پوری ہوتی رہی ہیں اور آئندہ پوری ہوں گی۔ حتیٰ کہ نملہ کا ایک واقعہ قرآن کریم میں آتا ہے۔ اس کے متعلق تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہارون الرشید کے وقت ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ اس وقت بھی نملہ قوم کی حکمران ایک عورت تھی جیسے کہ حضرت سلیمانؑ کے وقت میں تھی۔ اس نے ہارون الرشید کے آگے ایک سونے کی تھیلی پیش کی اور کہا کہ ہمیں اس بات کا فخر ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے وقت میں بھی ایک عورت نے ہی تحائف پیش کئے

تھے۔اب میں بھی عورت ہوں جو یہ پیش کر رہی ہوں اور اس طرح آپ کو سلیمانؑ سے مشابہت حاصل ہوگئی ہے۔ہارون الرشید نے بھی اس پر فخر کیا کہ اسے حضرت سلیمانؑ سے تشبیہہ دی گئی۔

(7) ساتواں شبہ یہ پیدا ہو گیا تھا کہ قرآن کریم میں تاریخ کے خلاف باتیں ہیں۔ یہ شُبہ مسلمانوں میں بھی پیدا ہو گیا تھا اور غیر مسلموں میں بھی۔سر سید احمد جیسے لائق شخص نے بھی اس اعتراض سے گھبرا کر یہ جواب پیش کیا کہ قرآن کریم میں خطابیات سے کام لیا گیا ہے۔یعنی ایسے واقعات کو یا عقائد کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے جو گو صحیح نہیں مگر مخاطب ان کی صحت کا قائل ہے۔اس لیے اس کے سمجھانے کیلئے انہیں صحیح فرض کر کے پیش کر دیا گیا۔

لیکن یہ جواب درحقیقت حالات کو اور بھی خطرناک کر دیتا ہے۔کیونکہ سوال ہوسکتا ہے کہ کس ذریعہ سے ہمیں معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں کون سی بات خطابی طور پر پیش کی گئی ہے اور کون سی سچائی کے طور پر۔اس دلیل کے ماتحت تو کوئی شخص سارے قرآن کو ہی خطابیات کی قسم کا قرار دے دے تو اس کی بات کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور دنیا کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔خطابی دلیل کیلئے ضروری ہے کہ خود مصنف ہی بتائے کہ وہ خطابی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مذکورہ بالا اعتراض کے جواب میں خطابیات کے اصول کو اختیار نہیں کیا بلکہ اسے ردّ کیا ہے۔اور یہ اصل پیش کیا ہے کہ قرآن خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔اس عالم الغیب کی طرف سے جو کچھ بیان ہوا ہے وہ یقیناً درست ہے اور اس کے مقابلہ میں دوسری تاریخوں کا جو اپنی کمزوری پر آپ شاہد ہیں پیش کرنا بالکل خلاف عقل ہے۔ہاں یہ ضروری ہے کہ قرآن کریم جو کچھ بیان کرتا ہے اس کے معنے خود قرآن کریم کے اصول کے مطابق کئے جائیں۔اسے ایک قصوں کی کتاب نہ بنایا جائے اور اس کی پُرحکمت تعلیم کو سطحی بیانات کا مجموعہ نہ سمجھ لیا جائے۔

(8) آٹھویں غلطی جس میں لوگ مبتلا ہو رہے تھے یہ تھی کہ قرآن کریم بعض ایسے چھوٹے چھوٹے امور کو بیان کر دیتا ہے جن کا بیان کرنا علم وعرفان اور ارتقائے ذہن انسانی کیلئے مفید نہیں ہوسکتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسے بھی غلط ثابت کیا اور بتایا کہ قرآن کریم میں کوئی فضول امر بیان نہیں ہوا۔بلکہ جس قدر مطالب یا واقعات بیان کئے گئے ہیں نہایت اہم ہیں۔میں مثال کے

طور پر حضرت سلیمانؑ کے ایک واقعہ کو لیتا ہوں۔قرآن کریم میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک محل ایسا تیار کرایا جس کا فرش شیشے کا تھا اور اس کے نیچے پانی بہتا تھا۔ ملکہ سبا جب ان کے پاس آئی تو انہوں نے اسے اس میں داخل ہونے کو کہا لیکن ملکہ نے سمجھا کہ اس میں پانی ہے اور وہ ڈری۔مگر حضرت سلیمانؑ نے بتایا کہ ڈرو نہیں یہ پانی نہیں بلکہ شیشہ کے نیچے پانی ہے۔قرآن کریم کے الفاظ یہ ہیں۔

قیل لها ادخلی الصرح فلما راته حسبته لجة و کشفت عن ساقیها قال انه صرح ممرد من قواریر قالت رب انی ظلمت نفسی و اسلمت مع سلیمن لله رب العالمین (النمل:45) یعنی سبا کی ملکہ کو حضرت سلیمانؑ کی طرف سے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو جا۔ جب وہ داخل ہوئی تو اسے معلوم ہوا کہ فرش کی بجائے گہرا پانی ہے اس پر اس نے اپنی پنڈلیوں کو ننگا کر لیا یا یہ کہ وہ گھبرا گئی۔تب حضرت سلیمان نے اسے کہا کہ تمہیں غلطی لگی ہے۔ یہ پانی نہیں۔ پانی نیچے ہے اور اوپر شیشہ کا فرش ہے۔تب اس نے کہا اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اب میں سلیمان کے ساتھ سب جہانوں کے رب اللہ پر ایمان لاتی ہوں۔

مفسرین ان آیات کے عجیب وغریب معنی کرتے ہیں۔بعض کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان اس سے شادی کرنا چاہتے تھے۔مگر جنوں نے انہیں خبر کر دی تھی کہ اس کی پنڈلیوں پر بال ہیں۔ حضرت سلیمانؑ نے اس کی پنڈلیاں دیکھنے کیلئے اس طرح کا محل بنوایا۔مگر جب اس نے پاجامہ اٹھایا تو معلوم ہوا کہ اس کی پنڈلیوں پر بال نہیں ہیں۔بعض کہتے ہیں کہ پنڈلیوں کے بال دیکھنے کیلئے حضرت سلیمانؑ نے اس قدر انتظام کیا کرنا تھا۔اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے اس ملکہ کا تخت منگایا تھا۔اس پر انہوں نے خیال کیا کہ میری ہتک ہوئی ہے کہ میں نے اس سے تخت مانگا۔اس ہتک کو دور کرنے کیلئے آپ نے ایسا قلعہ بنوایا تا کہ وہ اپنی وقعت قائم کر سکیں۔

مگر کیا کوئی سمجھدار کہہ سکتا ہے کہ یہ باتیں ایسی اہم ہیں کہ خدا کے کلام اور خصوصاً آخری شریعت کے کامل کلام میں ان باتوں کا ذکر کیا جائے جن کا نہ دین سے تعلق ہے نہ عرفان سے۔اور کیا یہ سمجھ میں آ سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے نبی ایسے امور میں جن کو یہاں بیان کیا گیا ہے مشغول ہو سکتے ہیں؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس آیت کی تشریح فرمائی ہے کہ اس نے حقیقت کو ظاہر کر دیا

ہے اور صاف طور پر ثابت ہو گیا ہے کہ قرآن کریم میں جو کچھ بیان ہوا ہے ایمان وعرفان کی ترقی کیلئے ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ سبا ایک مشرکہ عورت تھی اور سورج پرست تھی۔ حضرت سلیمانؑ اسے سبق دینا چاہتے تھے اور شرک چھڑانا چاہتے تھے۔ پس آپ نے لفظوں میں دلیل دینے کے ساتھ یہ طریق بھی پسند کیا کہ عملاً اس کے عقیدہ کی غلطی اس پر ظاہر کریں اور اس کی ملاقات کیلئے ایک ایسا قلعہ کو تجویز کیا جس میں شیشہ کا فرش تھا اور نیچے پانی بہتا تھا۔ جب ملکہ اس فرش پر چلنے لگی تو اسے پانی کی ایک جھلک نظر آئی۔ جسے دیکھ کر اس نے اپنا لباس اونچا کر لیا۔ یا یہ کہ وہ گھبرا گئی (کشف ساق کے دونوں ہی معنی ہیں)۔ اس پر حضرت سلیمانؑ نے اسے تسلی دی اور کہا کہ جسے تم پانی سمجھتی ہو یہ تو اصل میں شیشہ کا فرش ہے جس کے نیچے پانی ہے۔ چونکہ پہلے دلائل سے شرک کی غلطی اس پر ثابت کر چکے تھے اور اس نے فوراً سمجھ لیا کہ انہوں نے ایک عملی مثال دے کر مجھ پر شرک کی حقیقت کھول دی ہے اور وہ اس طرح کہ جس طرح پانی کی جھلک شیشہ میں سے تجھے نظر آئی ہے اور تو نے اسے پانی سمجھ لیا ہے ایسا ہی خدا تعالیٰ کا نور اجرام فلکی میں سے جھلکا ہے اور لوگ انہیں خدا ہی سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ وہ خدا تعالیٰ کے نور سے نور حاصل کر رہے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس دلیل سے وہ فوراً متاثر ہوئی اور بے تحاشہ کہہ اٹھی کہ **اسلمت مع سليمان لله رب العالمين**۔ میں اس خدا پر ایمان لاتی ہوں جو سب جہان کا رب ہے۔ یعنی سورج وغیرہ بھی اسی سے فیض حاصل کر رہے ہیں اور اصل فیض رساں وہی ایک ہے۔

اب دیکھو یہ کیسا اہم اور فلسفیانہ مضمون ہے اور اس پر ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ مگر پہلے یہ کہا جاتا تھا کہ بالوں والی پنڈلیاں دیکھنے کیلئے محل بنایا گیا تھا۔ کیا جن عورتوں کی پنڈلیوں پر بال ہوں ان کی شادی نہیں ہوتی؟ اور نبی ایسے حالات میں مبتلا ہو سکتا ہے؟ غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن کریم کے مضامین کی اہمیت کو قائم کیا اور اس کی طرف جو بے حقیقت امور منسوب کئے جاتے تھے ان سے اسے پاک قرار دیا۔

(9) نویں غلطی یہ لگ رہی تھی کہ بعض لوگ سمجھتے تھے کہ قرآن کریم کے بہت سے دعوے بے دلیل ہیں، انہیں دلائل سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمان کہتے قرآن چونکہ اللہ کا کلام ہے اس لیے اس میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اسے ہم مانتے ہیں۔ اور دوسرے لوگ کہتے یہ بیہودہ باتیں ہیں، انہیں ہم

کس طرح مان سکتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بتایا کہ قرآن کریم کا ہر ایک دعویٰ دلائل قاطع اپنے ساتھ رکھتا ہے اور قرآن اپنے ہر دعویٰ کی دلیل خود دیتا ہے اور فرمایا یہی بات قرآن کریم کو دوسری الہامی کتب سے ممتاز کرتی ہے۔ تم کہتے ہو قرآن کی باتیں بے دلیل ہیں۔ مگر قرآن میں یہی خصوصیت نہیں کہ اس کی باتیں دلائل سے ثابت ہوسکتی ہیں بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنی باتوں کے دلائل خود دیتا ہے۔ وہ کتاب کامل ہی کیا ہوگی جو ہمارے دلائل کی محتاج ہو۔ بات خدا بیان کرے اور دلائل ہم ڈھونڈیں۔ یہ تو ایسی ہی مثال ہوئی جیسے راجوں مہاراجوں کے درباروں میں ہوتا ہے کہ جب راجہ صاحب کوئی بات کرتے ہیں تو ان کے مصاحب ہاں جی ہاں جی کہہ کر اس کی تائید وتصدیق کرنے لگ جاتے ہیں۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ کیا کہ قرآن کریم کا کوئی دعویٰ ایسا نہیں جن کی دلیل بلکہ دلائل خود اس نے نہ دیئے ہوں اور اس مضمون کو آپ نے اس وسعت سے بیان کیا کہ دشمنوں پر اس کی وجہ سے ایک موت آ گئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا امرتسر میں عیسائیوں سے جو مباحثہ ہوا اور ''جنگِ مقدس'' کے نام سے شائع ہوا، اس میں آپ نے عیسائیوں کے سامنے یہی بات پیش کی کہ فریقین جو دعویٰ کریں اس کا ثبوت اپنی الہامی کتاب سے دیں۔ اور پھر اس کے دلائل بھی الہامی کتاب سے ہی پیش کریں۔ عیسائی دلائل کیا پیش کرتے۔ وہ یہ دعویٰ بھی انجیل سے نہ نکال سکے کہ مسیحؑ خدا کا بیٹا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں: ایک دفعہ میں گاڑی میں بیٹھا کہیں جا رہا تھا کہ ایک عیسائی نے مجھ سے کہا۔ میں نے مرزا صاحب کا امرتسر والا مباحثہ دیکھا ہے مگر مجھے تو کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آپ کے پاس ان کی صداقت کی کیا دلیل ہے؟ آپ نے فرمایا: یہی مباحثہ حضرت مرزا صاحب کی صداقت کی اور آپ کی سچائی کی دلیل ہے۔ عیسائی نے کہا وہ کس طرح؟ آپ نے فرمایا اس طرح کہ حضرت مرزا صاحب نے عیسائیوں کو کہا تھا کہ اپنا دعویٰ اور اس کے دلائل اپنی الہامی کتاب سے پیش کرو۔ مگر عیسائی اس کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ اگر میں ہوتا تو اُٹھ کر چلا آتا۔ مگر میرا مرزا پندرہ دن تک عیسائیوں کی بیوقوفی کی باتیں سنتا رہا اور ان کو سمجھاتا رہا۔ یہ حضرت مرزا صاحب کا ہی حوصلہ تھا۔

(10) دسویں غلطی بعض لوگوں کو یہ لگی ہوئی تھی کہ قرآن کریم علوم یقینیہ کو ردّ کرتا اور ان کے خلاف باتیں بیان کرتا ہے۔ اس غلطی کو بھی آپ نے دور فرمایا اور بتایا کہ قرآن کریم ہی تو ایک

کتاب ہے جو نیچر یا خدا کے فعل کو زور کے ساتھ پیش کرتی ہے اور اس کی اہمیت کو تسلیم کرتی ہے اور ظاہری سلسلہ یعنی نیچر کو باطنی سلسلہ کلام الٰہی کے مماثل قرار دیتی ہے۔ پس یہ کہنا غلط ہے کہ قرآن کریم علوم طبیعیہ کے خلاف باتیں کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا کلام اور اس کا فعل ایک دوسرے کے کبھی خلاف نہیں ہو سکتے۔ جو امور قرآن کریم میں خلافِ قانون قدرت قرار دیئے جاتے ہیں آپ نے ان کے متعلق فرمایا وہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہیں۔ یا تو یہ کہ جس بات کو لوگوں نے قانون قدرت سمجھ لیا ہے وہ قانون قدرت نہیں۔ یا پھر قرآن کریم کے جو معنے سمجھے گئے ہیں وہ درست نہیں۔ چنانچہ آپ نے یہی مثال دی ہے کہ **والسماء ذات الرجع والارض ذات الصدع** (الطارق:13-12) کے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ آسمان چکر کھاتا ہے اور زمین پھٹتی ہے اور اس پر طبیعی لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ آسمان کوئی مادی شے ہی نہیں، پھر وہ کیونکر چکر لگاتا ہے اور اگر مادی وجود ہو بھی تو بھی زمین چکر کھاتی ہے نہ کہ آسمان۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں۔ **سماء** کے معنی بادل کے بھی ہیں اور **رجع** کے معنے بار بار آنے کے۔ پس اس آیت کے یہ معنے نہیں کہ آسمان چکر کھاتا ہے بلکہ یہ ہیں ہم شہادت کے طور پر بادلوں کو پیش کرتے ہیں۔ جو باریک خشک زمین کو سیراب کرنے کیلئے آتے ہیں۔ پھر زمین کو پیش کرتے ہیں جو بارش ہونے پر پھٹتی ہے یعنی اس سے کھیتی نکلتی ہے۔ شہادت کے طور پر ان چیزوں کو پیش کر کے بتایا گیا ہے کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے بادلوں کا سلسلہ پیدا کیا ہے کہ وہ بار بار آتے ہیں اور زمین کی شادابی کا موجب ہوتے ہیں اور ان کے بغیر سرسبزی اور شادابی ناممکن ہے۔ اسی طرح روحانی سلسلہ کا حال ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ اپنے فضل کے بادل نہیں بھیجتا اور اپنے کلام کا پانی نہیں برساتا زمین کی پھوٹنے کی قابلیت ظاہر نہیں ہوتی۔ لیکن جب آسمان سے پانی نازل ہوتا ہے تب جا کر انسانی ذہن بھی اپنی قابلیت کو ظاہر کرتا ہے اور آسمانی کلام کی مدد سے باریک در باریک مطالب روحانیہ کو پیدا کرنے لگتا ہے۔ چنانچہ ان آیات کا سیاق بھی انہی معنوں پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ آگے فرمایا ہے کہ **انه لقول فصل وما هو بالهزل** (الطارق:15-14) یعنی پہلی بات سے یہ امر ثابت ہے کہ قرآن کریم کوئی لغو بات نہیں بلکہ حقیقت کو ثابت کرنے والا کلام ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں بھی زمین خشک ہو رہی تھی اور دینی علوم سے لوگ بہرہ ور تھے۔ پس ضرورت تھی کہ خدا کی رحمت کا بادل کلام الٰہی کی صورت میں برستا اور لوگوں کی روحانی خشکی کو دور کرتا۔

اسی طرح آپ نے بتایا کہ دیکھو قرآن کریم کے زمانہ کے لوگوں کا خیال تھا کہ آسمان ایک ٹھوس چیز ہے اور ستارے اس میں جڑے ہوئے ہیں۔ مگر یہ تحقیق واقعہ کے خلاف تھی۔ قرآن کریم نے اس زمانہ میں ہی اس کو رڈ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ **کل فی فلک یسبحون** (یٰس :41)۔ سیارے ایک آسمان میں جو ٹھوس نہیں ہیں بلکہ ایک لطیف مادہ ہے جسے سیال سے نسبت دی جاسکتی ہے اور سیارے اس میں اس طرح گردش کرتے ہیں جیسے کہ تیراک پانی میں تیرتا ہے۔ موجودہ تحقیق میں ایتھر کا بیان بالکل اس بیان کے مشابہ ہے۔

اسی طرح آپ نے فرمایا کہ **خلق منها زوجها** (النساء:60) کے یہ معنے کئے جاتے ہیں کہ آدم کی پسلی سے خدا تعالیٰ نے حوا کو پیدا کیا اور اس پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ معنی ہی غلط ہیں۔ قرآن کریم میں یہ نہیں کہا گیا کہ حوا آدم کی پسلی سے پیدا ہوئی بلکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حوا آدم ہی کی جنس سے پیدا کی گئی۔ یعنی جن طاقتوں اور جذبات کو لے کر مرد پیدا ہوا، انہی طاقتوں اور جذبات کو لے کر عورت پیدا ہوئی۔ کیونکہ اگر مرد اور عورت کے جذبات ایک نہ ہوتے تو ان میں حقیقی اُنس پیدا نہ ہوسکتا تھا۔ بلکہ اگر مرد میں شہوت رکھی جاتی اور عورت میں نہ ہوتی تو کبھی ان میں اتحاد پیدا نہ ہوتا اور ایک دوسرے سے سر پھٹول ہوتا رہتا۔ پس جیسے جذبات مرد میں رکھے گئے ہیں ایسے ہی عورت میں بھی رکھے گئے ہیں تا کہ وہ آپس میں محبت سے رہ سکیں۔

اب دیکھو یہ مسئلہ مرد وعورت میں کیسا صلح اور محبت کرنیوالا ہے۔ جب کوئی مرد عورت سے بلاوجہ ناراض ہو تو اسے کہیں گے جیسے تمہارے جذبات ہیں ایسے ہی عورت کے جذبات بھی ہیں۔ جس طرح تم نہیں چاہتے کہ تمہارے جذبات کو ٹھیس لگے، اسی طرح وہ بھی نہیں چاہتی ہے کہ اس کے جذبات کو پامال نہ کیا جائے۔ پس تمہیں بھی اس کا خیال رکھنا چاہیے۔

اسی طرح آپ نے فرمایا بعض لوگ کہتے ہیں کہ **الذی خلق السموت والارض وما بینهما فی ستة ایام ثم استوی علی العرش الرحمن فسئل به خبیرا** (الفرقان:60) سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان اور زمین چھ دن میں پیدا کئے گئے اور پھر خدا عرش پر قائم ہو گیا۔ مگر یہ غلط ہے کیونکہ زمین و آسمان لاکھوں سال میں پیدا ہوئے ہیں۔ یہ جیالوجی سے ثابت ہے لیکن حق یہ ہے کہ لوگ

خود آیت قرآنیہ کو نہیں سمجھتے۔ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ زمین و آسمان کتنے سالوں میں بنے مگر یہ جانتے ہیں کہ چھ دنوں میں نہیں بنے۔ کیونکہ یوم تو سورج سے بنتے ہیں۔مگر جب سورج ہی نہ تھا تو یہ دن کہاں سے آ گئے؟ یوم کے معنے ایک اندازہ وقت کے ہیں۔قرآن کریم میں یوم ایک ہزار سال کا بھی اور پچاس ہزار سال کا بھی آیا ہے۔پس اس آیت میں چھ لمبے زمانوں میں زمین و آسمان کی پیدائش مراد ہے۔

(11) گیارہویں لوگ قرآن کریم کی تفسیر کرنے میں غلطی کیا کرتے تھے۔آپ نے ایسے اصول پر تفسیر قرآن کریم کی بناء رکھی کہ غلطی کا امکان بہت ہی کم ہو گیا ہے۔ان اصول کے ذریعہ سے ہی خدا تعالیٰ نے آپ کے اتباع پر قرآن کریم کے ایسے معارف کھولے ہیں جو اور لوگوں پر نہیں کھلے۔ چنانچہ میں نے بھی کئی مرتبہ اعلان کیا ہے کہ قرآن کریم کا کوئی مقام کسی بچہ سے کھلوایا جائے یا قرعہ ڈال لیا جائے پھر اس جگہ کے معارف میں بھی لکھوں گا، دوسری کسی جماعت کا نمائندہ بھی لکھے۔ پھر معلوم ہو جائے گا کہ خدا تعالیٰ کس کے ذریعہ قرآن کریم کے معارف ظاہر کراتا ہے مگر کسی نے یہ بات منظور نہ کی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو اصول تفسیر بیان کئے ہیں وہ یہ ہیں:-

(۱) آپ نے بتایا کہ قرآن کریم خدا تعالیٰ کا راز ہے اور راز ان پر کھولے جاتے ہیں جو خاص تعلق رکھتے ہیں۔اس لیے قرآن کریم سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ انسان خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرے۔مگر یہ عجیب بات ہے کہ قرآن کریم کی تفسیریں جن لوگوں نے لکھی ہیں وہ نہ صوفی تھے نہ ولی بلکہ عام مولوی تھے، جو عربی جاننے والے تھے۔ہاں انہوں نے بعض آیتوں کی تفسیریں لکھی ہیں اور نہایت لطیف تفسیریں لکھی ہیں۔جیسا کہ حضرت محی الدین صاحب ابن عربی کی کتب میں آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر آتی ہے۔تو ایسی لطیف ہوتی ہے کہ دل اس کی صداقت کا قائل ہو جاتا ہے۔غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بتایا ہے کہ قرآن کریم سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ تعلق باللہ حاصل ہو۔

(۲) دوسرا اصل آپ نے بتایا ہے کہ قرآن کریم کا ہر ایک لفظ ترتیب سے رکھا گیا ہے۔ اس نکتہ سے قرآن کریم کی تفسیر آسان بھی ہوگئی ہے اور اس کے لطیف معارف بھی کھلتے ہیں۔پس چاہیے کہ جب کوئی قرآن کریم پر غور کرے تو اس بات کو مدنظر رکھے کہ خدا تعالیٰ نے ایک لفظ کو پہلے کیوں رکھا ہے اور دوسرے کو بعد میں کیوں۔ جب وہ اس پر غور کرے گا تو اسے حکمت سمجھ میں آ جائے گی۔

(۳) قرآن کریم کا کوئی لفظ بے مقصد نہیں ہوتا اور کوئی لفظ زائد نہیں ہوتا۔ ہر لفظ کسی خاص مفہوم میں اور مطلب ادا کرنے کیلئے آتا ہے۔ پس کسی لفظ کو یونہی نہ چھوڑو۔

(۴) جس طرح قرآن کریم کا کوئی لفظ بے معنی نہیں ہوتا۔ اسی طرح وہ جس سیاق و سباق میں آتا ہے وہیں اس کا آنا ضروری ہوتا ہے۔ پس معنے کرتے وقت پہلے اور پچھلے مضمون کے ساتھ تعلق سمجھنے کی ضرور کوشش کرنی چاہیے۔ اگر سیاق و سباق کا لحاظ نہ رکھا جائے تو معنے کرنے میں غلطی ہوتی ہے۔

(۵) قرآن کریم اپنے ہر دعویٰ کی دلیل خود بیان کرتا ہے۔ اس کے متعلق مفصل پہلے بیان کر آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا جہاں قرآن کریم میں کوئی دعویٰ ہو وہاں اس کی دلیل بھی تلاش کرو ضرور مل جائے گی۔

(۶) قرآن اپنی تفسیر آپ کرتا ہے۔ جہاں کہیں کوئی بات نامکمل نظر آئے اس کے متعلق دوسرا ٹکڑا دوسری جگہ تلاش کرو جو ضرور مل جائے گا اور اس طرح وہ بات مکمل ہو جائے گی۔

(۷) قرآن کریم میں تکرار نہیں۔ اس کے متعلق میں تفصیلاً پہلے بیان کر آیا ہوں۔

(۸) قرآن کریم میں محض قصے نہیں ہیں۔ بلکہ ہر گزشتہ واقعہ پیشگوئی کے طور پر بیان ہوا ہے۔ یہ بھی پہلے بیان کر چکا ہوں۔

(۹) قرآن کریم کا کوئی حصہ منسوخ نہیں۔ پہلے لوگوں کو جو آیت سمجھ نہ آتی تھی اس کے متعلق کہہ دیتے تھے کہ وہ منسوخ ہے اور اس طرح انہوں نے قرآن کریم کا بہت بڑا حصہ منسوخ قرار دے دیا۔ ان کی مثال ایسی ہی تھی جیسے کہتے ہیں کسی شخص کو خیال تھا کہ وہ بڑا بہادر ہے۔ اس زمانہ میں بہادر لوگ اپنا کوئی نشان قرار دے کر اپنے جسم پر گدواتے تھے۔ اس نے اپنا نشان شیر قرار دیا اور اسے بازو پر گدوانا چاہا۔ وہ گودنے والے کے پاس گیا اور اسے کہا کہ میرے بازو پر شیر کا نشان گود دو۔ جب وہ گودنے لگا اور سوئی چبھوئی تو اسے درد ہوئی اور اس نے پوچھا کیا چیز گودنے لگے ہو۔ گودنے والے نے کہا شیر کا کان بنانے لگا ہوں۔ اس نے کہا اگر کان نہ ہو تو کیا اس کے بغیر شیر شیر نہیں رہتا؟ گودنے والے نے کہا کہ نہیں۔ پھر بھی شیر ہی رہتا ہے۔ اس نے کہا اچھا تب کان کو چھوڑ دو۔ اسے بھی پہلے بہانہ

سے چھڑا دیا۔ اسی طرح جو حصہ وہ گودنے لگتا وہی چھڑا دیتا۔ آخر گودنے والے نے کہا کہ اب تم گھر جاؤ۔ ایک ایک کر کے سب حصے ہی ختم ہو گئے ہیں۔ یہی حال قرآن کریم میں ناسخ و منسوخ ماننے والوں کا تھا۔ گیارہ سو آیات انہوں نے منسوخ قرار دے دیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بتایا کہ قرآن کریم کا ایک لفظ بھی منسوخ نہیں ہے اور جن آیات کو منسوخ کہا جاتا تھا ان کے نہایت لطیف معانی اور مطالب بیان فرمائے۔

(۱۰) ایک گُر آپ نے قرآن کریم کے متعلق یہ بیان فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا کلام اور اس کی سنت آپس میں مخالف نہیں ہو سکتے۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے کلام کی سائنس مخالف نہیں ہوتی۔ کیونکہ سائنس بعض اوقات خود غلط بات پیش کرتی ہے اور اس کی غلطی ثابت ہو جاتی ہے۔ بلکہ فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی سنت اس کے کلام کے خلاف نہیں ہوتی۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ جس طرح کلامِ الٰہی کے سمجھنے میں لوگ غلطی کر جاتے ہیں اسی طرح فعل الٰہی کے سمجھنے میں بھی غلطی کر جائیں۔

(۱۱) آپ نے یہ بھی بتایا کہ عربی زبان کے الفاظ مترادف نہیں ہوتے۔ بلکہ اس کے حروف بھی اپنے اندر مطالب رکھتے ہیں۔ پس ہمیشہ معانی پر غور کرتے ہوئے اس فرق کو ملحوظ رکھنا چاہیے جو اس قسم کے دوسرے الفاظ میں پائے جاتے ہیں تا کہ وہ زائد بات ذہن سے غائب نہ ہو جائے جو ایک خاص لفظ کے چننے میں اللہ تعالیٰ نے مدنظر رکھی تھی۔

(۱۲) قرآن کریم کی سورتیں بمنزلہ اعضاء انسانی کے ہیں۔ جو ایک دوسرے سے مل کر اور ایک دوسرے کے مقابل پر اپنے کمال ظاہر کرتی ہیں۔ آپ نے فرمایا: کسی بات کو سمجھنا ہو تو سارے قرآن پر نظر ڈالنی چاہیے۔ ایک ایک حصہ کو الگ الگ نہیں لینا چاہیے۔

(13) تیرھویں غلطی لوگوں کو یہ لگی ہوئی تھی کہ وہ سمجھتے تھے قرآن کریم احادیث کے تابع ہے۔ حتیٰ کہ یہاں تک کہتے تھے کہ احادیث قرآن کی آیات منسوخ کر سکتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس غلطی کو اس طرح دور کیا کہ آپ نے فرمایا قرآن کریم حاکم ہے اور احادیث اس کے تابع ہیں۔ ہم صرف وہی حدیث مانیں گے جو قرآن کریم کے مطابق ہوں گی، ورنہ ردّ کر دیں گے۔ اسی طرح وہ حدیث جو قانون قدرت کے مطابق ہو وہ قابل تسلیم ہوگی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا کلام اور اس کا فعل مخالف نہیں ہو سکتے۔

(14) چودھواں نقص لوگوں میں یہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ قرآن کریم ایک مجمل کتاب ہے۔جس میں موٹی موٹی باتیں بیان کی گئی ہیں۔اخلاقی،تمدنی،معاشرتی باتوں کی تفصیل اس میں نہیں ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے متعلق یہ دعویٰ کیا کہ قرآن کریم ایک مکمل کتاب ہے جس نے روحانیت،معادیات،تمدنیات،سیاسیات اوراخلاقیات کے متعلق جتنے امور روحانی ترقی کیلئے ضروری ہیں، وہ سارے کے سارے بیان کر دیئے ہیں اور فرمایا میں یہ سب باتیں نکال کر دکھانے کیلئے تیار ہوں۔

(15) پندرھویں غلطی یہ لوگوں کو لگی ہوئی تھی کہ قرآن کریم کی بعض تعلیمیں وقتی اور عرب کی حالت اور اس زمانہ کے مطابق تھیں۔اب ان میں تبدیلی کی جاسکتی ہے۔چنانچہ سیّد امیر علی جیسے لوگوں نے لکھ دیا کہ فرشتوں کا اعتقاد اور کثرت ازدواج کی اجازت ایسی ہی باتیں ہیں۔دراصل یہ لوگ عیسائیوں کے اعتراضوں سے ڈرتے تھے اور اس ڈر کی وجہ سے لکھ دیا کہ یہ باتیں عربوں کیلئے تھیں ہمارے لئے نہیں ہیں۔اب ان کو چھوڑا جاسکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا: یہ بات غلط ہے۔قرآن کریم کے سارے احکام صحیح اور کوئی حکم وقتی نہیں۔سوا اس کے جس کے متعلق قرآن کریم نے خود بتا دیا ہو کہ یہ فلاں وقت اور فلاں موقع کیلئے حکم ہے۔

آپ نے بتایا کہ رسول کریم ﷺ آخری شریعت لانے والے تھے۔اس لئے سب تعلیمیں قرآن کریم میں موجود ہیں اور ہر زمانہ کیلئے ہیں۔ہاں ان تعلیموں پر عمل کرنے کے اوقات خود اس نے بتا دیئے ہیں اور قرآن کریم کی کوئی ایسی تعلیم نہیں ہے جس پر عمل ہمیشہ کیلئے بند ہو یا ایسی کوئی تعلیم نہیں ہے جس پر کوئی عمل نہ کر سکے اور تفصیلاً آپ نے ان اعتراضوں کو دور کیا جو ملائکہ اور کثرتِ ازدواج اور ایسے ہی دوسرے مسائل پر پڑتے تھے۔

(16) سولہویں غلطی لوگوں کو یہ لگ رہی تھی کہ وہ قرآن کریم کو ایک متبرک کتاب قرار دیتے تھے اور روزمرہ کام آنے والی کتاب نہیں سمجھتے تھے۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی تلاوت اور اس کے مطالب پر غور کرنے کی طرف سے وہ بالکل بے پرواہ ہو گئے تھے۔خوبصورت جُزدانوں میں لپیٹ کر قرآن کریم کو رکھ دینا یا خالی لفظ پڑھ لینا کافی سمجھتے تھے۔کہیں قرآن کریم کا درس نہ ہوتا تھا۔حتیٰ کہ اس

کا ترجمہ تک نہیں پڑھایا جاتا تھا۔ ترجمہ کیلئے سارا دارومدار تفسیروں پر تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی اس زمانہ میں وہ شخص ہوئے ہیں جنہوں نے قرآن کو قرآن کر کے پیش کیا اور توجہ دلائی کہ قرآن کا ترجمہ پڑھنا چاہیے۔ آپ سے پہلے قرآن کا کام صرف یہ سمجھا جاتا تھا کہ جھوٹی قسمیں کھانے کیلئے استعمال کیا جائے یا مُردوں پر پڑھا جائے۔ یا اچھا خوبصورت غلاف چڑھا کر طاق میں رکھ دیا جائے۔

کیا یہ عجیب بات نہیں کہ شاعروں نے خدا تعالیٰ کی حمد اور رسول کریم ﷺ کی نعت میں تو بے شمار نظمیں لکھیں ہیں مگر قرآن کریم کی تعریف میں کسی نے بھی کوئی نظم نہیں لکھی۔ پہلے انسان حضرت مرزا صاحب ہی تھے جنہوں نے قرآن کی تعریف میں نظم لکھی اور فرمایا ؎

جمال و حسن قرآن نورِ جان ہر مسلماں ہے

قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

لوگوں نے رسول کریم ﷺ کی نعت پڑھنی ہوتی ہے تو وہ انہیں مل جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی حمد کے شعر پڑھنے ہوتے ہیں تو وہ انہیں مل جاتے ہیں مگر قرآن کریم کی تعریف میں انہیں نظم نہیں ملتی اور دشمن سے دشمن بھی حضرت مسیح موعودؑ کے اشعار پڑھنے پر مجبور ہوتے ہیں اور یہ کہتے ہوئے کہ مرزا صاحب خود تو بُرے تھے مگر یہ شعر انہوں نے اچھے کہے ہیں۔ آپ کے کلام کو پڑھنے لگ جاتے ہیں اور اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام صحیح معنوں میں قرآن کریم کو ثریا سے لائے ہیں۔ (انوار العلوم جلد 10 صفحہ 145 تا 161)

ملائکہ کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ

ملائکہ کے متعلق جو غلط فہمیاں تھیں انہیں آپ نے دور کیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:-

(1) بعض لوگ کہتے تھے کہ قوائے انسانی کا نام ملائکہ رکھا گیا ہے۔ ورنہ خدا تعالیٰ کو ملائکہ کی کیا ضرورت ہے۔ آپ نے اس شُبہ کا بہ زور رد کیا اور بتایا کہ ملائکہ کا وجود وہمی نہیں ہے بلکہ وہ کارخانہ عالم میں ایک مفید اور کارآمد وجود ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ:

(الف) ملائکہ کی ضرورت اللہ تعالیٰ کو نہیں ہے مگر ان کا وجود انسانوں کیلئے ضروری ہے۔ جس طرح خدا تعالیٰ بغیر کھانے کے انسان کا پیٹ بھر سکتا ہے، لیکن اس نے کھانا بنایا۔ بغیر سانس کے زندہ رکھ سکتا تھا مگر اس نے ہوا بنائی۔ بغیر پانی کے سیر کر سکتا تھا مگر اس نے پانی کو بنایا۔ بغیر روشنی کے دکھا سکتا تھا مگر اس نے روشنی بنائی۔ بغیر ہوا کے سنا سکتا تھا مگر آواز کو پہنچانے کیلئے اس نے ہوا بنائی اور اس کے اس کام پر کوئی اعتراض نہیں۔ اسی طرح اس نے اگر اپنا کلام پہنچانے کیلئے ملائکہ کا وجود بنایا تو حاجت اور ضرورت کا سوال کیوں پیدا ہو گیا؟ باقی ذرائع کے پیدا کرنے سے اگر خدا تعالیٰ کی احتیاج نہیں بلکہ بندہ کی احتیاج ثابت ہوتی ہے تو ملائکہ کے پیدا کرنے سے خدا تعالیٰ کی احتیاج کیونکر ثابت ہوئی؟ ان کی پیدائش بھی مخلوق کی ضرورت کیلئے ہے نہ کہ خدا تعالیٰ کی احتیاج کی وجہ سے۔

(ب) دوسرا جواب آپ نے یہ دیا کہ انسان کی عملی اور ذہنی ترقی کیلئے ملائکہ کا وجود ضروری ہے۔ علمی ترقی اس طرح ہوتی ہے کہ جو باتیں مخفی در مخفی رکھی گئی ہیں ان کو انسان دریافت کرتے جاتے ہیں اور ترقی کرتے جاتے ہیں۔ پس ضروری تھا کہ کارخانۂ عالم اس طرح چلایا جاتا کہ نتائج یکدم نہ نکلتے بلکہ مخفی در مخفی اسباب کا نتیجہ ہوتے تا کہ انسان ان کو دریافت کر کے علوم میں ترقی کرتا جاتا اور دنیا اس کیلئے ایک طے شدہ سفر نہ ہوتی بلکہ ہمیشہ اس کیلئے کام موجود رہتا۔ اس سلسلہ کی آخری کڑی ملائک ہیں۔ جن کا کام یہ ہے کہ وہ ان قوانین کو صحیح طور پر چلائیں جن کو خدا تعالیٰ نے سنت اللہ کے نام سے دنیا میں جاری کیا ہے۔ ان کے وجود کے بغیر بے جان مادہ کا سلسلۂ عمل اس خوبی سے چل ہی نہیں سکتا تھا جس طرح کہ وہ ان کی موجودگی میں چل رہا ہے۔

(2) دوسری غلطی ملائکہ کے متعلق یہ لگی ہوئی تھی کہ وہ بھی انسانوں کی طرح چل پھر کر اپنے فرائض ادا کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے متعلق بتایا کہ وہ تصرف کے ذریعہ سے کام کرتے ہیں نہ کہ خود ہر جگہ جا کر۔ اگر انہیں ہر جگہ جا کر کام کرنا پڑتا تو عزرائیل کیلئے اس قدر آدمیوں کی جان یکدم نکالنی مشکل ہوتی۔ ہاں جب انہیں کسی مقام پر ظاہر ہونے کا حکم ہوتا ہے تو وہ اس جگہ متمثل ہو جاتے ہیں بغیر اس کے کہ اپنی جگہ سے ہلیں۔

(3) تیسری غلطی ملائکہ کے متعلق یہ لگ رہی تھی کہ گویا وہ بھی گناہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ

آدم کے واقعہ کے متعلق کہا جاتا تھا کہ ملائکہ نے خدا تعالیٰ پر اعتراض کیا کہ اسے کیوں پیدا کیا گیا ہے۔ اسی طرح خیال کیا جاتا تھا کہ بعض ملائکہ دنیا میں آئے اور ایک کنچنی پر عاشق ہو گئے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا دی اور وہ چاہ بابل میں اب تک قید ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان اتہامات سے ملائکہ کو پاک کیا اور بتایا کہ ملائکہ تو قانون قدرت کی پہلی زنجیر ہیں۔ ان میں خیر وشر کے اختیار کرنے کی قدرت ہی حاصل نہیں۔ انہیں تو جو کچھ خدا تعالیٰ کہتا ہے کرتے ہیں۔ نہ اس کے خلاف ایک بالشت ادھر ہو سکتے ہیں نہ ادھر۔

(4) چوتھی غلطی یہ لگ رہی تھی کہ ملائکہ کو ایک فضول سا وجود سمجھا جاتا تھا۔ جیسے کہ بڑے بڑے بادشاہ اپنے گرد ایک حلقہ آدمیوں کا رکھتے ہیں۔ گویا خدا تعالیٰ نے بھی اسی طرح انہیں رکھا ہوا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بتایا کہ ایسا نہیں بلکہ سب کارخانۂ عالم انہیں پر چل رہا ہے۔ پھر ان کا کام انسانوں کے دلوں میں نیک تحریکات کرنا بھی ہے اور انسان ان سے تعلقات پیدا کر کے روحانی علوم میں ترقی کر سکتا ہے۔ (انوار العلوم جلد 10 صفحہ 163-161)

انبیاء کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انبیاء کے متعلق جو غلطیاں پھیلی ہوئی تھیں ان کو دور کیا۔
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:-

(1) پہلی غلط فہمی انبیاء کے متعلق یہ تھی کہ مسلمانوں میں سے سنّی سوائے اولیاء اللہ اور صوفیاء کے گروہ اور ان کے متعلقین کی عصمت انبیاء کے مخالف تھے۔ بعض تو امکانات کی حد تک ہی رہتے۔ لیکن بہت سے عملاً انبیاء کی طرف گناہ منسوب کرتے اور اس میں عیب محسوس نہ کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق کہتے تھے کہ انہوں نے تین جھوٹ بولے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق کہتے تھے کہ انہوں نے چوری کی تھی۔ حضرت الیاس علیہ السلام کی نسبت کہتے تھے کہ وہ خدا سے ناراض ہو گئے تھے۔ داؤد علیہ السلام کی نسبت کہتے تھے کہ وہ کسی غیر کی بیوی پر عاشق ہو گئے تھے اور اس کے حصول کیلئے انہوں نے خاوند کو جنگ پر بھجوا کر مروا دیا۔ یہ مرض یہاں تک ترقی

کر گیا کہ سید ولد آدم ﷺ کی ذات بھی محفوظ نہ رہی تھی۔

(الف) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بتایا کہ یہ خیالات بالکل غلط ہیں اور جو باتیں بیان کی جاتی ہیں بالکل جھوٹ ہیں۔ آپ نے ان باتوں کا غلط ہونا دو طرح سے ثابت کیا۔ ایک اس طرح کہ فرمایا یہ قانونِ قدرت ہے کہ معرفتِ کامل گناہ سوز ہوتی ہے۔ مثلاً جسے یقین کامل ہو کہ فلاں چیز زہر ہے، وہ کبھی اسے نہیں کھائے گا۔ پس جب یہ مانتے ہو کہ نبی کو معرفت کامل حاصل ہوتی ہے تو پھر یہ کہنا کہ نبی گناہ کا مرتکب ہوسکتا ہے، یہ دونوں باتیں متضاد ہیں۔ پس یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ نبی سے کوئی گناہ سرزد ہو۔

(ب) یہ کہ نبی کے بھیجنے کی ضرورت ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کیلئے نمونہ ہو، ورنہ نبی کے آنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیا خدا تعالیٰ لکھی لکھائی کتاب نہیں بھیج سکتا تھا۔ پس نبی آتا ہی اس لیے ہے کہ خدا کے کلام پر عمل کر کے لوگوں کو دکھائے اور ان کیلئے کامل نمونہ بنے۔ پس اگر نبی بھی گناہ کرسکتا ہے تو پھر وہ نمونہ کیا ہوگا۔ نبی کی تو غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ جو لفظوں میں خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم ہو وہ اپنے عمل سے لوگوں کو سکھائے۔

(2) دوسری غلطی جس میں لوگ مبتلا تھے یہ تھی کہ وہ خیال کرتے تھے کہ نبی سے اجتہادی غلطی نہیں ہوسکتی۔ عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو لوگ کہتے ہیں کہ نبی گناہگار ہوسکتا ہے اور دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ نبی سے اجتہادی غلطی نہیں ہوسکتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس مسئلہ کو علمی بنا دیا اور بتایا کہ:-

(الف) نبی سے اجتہادی غلطی نہ صرف ممکن ہے بلکہ ضروری ہے تاکہ معلوم ہو کہ نبی پر جو کلام نازل ہوا وہ اس کا نہیں بلکہ اور ہستی نے نازل کیا ہے۔ کیونکہ اپنی ذات کے سمجھنے میں کسی کو غلطی نہیں لگتی۔ کوئی یہ نہیں کہتا کہ فلاں بات جب میں نے کہی تھی تو اس کا میں نے اور مطلب سمجھا تھا اور اب اور سمجھتا ہوں۔ اس غلطی کا لگنا ثبوت ہوتا ہے اس امر کا کہ وہ بات اس کی بنائی ہوئی نہیں۔ پس آپ نے فرمایا کہ نبی سے اجتہادی غلطی سرزد ہونا ضروری ہے تاکہ اس کی سچائی کا ایک ثبوت بنے۔

(ب) دوسرے نہ صرف نبی کو اجتہادی غلطی لگتی ہے بلکہ خدا تعالیٰ نبی سے اجتہادی غلطی

بعض دفعہ خود کراتا ہے۔ تاکہ اوّل نبی کا اصطفاء کرے یعنی اس کا درجہ اور بلند کرے۔ اس کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خواب ہے جب ان کو خواب میں دکھایا گیا کہ وہ بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ وہ بیٹے کو قتل کر دیں۔ کیونکہ اگر یہ مطلب ہوتا تو جب وہ قتل کرنے لگے تھے تو انہیں منع نہ کیا جاتا۔ لیکن حضرت ابراہیمؑ کو خواب ایسے رنگ میں دکھائی گئی کہ ابراہیمؑ کا ایمان لوگوں پر ظاہر ہو جائے اور جب وہ اس کے ظاہری معنوں کی طرف مائل ہوئے تو ان کی حقیقت ان پر کھولی گئی۔ حتیٰ کہ وہ عملاً بیٹے کو قتل کرنے لگے تھے۔ تب بتادیا کہ ہمارا یہ مطلب نہ تھا اور یہ خدا تعالیٰ نے اسی لئے کیا تا دنیا کو بتادے کہ خدا کیلئے ابراہیمؑ اپنا اکلوتا اور بڑھاپے کا بیٹا بھی قربان کرنے کیلئے تیار ہے۔

دوسری قسم کی اجتہادی غلطیاں ابتلائی ہوتی ہیں۔ یعنی بعض لوگوں کا امتحان لینے کیلئے۔ جیسے صلح حدیبیہ کے وقت ہوا کہ آپ کو خواب میں طواف کا نظارہ دکھایا گیا۔ مگر اس سے مراد یہ تھی کہ آئندہ سال طواف ہوگا۔ آپ نے سمجھا کہ ابھی عمرہ کر آئیں۔ اور ایک جماعت کثیر کو لے کر چل پڑے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے حقیقت کا پھر بھی اظہار نہ کیا۔ جب روک پیدا ہوئی تو کئی صحابہ کو حیرت ہوئی اور کمزور طبائع کے لوگ تو تمسخر کرنے لگے اور اس طرح مومن اور منافق کے ایمان کی آزمائش ہوگئی۔

یادرکھنا چاہیے کہ الہام کے سمجھنے میں تب ہی اجتہادی غلطی لگ سکتی ہے جب الہام کے الفاظ تعبیر طلب ہوں یا جو نظارہ دکھایا جائے وہ تعبیر رکھتا ہو۔ اگر الہام دماغی اختراع ہوتا تو پھر دماغ سے ایسے الفاظ نکلتے جو واضح ہوتے نہ کہ تعبیر طلب نظارے یا الفاظ۔ تعبیر طلب نظارے تو ارادے کے ساتھ نہیں بنائے جاسکتے۔ مثلاً دماغ کو اس سے کیا نسبت ہے کہ وہ قحط کو دبلی گائیوں کی شکل میں دکھائے۔ پس اجتہادی غلطی کا سرزد ہونا الہام کے دماغی اختراع ہونے کے منافی ہے اور اس کی تشریح کی وجہ سے یورپ کی ان نئی تحقیقاتوں پر جو الہام کے متعلق ہو رہی ہیں، پانی پھر جاتا ہے۔ کیونکہ اجتہادی غلطی کی موجودگی میں جو باریک تعبیر کا دروازہ کھلا رکھتی ہے الہام کو انسانی دماغ کا اختراع کسی صورت میں قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اگر ذہنی قابلیت کا نتیجہ ہوتو صاف الفاظ میں ہوگا، تعبیر طلب نہ ہوگا۔

(3) تیسری غلطی لوگوں کو شفاعت انبیاء کے متعلق لگی ہوئی تھی اور اس کی دو شقیں تھیں۔

(الف) یہ کہ بعض لوگ خیال کرتے تھے کہ جو مرضی آئے کرو، شفاعت کے ذریعہ سب کچھ بخشا جائے گا۔ چنانچہ ایک شاعر کا قول ہے

مستحق شفاعت گناہگاراں اند

یعنی شفاعت کے مستحق گناہگار ہی ہیں۔

(ب) بعض لوگ اس کے الٹ خیال کرتے تھے کہ شفاعت شرک ہے اور صفات باری تعالیٰ کے خلاف ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان دونوں غلطیوں کو دور کیا۔ آپ نے مسئلہ شفاعت کی یہ تشریح کی کہ شفاعت خاص حالتوں میں ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوتی ہے۔ پس شفاعت پر توکل کرنا درست نہیں۔ شفاعت اسی وقت ہوسکتی ہے جب کہ باوجود پوری کوشش کرنے کے پھر بھی انسان میں کچھ خامی رہ گئی ہو اور جب تک کوئی رسول کا جوڑا نہ بن جائے شفاعت سے بخشا نہیں جاسکتا۔ پھر وہ جو کہتے ہیں شفاعت شرک ہے انہیں حضرت مسیح موود علیہ السلام نے کہا کہ اگر شفاعت حکومت کے ذریعہ کرائی جاتی یعنی رسول کریم ﷺ خدا تعالیٰ سے حکماً کہتے کہ فلاں کو بخش دے تو یہ شرک ہوتا۔ مگر خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ شفاعت ہمارے اذن سے ہوتی یعنی ہم حکم دے کر رسول سے یہ کام کروائیں گے۔ جب ہم کہیں گے کہ شفاعت کرو تب نبی شفاعت کرے گا اور یہ امر شرک ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اس میں نہ خدا تعالیٰ کی ہمسری ہے اور نہ اس کی کسی صفت پر پردہ پڑتا ہے۔

آپ نے ثابت کیا کہ نہ صرف شفاعت جائز ہے بلکہ دنیا کی روحانی ترقی کیلئے ضروری ہے اور اس کے بغیر دنیا کی نجات ناممکن ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کا قانون ہے کہ ورثہ سے کمالات ملتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کا باپ نماز نہیں پڑھتا مگر بیٹا پکا نمازی ہوتا ہے۔ پھر اس بیٹے کو یہ بات ورثہ میں کس طرح ملی؟ اس کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیے کہ باپ میں نماز پڑھنے کی قابلیت تھی تبھی بیٹے میں آئی ورنہ کبھی نہ آتی۔ بھینس میں یہ قابلیت نہیں ہوتی۔ اس لیے کسی بھینس کا بچہ ایسا نہیں ہوتا جو نماز پڑھ سکے۔ پس حق یہی ہے کہ کمالات ورثہ میں ملتے ہیں اور جب جسمانی کمالات ورثہ میں ملتے ہیں تو روحانی کمالات بھی ان اشخاص کو جو آدم کے مقام پر نہیں ہوتے بغیر ورثہ کے نہیں مل سکتے۔ پس انسانوں کیلئے جو اپنی ذات میں کمال حاصل نہیں کرسکتے، نبی بھیجے جاتے ہیں۔ یعنی خدا تعالیٰ ایسے انسان پیدا کرتا ہے جن پر آسمان سے روحانیت کے فیوض ڈالے جاتے ہیں اور ان کو خدا تعالیٰ آدم قرار دیتا ہے۔ پھر ان کی روحانی اولاد بن کر دوسروں کو روحانی فیوض ملتے ہیں اور اس طرح وہ نجات حاصل

کرتے ہیں۔ پس شفاعت تو قانون قدرت سے کامل مطابقت رکھنے والا مسئلہ ہے نہ کہ اس کے خلاف ہے۔

(4) انبیاء کے متعلق جن غلطیوں میں مسلمان مبتلا تھے ان میں چوتھے نمبر پر وہ غلطیاں جو خصوصیت سے حضرت مسیح ناصری کے متعلق پیدا ہو رہی تھیں۔ مسیح کی ذات ایک نہیں متعدد غلطیوں کی آماجگاہ بنا دی گئی تھی اور پھر تعجب یہ کہ ان کے متعلق مختلف اقوام غلط خیالات میں پڑی ہوئی تھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سب غلطیوں کو دور کیا۔

سب سے پہلی غلطی حضرت مسیح ناصریؑ کی پیدائش کے متعلق تھی۔ مسلمان بھی اور دوسرے لوگ بھی اس غلطی میں مبتلا تھے کہ حضرت مسیحؑ کی پیدائش انسانی پیدائش سے بالاقسم کی پیدائش تھی اور ان کا روح اللہ اور کلمۃ اللہ سے پیدا ہونا اپنی مثال آپ ہی تھا۔ اس خیال سے بڑا شرک پیدا ہو گیا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے متعلق فرمایا کہ سب انبیاء میں روح اللہ تھی اور سب کلمۃ اللہ تھے۔ حضرت مسیح پر چونکہ اعتراض کیا جاتا تھا اور انہیں نعوذ باللہ ولد الزنا کہا جاتا تھا اس لیے ان کی بریت کیلئے ان کے متعلق یہ الفاظ استعمال کئے گئے۔ ورنہ سارے نبی روح اللہ اور کلمۃ اللہ تھے۔ قرآن کریم میں حضرت سلیمان کے کفر کا انکار کیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا **ما کفر سلیمن** (البقرہ:103)۔ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ صرف حضرت سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا باقی سب انبیاء نے کیا تھا۔ ان کے کفر کے انکار کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان پر کفر کا الزام لگایا گیا تھا۔ اس لئے ان کے متعلق الزام کو ردّ کیا گیا۔ دوسرے انبیاء کی متعلق چونکہ اس قسم کا الزام نہیں لگا تھا اس لیے ان کے متعلق کفر کی نفی کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

یہی حال حضرت مسیح علیہ السلام کا تھا۔ جن کے متعلق یہود کا الزام تو لگ رہا تھا، بڑے بڑے عیسائی بھی کہتے تھے کہ وہ (نعوذ باللہ) ولد الزنا تھے۔ مگر اس میں ان کا کیا قصور۔ چنانچہ ٹالسٹائے جو ایک بہت مشہور عیسائی ہوا ہے۔ اس نے مفتی محمد صادق صاحب کو لکھا کہ اور تو مرزا صاحب کی باتیں معقول ہیں لیکن مسیح کو بن باپ قرار دینا میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر اس کی وجہ مسیح کو پیدائش کے داغ سے بچانا ہے تو اس کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اس قسم کی پیدائش میں خداوند کا کیا قصور تھا۔ غرض یہودی چونکہ آپ کی پیدائش پر الزام لگاتے تھے کہ وہ شیطانی تھی اور خود مسیحیوں میں سے بعض نے آئندہ ایسا

کرنا تھا، اس لیے خدا تعالیٰ نے ان کی برأت کیلئے فرمایا کہ ان کی پیدائش روح اللہ سے تھی، کسی گناہ کا نتیجہ نہ تھی۔ اور کسی ایسے فعل کا نتیجہ نہ تھی جو خدا کی شریعت کے خلاف ہو بلکہ کلمۃ اللہ کے مطابق تھی۔ پس روح اللہ اور کلمۃ اللہ کے الفاظ سے مسیح کی پیدائش کا ذکر کرنا تعظیماً نہیں بلکہ اس کی برأت کیلئے ہے۔

آپؑ نے یہ بھی بتایا کہ کوئی وجہ نہیں ہم مسیح کی پیدائش کو قانون قدرت سے بالا سمجھیں۔ ایسی پیدائش اور انسانوں میں بھی ہو سکتی ہے اور حیوانوں میں تو یقیناً ہوتی ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ کیوں خدا تعالیٰ نے انہیں بن باپ پیدا کیا؟ باپ سے ہی کیوں نہ پیدا کیا۔ تو اس کا جواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ دیا کہ ابراہیم علیہ السلام کی پیشگوئیوں کے مطابق بنی اسرائیل میں سے متواتر انبیاء آرہے تھے۔ جب ان کی شرارت حد سے بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے مسیح کی پیدائش کے ذریعہ سے انہیں آخری بار تنبیہہ کی اور بتایا کہ اب تک ہم معاف کر کے تمہارے اندر سے نبی بھیجتے رہے ہیں مگر اب ہم ایک ایسے انسان کو بھیجتے ہیں جو ماں کی طرف سے بنی اسرائیل ہے اور باپ کی طرف سے نہیں۔ اگر آئندہ بھی باز نہ آؤ گے تو ایسا ہی آئے گا جو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے غیر اسرائیلی ہوگا۔ چنانچہ جب بنی اسرائیل نے اس تنبیہہ سے فائدہ نہ اٹھایا اور شرارت میں بڑھتے گئے تو اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا جو کلی طور پر بنی اسرائیل سے جدا تھے۔

پس حضرت مسیحؑ کی بن باپ پیدائش بطور رحمت کے نہیں بلکہ بنی اسرائیل کیلئے بطور انذار تھی۔ چنانچہ اس کا انجام یہی ہوا۔

دوسری غلطی مسیح ناصری علیہ السلام کے متعلق یہ لگی ہوئی تھی کہ مسلمان خیال کرتے تھے کہ صرف حضرت مسیح اور ان کی ماں مس شیطان سے پاک تھیں اور کوئی انسان ایسا نہیں ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے متعلق بتایا کہ کل انبیاء بلکہ مؤمن بھی مس شیطان سے پاک ہوتے ہیں۔ چنانچہ مؤمنوں کو حکم ہے کہ جب وہ بیوی کے پاس جائیں تو یہ دعا پڑھا کریں۔ **اللھم جنب الشیطان و جنب الشیطن ما رزقتنا** (بخاری کتاب الوضوء باب التسمیہ علی کل حال وعند الوقاع)۔ اے اللہ! مجھے بھی شیطان سے بچا اور میری اولاد کو بھی بچا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو بچہ پیدا ہوگا اسے شیطان مس نہ کرے گا۔ یہ گُر رسول کریم ﷺ نے مسّ شیطان سے اولاد کو محفوظ رکھنے کا بتایا ہے۔ پس جب امت

محمدیہؐ کے افراد بھی مسّ شیطان سے پاک ہوسکتے ہیں تو انبیاء اور خصوصاً سیّد ولد آدم کیوں محفوظ نہ ہوں۔آپ نے بتایا کہ حدیثوں میں جو یہ آیا ہے کہ حضرت مسیح اوران کی والدہ مسّ شیطان سے پاک تھیں تواس کی وجہ بھی یہی ہے کہ حضرت مسیح پر ولدالزنا کا الزام لگایا جاتا تھا۔رسول کریم ﷺ نے اس کی تردید فرمائی اور بتایا ہے کہ وہ مس شیطان سے پاک تھے یعنی ان کی پیدائش شیطانی نہ تھی۔ پس حدیث میں جو اِن کے پاک ہونے کا ذکر آتا ہےاوراس سے مراد مسیح اورابن مریم کی طرح کے لوگ ہیں نہ کہ صرف حضرت مسیح اور حضرت مریم۔ چنانچہ ان دونوں ناموں کوسورۃ تحریم میں بطورمثال بیان بھی کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی یہ اصطلاح ہے کہ وہ مومنوں کے ایک گروہ کا نام مسیح اور دوسرے کا نام مریم رکھتا ہے۔

(۳) تیسری غلطی حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کے متعلق لگی ہوئی تھی۔ مثلاً لوگ کہتے تھے کہ حضرت مسیح نے مردے زندہ کیے، وہ پرندے پیدا کرتے تھے۔حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے ان غلطیوں کوبھی دورفرمایااور بتایا کہ خداتعالیٰ اپنی صفات کسی کونہیں دیتا۔قرآن کریم میں صاف الفاظ میں بیان ہے کہ مردے زندہ کرنااور پیدا کرنا صرف اسی کا کام ہےاور مردے زندہ کرنے کے متعلق تو وہ یہ بھی فرماتا ہے کہ اس دنیا میں وہ مردے زندہ کرتا ہی نہیں۔پس یہ خیال کرنا کہ حضرت مسیح ناصری نے فی الواقع مردے زندہ کئے یا جانور پیدا کئے شرک ہے اور ہرگز درست نہیں۔ ہاں انہوں نے روحانی طور پرایسی باتیں کیں یاعلم الترب کے ذریعہ سے بعض نشانات دکھائے یا یہ کہ ایسے لوگ ان کی دعا سے اچھے ہوئے جوقریب المرگ تھے۔

(۴) چوتھی غلطی لوگوں کوحضرت مسیحؑ کی تعلیم کے متعلق یہ لگی ہوئی تھی کہ سمجھا جاتا تھا کہ ان کی تعلیم سب سے اعلیٰ اور بہت اکمل ہے۔حضرت مسیح نے جو یہ فرمایا ہے کہ اگرکوئی تیرے ایک گال پر تھپڑ مارے تو تُو دوسرا بھی پھیر دے، یہ کمال حلم کی تعلیم ہےاوراس سے بڑھ کراخلاقی تعلیم ہو ہی نہیں سکتی۔حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تعلیم ایک وقت اور ایک قوم کیلئے تو اچھی ہوسکتی تھی لیکن ہروقت اور ہرقوم کیلئے یہ تعلیم ہرگز اچھی نہیں۔اس لئے سب سے کامل تعلیم نہیں کہلاسکتی۔اس تعلیم کی اصل وجہ یہ تھی کہ یہود میں بہت سختی پیدا ہوگئی تھی اور وہ بڑے ظلم کیا کرتے تھے۔اسی وجہ سے خداتعالیٰ نے حضرت مسیح کے ذریعہ سے ان کوانتہائی درجہ کی نرمی کی تعلیم دی تا کہ ان کی خشونت کم ہو، ورنہ اس تعلیم

پر ہر موقع پر ہرگز عمل نہیں ہوسکتا۔

اس موقع پر مجھے مصر کا ایک واقعہ یاد آ گیا ہے۔ کہتے ہیں ایک پادری صاحب وعظ کیا کرتے تھے۔ دیکھو مسیح نے کیسی اعلیٰ تعلیم دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی تمہارے ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دو۔ ایک دن مجمع میں سے ایک مصری نے نکل کر پادری صاحب کے منہ پر ایک طمانچہ رسید کر دیا۔ پادری صاحب اس پر بہت غصے ہوئے اور اسے مارنے کیلئے آگے بڑھے۔ اس مصری مسلمان نے کہا کہ مسیح کی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے تو تمہیں دوسرا گال بھی میری طرف پھیرنا چاہیے تھا تا کہ میں اس پر بھی طمانچہ ماروں۔ پادری صاحب نے جواب دیا کہ نہیں اس وقت تو میں مسیح کی تعلیم پر عمل نہیں بلکہ اسلام کی تعلیم پر عمل کروں گا ورنہ تم لوگ بہت دلیر ہو جاؤ گے۔ پس جیسا کہ عقل بتاتی ہے اور جیسا کہ مسیحی لوگوں کا طریق عمل بتاتا ہے اس تعلیم پر ہمیشہ عمل نہیں ہوسکتا۔

غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ثابت کیا کہ حضرت مسیح کی تعلیم نامکمل ہے اور اس پر ہر وقت اور ہر زمانہ میں عمل نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے مقابلہ میں آپ نے بتایا کہ قرآن کی تعلیم کامل ہے اور ہر زمانہ اور ہر وقت کیلئے ہے۔

(5) پانچویں غلطی حضرت مسیح علیہ السلام کے واقعہ صلیب کے متعلق تھی۔ جس میں مسلمان اور یہود اور عیسائی سب مبتلا تھے۔ مسلمان کہتے تھے کہ یہود نے حضرت مسیح کی بجائے کسی اور کو صلیب پر لٹکا دیا تھا اور انہیں خدا نے آسمان پر اٹھا لیا تھا۔ یہود اور عیسائی کہتے تھے کہ حضرت مسیح کو صلیب پر لٹکا کر مار دیا گیا تھا۔ مسلمانوں کے خیال کو تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس طرح ردّ کیا کہ فرمایا:-

حضرت مسیح کی بجائے کسی اور کو صلیب پر لٹکانا صریح ظلم تھا اور اگر اس شخص کی مرضی سے لٹکایا گیا تھا تو اس کا ثبوت تاریخ میں ہونا چاہیے۔ پھر اگر مسیح کو خدا نے آسمان پر اٹھا لینا تھا تو کسی اور غریب کو صلیب پر چڑھانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ پس یہ غلط ہے کہ مسیح کی جگہ کسی اور کو صلیب پر لٹکایا گیا اور یہ بھی کہ انہیں آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ دوسری طرف آپ نے یہود اور مسیحیوں کی بھی تردید کی کہ مسیح صلیب پر مر گیا اور ثابت کیا کہ حضرت مسیح کو صلیب سے زندہ اتار لیا گیا تھا اور اس طرح خدا نے ان کو لعنتی موت

سے بچالیا۔

اب دیکھو انیس سو سال کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اس واقعہ کی اصل حقیقت کا پتہ لگانا کتنا بڑا کام ہے۔ خصوصاً جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح کے صلیب پر سے زندہ اترنے کے ثبوت آپ کے خود انجیل سے ہی دیئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ حضرت مسیح سے ایک دفعہ علماءِ زمانہ نے نشان طلب کیا۔ تو اس نے انہیں جواب میں کہا:-

''اس زمانہ کے برے اور زنا کار لوگ نشان طلب کرتے ہیں۔ مگر یوناہ نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا۔ کیونکہ جیسے یوناہ تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا''۔ (متی باب 12 آیت 40)

تورات سے ثابت ہے کہ حضرت یونسؑ تین دن تک مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہے تھے اور پھر زندہ ہی نکلے تھے۔ پس ضروری تھا کہ حضرت مسیح ناصری بھی صلیب کے واقعہ کے موقع پر زندہ ہی قبر میں داخل کئے جاتے اور زندہ ہی نکلتے۔ پس یہ خیال کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر مر گئے تھے انجیل کے صریح خلاف ہے اور خود مسیح کی تکذیب اس سے لازم آتی ہے۔

عیسائیت کے مقابلہ میں حضرت مسیح موعودؑ کا یہ اتنا بڑا حربہ ہے کہ آپ کے کام کی عظمت ثابت کرنے کیلئے اکیلا ہی کافی ہے۔ مگر آپ نے اس پر بھی بس نہیں کی بلکہ آپ نے تاریخ سے ثابت کر دیا کہ حضرت مسیح ناصری واقعہ صلیب کے بعد کشمیر آئے اور وہاں آ کر فوت ہو گئے۔ گویا ان کی ساری زندگی کو پردہ اخفاء سے نکال کر ظاہر کر دیا۔

(۶) چھٹی غلطی حضرت مسیح کی زندگی اور دوبارہ آنے کے متعلق تھی۔ اس غلطی کو بھی آپ نے ظاہر کیا اور بتایا کہ اس میں خدا تعالیٰ کی ہتک ہے کہ وہ اپنے کام کیلئے ایک پرانا آدمی سنبھال کر رکھ چھوڑے اور نیا آدمی نہ بنا سکے۔ کیا جو صبح کی باسی روٹی رکھ کر شام کو کھائے گا اسے امیر کہا جائے گا؟ یہ باسی روٹی رکھنے والے کی امارت نہیں بلکہ غربت کا ثبوت ہوگا۔ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح کو زندہ رکھا ہوا ہے تا کہ ان کے ذریعہ امتِ محمدیہ کی اصلاح کرے۔ ان کے کہنے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ سے حضرت عیسیٰ جیسا انسان اتفاقاً بن گیا تھا جسے اس نے

سنبھال کر رکھا ہوا ہے کہ جب دنیا میں فتنہ ہوگا تو اسے نازل کرے گا۔ مگر یہ غلط ہے جس طرح امیروں کا یہ کام ہوتا ہے کہ جو روٹی بچ رہے اسے غریبوں میں بانٹ دیتے ہیں اور دوسرے وقت نیا کھانا تیار کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی ہر زمانہ کے مطابق نئے بندے پیدا کرتا ہے۔ پر اگر اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو سنبھال کر رکھنا ہوتا تو محمد ﷺ جیسے انسان کو زندہ رکھتا مگر آپ فوت ہو گئے۔ کیا دنیا میں کوئی انسان ایسا ہے جو عمدہ دوا کو تو پھینک دے اور ادنیٰ دوا کو سنبھال کر رکھ چھوڑے اور پھر خدا تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو چھوڑ کر حضرت عیسیٰ کو کیوں زندہ رکھا۔

آپ نے یہ بھی بتایا کہ حضرت عیسیٰ کو زندہ رکھنے اور امت محمدیہ کی اصلاح کیلئے بھیجنے میں رسول کریم ﷺ کی ہتک ہے۔ رسول کریم ﷺ تو اس سے بڑے معلم تھے اور آپ کا کام اعلیٰ درجہ کے شاگرد پیدا کرنا تھا۔ مگر کہا یہ جاتا ہے کہ اس زمانہ میں جب کہ امت محمدیہ میں فتنہ پیدا ہوگا اس وقت محمد ﷺ تو کوئی ایسا شاگرد پیدا نہ کر سکیں گے جو اس فتنہ کو دور کر سکے۔ مگر حضرت عیسیٰ جو حضرت موسیٰ کی امت میں سے تھے، اس کام کیلئے لائے جائیں گے۔ نیز اس عقیدہ میں امت محمدیہ کی بھی ہتک ہے۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب سے نازک موقع پر خطرناک طور پر نا قابل ثابت ہوگی۔ حتیٰ کہ دجال تو اس میں پیدا ہوں گے مگر مسیح دوسری امت سے آئے گا۔

آپ نے یہ بھی بتایا کہ حضرت مسیح جن کی عزت کیلئے یہ عقیدہ بنایا گیا ہے اس میں ان کی بھی درحقیقت ہتک ہے کیونکہ وہ مستقل نبی تھے۔ اگر وہ دوبارہ آئیں گے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ اس نبوت سے علیحدہ کر دیئے جائیں گے اور انہیں امتی بننا پڑے گا۔

(انوار العلوم جلد 10 صفحہ 163 تا 172)

زندہ رسول

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک عظیم الشان کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے حضرت محمد ﷺ کو زندہ رسول کے طور پر پیش کیا۔ چنانچہ اس بارے میں آپ کی چند تحریرات پیش خدمت ہیں۔

تمام آدم زادوں کیلئے ایک ہی رسول اور ایک ہی شفیع

”نوع انسان کیلئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کیلئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفیٰ ﷺ۔ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ وجلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ اور یاد رکھو نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہوگی۔ بلکہ حقیقی نجات وہ ہے جو کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھاتی ہے۔ نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے کہ خدا سچ ہے اور محمد ﷺ اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے اور کسی کیلئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کیلئے زندہ ہے“۔
(کشتی نوح۔ روحانی خزائن۔ جلد 19 صفحہ 14-13)

ہمیشہ کیلئے جلال اور تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا نبی

”اے تمام وہ لوگو جو زمین پر رہتے ہو اور اے تمام وہ انسانی روحو! جو مشرق اور مغرب میں آباد ہو! میں پورے زور کے ساتھ آپ کو اس طرف دعوت کرتا ہوں کہ اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے اور سچا خدا بھی وہی خدا ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے اور ہمیشہ کی روحانی زندگی والا نبی اور جلال اور تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہے“۔ (تریاق القلوب۔ روحانی خزائن۔ جلد 15 صفحہ 141)

بنی نوع انسان کا بے نظیر ہمدرد

”اگر کسی نبی کی فضیلت اس کے کاموں سے ثابت ہو سکتی ہے جن سے بنی نوع انسان کی سچی ہمدردی سب نبیوں سے بڑھ کر ظاہر ہو تو اے سب لوگو! اٹھو اور گواہی دو کہ اس صفت میں محمد ﷺ کی دنیا میں کوئی نظیر نہیں .... اندھے مخلوق پرستوں نے اس بزرگ رسول کو شناخت نہیں کیا جس نے ہزاروں نمونے سچی ہمدردی کے دکھلائے۔ لیکن اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ وقت پہنچ گیا ہے کہ یہ پاک رسولؐ شناخت کیا جائے چاہو تو میری بات لکھ رکھو......اے سننے والو! سنو! اور سوچنے والو! سوچو! اور یاد رکھو کہ حق ظاہر ہوگا اور وہ جو سچا نور ہے چمکے گا“۔ (مجموعہ اشتہارات جلد 2 صفحہ 307-306)

نبی کریم کی فضیلت کل انبیاء پر میرے ایمان کا جزو اعظم

''میرا مذہب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کو الگ کیا جاتا اور کل نبی جو اس وقت تک گزر چکے تھے سب کے سب اکٹھے ہو کر وہ کام اور وہ اصلاح کرنا چاہتے جو رسول اللہ ﷺ نے کی، ہرگز نہ کر سکتے۔ ان میں وہ دل وہ قوت نہ تھی جو ہمارے نبی کو ملی۔ اگر کوئی کہے کہ یہ نبیوں کی معاذ اللہ سوء ادبی ہے تو وہ نادان مجھ پر افتراء کرے گا۔ میں نبیوں کی عزت و حرمت کرنا اپنے ایمان کا جزو اعظم سمجھتا ہوں۔ لیکن نبی کریم کی فضیلت کل انبیاء پر میرے ایمان کا جزو اعظم ہے اور میرے رگ و ریشہ میں ملی ہوئی بات ہے۔ یہ میرے اختیار میں نہیں کہ اس کو نکال دوں بدنصیب اور آنکھ نہ رکھنے والا مخالف جو چاہے سو کہے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ نے وہ کام کیا ہے جو نہ الگ الگ اور نہ مل مل کر کسی سے ہو سکتا تھا اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاءُ''۔ (ملفوظات جلد 1 صفحہ 420 (نیا ایڈیشن)

اعلیٰ درجہ کا جوانمرد نبی

''ہم جب انصاف کی نظر سے دیکھتے ہیں تو تمام سلسلہ نبوت میں سے اعلیٰ درجہ کا جوانمرد نبی اور زندہ نبی اور خدا تعالیٰ کا اعلیٰ درجہ کا پیارا نبی صرف ایک مرد کو جانتے ہیں۔ یعنی وہی نبیوں کا سردار۔ رسولوں کا فخر۔ تمام مرسلوں کا تاج۔ جس کا نام محمد مصطفیٰ و احمد مجتبیٰ ﷺ ہے۔ جس کے زیر سایہ دس دن چلنے سے وہ روشنی ملتی ہے جو پہلے اس سے ہزار برس تک نہیں مل سکتی تھی''۔ (سراج منیر صفحہ 72)

اعلیٰ درجہ کا نور

''وہ اعلیٰ درجہ کا نور جو انسان کو دیا گیا۔ یعنی انسان کامل کو۔ وہ ملائک میں نہیں تھا، نجوم میں نہیں تھا، قمر میں نہیں تھا، آفتاب میں نہیں تھا، وہ زمین کے سمندروں اور دریاؤں میں بھی نہیں تھا، وہ لعل اور یاقوت اور زمرد اور الماس اور موتی میں بھی نہیں تھا۔ غرض وہ کسی چیز ارضی اور سماوی میں نہیں تھا۔ صرف انسان میں تھا یعنی کامل انسان میں۔ جس کا اتم اور اکمل اور اعلیٰ اور ارفع فرد ہمارے سیّد و مولیٰ سید الانبیاء و سید الاحیاء محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں''۔ (آئینہ کمالات اسلام۔ صفحہ 160)

جس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہوسکتا

''میں ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمدؐ (ہزاروں ہزار درود اور سلام اس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہوسکتا اور اُس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا۔ اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اُس کی جان گداز ہوئی۔ اس لئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا اس کو تمام انبیاء اور تمام اولین و آخرین پر فضیلت بخشی اور اس کی مرادیں اس کی زندگی میں اُس کو دیں''۔ (حقیقۃ الوحی۔ صفحہ 115)

خدا نما

''ہم نے ایسے نبی کا دامن پکڑا ہے جو خدا نما ہے۔ کسی نے یہ شعر بہت ہی اچھا کہا ہے۔

محمدؐ عربی بادشاہ ہر دو سرا
کرے ہے رُوح قدس جس کے در کی دربانی
اسے خدا تو نہیں کہہ سکوں پہ کہتا ہوں
کہ اُس کی مرتبہ دانی میں خدادانی

ہم کس زبان سے خدا کا شکر کریں جس نے ایسے نبی کی پیروی ہمیں نصیب کی۔ جو سعیدوں کی ارواح کیلئے آفتاب ہے۔ جیسے اجسام کیلئے سورج وہ اندھیرے کے وقت میں ظاہر ہوا اور دنیا کو اپنی روشنی سے روشن کر دیا۔ وہ نہ تھکا نہ ماندہ ہوا۔ جب تک کہ عرب کے تمام حصہ کو شرک سے پاک نہ کر دیا۔ وہ اپنی سچائی کی آپ دلیل ہے کیونکہ اس کا نور ہر ایک زمانہ میں موجود ہے اور اس کی سچی پیروی انسان کو یوں پاک کرتی ہے جیسا ایک صاف اور شفاف دریا کا پانی میلے کپڑے کو''۔

(چشمۂ معرفت حصہ دوم۔ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 303-302)

سب سے افضل و اعلیٰ و اکمل و ارفع و اجلیٰ و اَصفیٰ نبی

''چونکہ آنحضرت ﷺ اپنی پاک باطنی و انشراح صدری و عصمت و حیا و صدق و صفا و توکل و

وفا اور عشق الٰہی کے تمام لوازم میں سب انبیاء سے بڑھ کر اور سب سے افضل و اعلیٰ و ارفع و اجلی و اصفیٰ تھے اس لئے خدائے جل شانہٗ نے ان کو عطر کمالاتِ خاصہ سے سب سے زیادہ معطر کیا اور وہ سینہ و دل جو تمام اولین و آخرین کے سینہ و دل سے فراخ تر و پاک تر و معصوم تر و روشن تر و عاشق تر تھا وہ اسی لائق ٹھہرا کہ اس پر ایسی وحی نازل ہو کہ جو تمام اولین و آخرین کی وحیوں سے اقویٰ و اکمل و ارفع و اتم ہو کر صفاتِ الٰہیہ کے دکھلانے کیلئے ایک نہایت صاف اور کشادہ اور وسیع آئینہ ہو''۔

(سرمہ چشم آریہ حاشیہ۔ روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 71)

مجدد اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

''ہمارے نبی ﷺ اظہارِ سچائی کیلئے ایک مجدد اعظم تھے جو گم گشتہ سچائی کو دوبارہ دنیا میں لائے۔ اس فخر میں ہمارے نبی ﷺ کے ساتھ کوئی بھی نبی شریک نہیں کہ آپ نے تمام دنیا کو ایک تاریکی میں پایا اور پھر آپ کے ظہور سے وہ تاریکی نور سے بدل گئی۔ جس قوم میں آپ ظاہر ہوئے آپ فوت نہ ہوئے جب تک کہ اس تمام قوم نے شرک کا چولہ اُتار کر توحید کا جامہ نہ پہن لیا اور نہ صرف اس قدر بلکہ وہ لوگ اعلیٰ مراتب ایمان کو پہنچ گئے اور وہ کام صدق اور وفا اور یقین کے ان سے ظاہر ہوئے کہ جس کی نظیر دنیا کے کسی حصہ میں پائی نہیں جاتی۔ یہ کامیابی اور اس قدر کامیابی کسی نبی کو بجز آنحضرت ﷺ کے نصیب نہیں ہوئی''۔ (لیکچر سیالکوٹ۔ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 206)

ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دُعائیں

''وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گزرا کہ لاکھوں مُردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہوئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہو گئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے اور دنیا میں ایک دفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا۔ کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں ہی تھیں جنہوں نے دنیا میں شور مچا دیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس امی بیکس

سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔**اللھم صل و سلم و بارک علیه واله بعد و همه و غمه و حزنه لهذاالامة و انزل علیه انوار رحمتک الی الابد**‘‘۔

(برکات الدعا۔روحانی خزائن جلد6 صفحہ 11-10)

انسان کامل اور کامل نبی

’’وہ انسان جس نے اپنی ذات سے اپنی صفات سے،اپنے افعال سے،اپنے اعمال سے اور اپنے روحانی اور پاک قویٰ کے پرزور دریا سے کمالِ تام نمونہ علماً وعملاً وصدقاً وثباتاً دکھلایا اورانسان کامل کہلایا..........وہ انسان جو سب سے زیادہ کامل اورانسان کامل تھااور کامل نبی تھااور کامل برکتوں کے ساتھ آیا۔جس سے روحانی بعث اور حشر کی وجہ سے دنیا کی پہلی قیامت ظاہر ہوئی اور ایک عالم کا عالم مرا ہوا اس کے آنے سے زندہ ہوگیا۔وہ مبارک نبی حضرت خاتم الانبیاء امام الاصفیاء ختم المرسلین فخر النبین جناب محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔اے پیارے خدا! اس پیارے نبیؐ پر وہ رحمت اور درود بھیج جو ابتداء زمانہ سے تو نے کسی پر نہ بھیجا ہو‘‘۔(اتمام الحجۃ۔روحانی خزائن جلد3 صفحہ 308)

جس کے ساتھ ہم......اس عالم گزران سے کوچ کریں گے

’’ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ **لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ** ہمارا اعتقاد جو ہم اس دنیوی زندگی میں رکھتے ہیں جس کے ساتھ ہم بفضل وتوفیق باری تعالیٰ اس عالم گزران سے کوچ کریں گے یہ ہے کہ حضرت سیدنا ومولانا محمد مصطفیٰ ﷺ خاتم النبین وخیر المرسلین ہیں جن کے ہاتھ سے اکمال دین ہو چکا ہے اور وہ نعمت بمرتبہ اتمام پہنچ چکی جس کے ذریعہ سے انسان راہ راست کو اختیار کر کے خدا تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے‘‘۔(ازالہ اوہام۔روحانی خزائن جلد3 صفحہ 170-169)

حقیقی دین

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دنیا کو حقیقی دین عطا کیا۔وہ دین جو ہمارے آقا ومولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا مقدس دین ہے۔وہ سچا اور حقیقی پیغام ہدایت جو قرآن مجید پر مبنی ہے جس کی بہترین

تفسیر سنت رسولؐ اور جس کی بہترین تفصیل احادیث رسولؐ میں نظر آتی ہے۔حق یہ ہے کہ انسانیت کے دکھوں کا مداوا اور کل عالم کی خرابیوں کا اگر کوئی تریاق دنیا میں ہے تو وہ یہی اسلام ہے جس کی تعلیمات نے عرب کے وحشی، مشرک اور بے دین معاشرہ میں یکدفعہ ایسا انقلاب پیدا کر دیا کہ نہ پہلے کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا۔ ہاں وہی انقلاب جو ہمارے ہادی و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اندھیری راتوں کی دعاؤں کا نتیجہ تھا۔ جس نے ضلالت و گمراہی کے سب گند دھوڈالے اور گناہوں کی تاریکیوں کو کاٹ کر نیکی، ہدایت اور روحانیت کا آفتاب عالمتاب دنیا پر چڑھا دیا۔ یہی سچا دین ہے اور یہی اسلام ہے۔ جو آج بھی دنیا کی سب خرابیوں کا علاج ہے۔ یہی حقیقی اسلام ہے جو اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دنیا کو دیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دنیا کو کوئی نیا دین نہیں دیا بلکہ احمدیت تو نام ہے ہر نئے اور خود ساختہ اسلام کو ختم کرنے کا اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے لائے ہوئے حقیقی اسلام کو دوبارہ قائم کرنے کا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس حقیقی دین کی زندہ مثالیں دنیا کو عطا کیں اور دین کے اس زندہ اور زندگی بخش پیغام کے عملی نمونے دنیا کو دکھائے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا اعتراف غیروں نے بھی برملا کیا۔

عالم اسلام کے مشہور مفکر اور شاعر علامہ اقبال کہتے ہیں:-

"In the Punjab the essentially Muslim type of character has found a powerful expression in the so-called Qadiani-sect:

(The Muslim community - A sociological study by Iqbal)

''پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے جسے فرقہ قادیانی کہتے ہیں''۔

(اردو ترجمہ از مولانا ظفر علی خان بحوالہ ملت بیضاء پر ایک عمرانی نظر۔ طبع اوّل 1970ء باہتمام م۔ ع اسلام آئینہ ادب چوک مینار۔ انار کلی لاہور۔ نیز ہفت روزہ رفتار زمانہ لاہور بابت 20 ستمبر 1949ء صفحہ 18)

مشہور صائب الرائے اسلامی مصنف اور صحافی علامہ فتح نیاز پوری نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق لکھا:-

''اس میں کلام نہیں کہ انہوں نے یقیناً اخلاق اسلامی کو دوبارہ زندہ کیا اور ایک ایسی جماعت پیدا کر کے دکھا دی جس کی زندگی کو ہم یقیناً اسوۂ نبی کا پر تو کہہ سکتے ہیں''۔

(ملاحظات نیاز فتح پوری، مرتبہ محمد اجمل شاہد ناشر جماعت احمدیہ کراچی۔ صفحہ 29 بحوالہ رسالہ نگار لکھنؤ نومبر 1959ء)

پاکیزہ اسلامی معاشرہ

آج عالم اسلام انتشار کا شکار ہو چکا ہے۔ محبت واخوت نام کی چیز من حیث المجموع مسلمانوں کے دلوں سے عنقا ہو چکی ہے۔ مسلم ممالک کی بستیاں اور گلی کوچے اسلامی اخلاق سے عاری نظر آتے ہیں۔ اسلامی ملکوں کے اخبارات دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ ساری دنیا کے جرائم نے ان ممالک میں ڈیرہ ڈال رکھا ہے۔ اسلامی تعلیمات اور اخلاقی اقدار کا اس حد تک دیوالیہ نکل چکا ہے کہ اس بدکردار معاشرہ کو اسلام سے منسوب کرنا دین اسلام کی سخت توہین ہے۔ اس حالت کو دیکھ کر یہ شعر زبان پر آتا ہے کہ

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

جب اس معاشرہ کے لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے دنیا کو کیا دیا؟ تو ان کیلئے ہمارا ایک جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہلاکت کے گڑھے پر کھڑی دنیا کو حق اور سلامتی کا راستہ دکھایا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دنیا کو ایک سچا اور پاکیزہ اسلامی معاشرہ عطا کیا ہے جو صحیح اسلامی تعلیمات اور اقدار پر مبنی ہے۔ اگر کسی کو چشم بصیرت عطا ہو تو اسے یہ معاشرہ ہر ملک میں اور ہر بستی میں احمدیہ جماعت کے اندر نظر آ سکتا ہے جہاں اللہ اور رسول کی محبت کے تذکرے جاری ہیں۔ جہاں نیکیوں سے محبت اور بدیوں سے نفرت کی جاتی ہے۔ جہاں مسابقت بالخیرات کے روح پرور نظارے دکھائی دیتے ہیں۔ جہاں قرون اولیٰ کے صحابہ کے رنگ میں رنگین ہو کر جان و مال کے نذرانے پیش کئے جاتے ہیں۔ کس کس بات کا ذکر کریں۔ یہ وہ زندہ اور زندگی بخش معاشرہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برکت سے دنیا میں قائم ہو چکا ہے اور جس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس دور آخرین میں دنیا کو جو پاکیزہ اسلامی معاشرہ عطا کیا

ہے یہ دراصل ابتداء ہے اس عالمگیر روحانی انقلاب کی جس کی برکت سے دنیا اس صدی میں انشاءاللہ ایک روح پرور نظارہ دیکھے گی۔نئی زمین ہوگی اور نیا آسمان اور ساری دنیا اسلام کے آفتاب عالمتاب کے نور سے منور ہو جائے گی۔آج احمدیت کا عالم اسلام بلکہ کل دنیا کیلئے پیغام یہ ہے:

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے

لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

پاکیزہ تبدیلیاں

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وجود پارس پتھر کی طرح ایک فیض رساں بابرکت وجود تھا۔ جو بھی اس سے سچا تعلق پیدا کرتا اس کی دنیا بدل جاتی۔خاک کے ذرّے ثریا سے ہمکنار ہو جاتے۔ان کی پرانی زندگیوں پر ایک موت وارد ہو جاتی۔ایک نئی روحانی زندگی ان کو نصیب ہوتی۔گناہوں کی آلائش سے پاک صاف ہو کر نیکیوں کے مجسمے بن جاتے اور جو نیکیوں کے ابتدائی مراحل میں ہوتے وہ کچھ اس طرح راہ سلوک پر دوڑنے لگتے کہ دیکھتے ہی دیکھتے اعلیٰ روحانی مدارج پر جا پہنچتے۔روحانی اور پاکیزہ انقلاب کی یہ عظیم دولت ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دنیا کو عطا کی اور اس کا سلسلہ آج بھی جاری و ساری ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:-

’’میں دیکھتا ہوں کہ میرے ہاتھ پر ہزارہا لوگ بیعت کرنے والے ایسے ہیں کہ پہلے ان کی عملی حالتیں خراب تھیں اور پھر بیعت کرنے کے بعد ان کے عملی حالات درست ہو گئے اور طرح طرح کے معاصی سے انہوں نے توبہ کی اور نماز کی پابندی اختیار کی اور میں صدہا ایسے لوگ اپنی جماعت میں پاتا ہوں کہ جن کے دلوں میں یہ سوزش اور تپش پیدا ہوگئی ہے کہ کس طرح وہ جذبات نفسانیہ سے پاک ہوں‘‘۔

(روحانی خزائن مطبوعہ لندن 1984ء جلد 22، حقیقۃ الوحی صفحہ 86 حاشیہ)

ہندوستان کے ایک مشہور عالم دین مولوی حسن علی صاحبؓ 1894ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دامن سے وابستہ ہوئے۔دینی خدمات کی وجہ سے ہندوستان میں ان کا بڑا شہرہ تھا۔کسی

نے ان سے پوچھا کہ آپ کو بیعت کر کے کیا ملا۔ جواب دیا:-

''مردہ تھا، زندہ ہو چلا ہوں۔ گناہوں کا علانیہ ذکر کرنا اچھا نہیں ......قرآن کریم کی جو عظمت اب میرے دل میں ہے، حضرت پیغمبر خدا ﷺ کی عظمت جو میرے دل میں اب ہے، پہلے نہ تھی۔ یہ سب حضرت مرزا صاحب کی بدولت ہے............''۔

(تائید حق مؤلفہ مولوی حسن علی صاحب۔ بارسوم 23 دسمبر 1932ء۔ اللہ بخش سٹیم پریس قادیان صفحہ 79)

حضرت مولانا غلام رسول راجیکیؓ بیان کرتے ہیں کہ نواب خان صاحب تحصیلدار نے ایک بار حضرت مولانا نورالدینؓ سے پوچھا کہ مولانا! آپ تو پہلے ہی باکمال بزرگ تھے۔ آپ کو حضرت مرزا صاحب کی بیعت سے زیادہ کیا فائدہ حاصل ہوا۔ اس پر حضرت مولانا صاحبؓ نے فرمایا:-

''نواب خان! مجھے حضرت مرزا صاحب کی بیعت سے فوائد تو بہت حاصل ہوئے ہیں لیکن ایک فائدہ ان میں سے یہ ہوا ہے کہ پہلے مجھے حضرت نبی کریم ﷺ کی زیارت بذریعہ خواب ہوا کرتی تھی، اب بیداری میں بھی ہوتی ہے''۔

(حیات نور مصنفہ شیخ عبدالقادر صاحب سابق سوداگرمل صفحہ 194)

تاریخ احمدیت ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ احمدیت میں نئے شامل ہونے والوں کی زندگیوں میں ایک عظیم روحانی انقلاب پیدا کر دیا۔ ان کو گناہوں کی آلائش سے پاک کر کے اسلامی تعلیمات پر سچا عامل بنا دیا۔ ان میں ایسے بھی تھے جو احمدی ہونے سے قبل علاقہ کے خطرناک ڈاکو تھے۔ احمدیت نے ان کو ایسا بدلا کہ خدا نما وجود بن گئے۔ ایسے بھی تھے کہ رشوت لینا ان کا روزانہ کا معمول تھا۔ احمدی ہوئے تو نوٹوں کی بوری کمر پر اٹھا کر گاؤں گاؤں پھر کر یہ اعلان کرتے کہ جس کسی نے مجھے رشوت دی تھی وہ اپنی رقم مجھ سے وصول کر لے۔ ایسے عیسائی بھی تھے کہ جو ہر شام سونے سے قبل رسول خدا ﷺ کو گالیاں دے کر سوتے تھے۔ احمدی ہوئے تو عرق گلاب سے منہ صاف کر کے درود وسلام پڑھنے کے بعد بستر پر دراز ہوتے!

انگلستان کے بشیر آرچرڈ صاحب عیسائیت سے توبہ کر کے 1944ء میں احمدی مسلمان ہوئے۔ جوئے اور شراب نوشی سے توبہ کی۔ اسلامی تعلیم کے ایسے پابند ہوئے کہ دعا گو بزرگ بن گئے۔ نظام وصیت میں شامل ہوئے، 1/3 حصہ کی وصیت کی۔ زندگی وقف کی اور پہلے انگریز مبلغ کے

طور پر لمبا عرصہ بھرپور خدمت کی توفیق پائی۔

سیرالیون کے علی Rogers نے عالم جوانی میں احمدیت قبول کی جبکہ ان کی بارہ بیویاں تھیں۔ اسلامی تعلیم کی اجازت کے مطابق صرف چار بیویاں اپنے پاس رکھیں اور باقیوں کو رخصت کردیا۔

(بحوالہ ماہنامہ انصاراللہ ربوہ۔ مارچ 1984ء صفحہ 30-31)

امریکہ کے ایک مشہور موسیقار نے احمدیت قبول کی تو موسیقی کی رغبت بالکل ٹھنڈی پڑ گئی۔ اپنی ساری مصروفیات اوران سے ملنے والی کثیر آمدن کو نظرانداز کرکے درویشانہ زندگی اختیار کرلی۔ تہجد کے ایسے پابند ہوگئے، ایسے عاشق رسول بن گئے کہ آنحضرت ﷺ کا نام لیتے ہی آنکھوں سے آنسو رواں ہوجاتے!

(بحوالہ ماہنامہ خالد ربوہ۔ جنوری 1988ء صفحہ 40۔ خطبہ جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرمودہ 16/اکتوبر 1987ء)

نیک اور پاکیزہ تبدیلیوں کے یہ واقعات کوئی افسانے نہیں ہیں۔ یہ حقیقتیں ہیں اور ایسی معجزانہ اور ایمان افروز حقیقتیں ہیں جن سے احمدیت کا دامن بھرا ہوا ہے۔ یہ کرشمے جگہ جگہ نظر آتے ہیں اور دنیا کا ہر خطہ ان پر شاہد ناطق ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود فرماتے ہیں:۔

''میری جماعت نے جس قدر نیکی اور صلاحیت میں ترقی کی ہے یہ بھی ایک معجزہ ہے''۔ (سیرت المہدی مطبوعہ قادیان 1935ء جلد اوّل صفحہ 165)

ہندوستان کے ایک اخبار نے اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا:۔

''قادیان کے مقدس شہر میں ایک ہندوستانی پیغمبر پیدا ہوا جس نے اپنے گردوپیش کو نیکی اور بلند اخلاق سے بھردیا۔ یہ اچھی صفات اس کے لاکھوں ماننے والوں کی زندگی میں بھی منعکس ہیں''۔

(سٹیٹسمین دہلی 12 فروری 1949ء بحوالہ تحریک احمدیت از برکات احمد صاحب راجیکی مطبوعہ قادیان 1958ء صفحہ 13)

کہ لاکھوں کا زمانہ تو کب کا گزر چکا۔ اب تو کروڑوں کا زمانہ آگیا ہے اور اربوں کا زمانہ بھی کچھ دور نہیں۔ یہ عالمگیر روحانی انقلاب زندگی اور امید کا وہ پیغام ہے جو احمدیت نے دنیا کو دیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا ہی برحق فرمایا تھا:۔

''اس درخت کو اس کے پھلوں اور اس نیّر کو اس کی روشنی سے شناخت کروگے''۔

(روحانی خزائن مطبوعہ لندن 1984ء جلد سوم، فتح اسلام صفحہ 44)

اختلافی مسائل میں صحیح فیصلہ

حدیث نبوی میں مذکور الفاظ حکمًا عدلاً کے مطابق سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسلمانوں کے مابین اختلافی مسائل میں اللہ تعالیٰ سے علم پا کر صحیح فیصلہ فرمایا۔آپ نے مسلمانوں کو صحیح اسلامی عقائد کا عرفان عطا کیا۔غلطیوں سے آگاہ کیا اور مختلف امور کے بارہ میں ان کی غلطیوں کی اصلاح کی نیز عقلی دلائل سے ثابت کیا کہ دراصل یہی سچے اسلامی عقائد ہیں۔عقائد کی اصلاح کے میدان میں جماعت نے دنیا کو جو فیضان عطا کیا اس کی تفصیل بہت لمبی ہے۔چند امور کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

وفات حضرت عیسیٰ علیہ السلام

مسلمانوں میں ایک بہت ہی خوفناک اور بے بنیاد یہ عقیدہ راہ پا گیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت نہیں ہوئے بلکہ آج بھی آسمان پر زندہ موجود ہیں اور وہی آخری زمانہ میں آسمان سے نازل ہو کر امت محمدیہ کو ہولناک خطرات سے بچائیں گے اور ان کے نجات دہندہ ہوں گے۔ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ آنحضرت ﷺ کی ارفع شان سے متصادم اور سخت گستاخی کا موجب ہے۔کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ رسول پاک ﷺ تو مشکلات کی چکی میں پستے رہے،شعب ابی طالب کا واقعہ ہو یا ہجرت مدینہ کا، طائف کا سفر ہو یا غزوہ احد اور حنین کا موقع۔ان سب مواقع پر اللہ تعالیٰ نے نعوذ باللہ آپ کی تو مدد اور دستگیری نہ کی اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر مشکل گھڑی آئی تو خدا تعالیٰ کی محبت اور قدرت جوش میں آ گئی اور حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔وہ اب تک زندہ ہیں اور جب آخری زمانہ میں امت مسلمہ ہر طرف سے حملوں کی زد میں ہو گی، جب دجالی طاقتیں ہر طرف سے اس پر چڑھ دوڑیں گی تو اس وقت یہی اسرائیلی نبی ان کیلئے نجات دہندہ کے طور پر آئے گا۔یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جس کو لے کر عیسائی آنحضرت ﷺ کے مقابل پر حضرت مسیح ناصریؑ کی فضیلت ثابت کرتے ہیں اور مسلمان اس خود ساختہ غلط عقیدہ کی بنا پر کچھ جواب دینے کے قابل نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس غلط عقیدہ سے عالم اسلام کو نجات بخشی۔حضرت مسیح موعود

علیہ السلام نے دنیا پر واضح کیا کہ حیات مسیح کے عقیدہ کا قرآن مجید اور مستند احادیث میں کہیں کوئی ذکر نہیں بلکہ قرآن مجید کی 30 آیات اور بے شمار احادیث سے ان کی طبعی موت ثابت ہوتی ہے۔ عقلی طور پر بھی حیاتِ مسیح کا عقیدہ صفات باری سے متصادم، شرک پیدا کرنے والا اور رسول اکرم ﷺ کی شان اقدس کو گرانے والا عقیدہ ہے۔ تاریخی شواہد اور زمانہ حال کے انکشافات سے بھی وفات عیسیٰؑ کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دنیا کو یہ نوید سنائی کہ آج امت مسلمہ اپنی اصلاح اور راہنمائی کیلئے کسی غیر قوم کے نبی کی محتاج نہیں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ آج ہر امت اور ساری انسانیت اپنی اصلاح کیلئے امت محمدیہ کی محتاج ہے۔ پس خوشی سے اچھلو اور سجدات شکر بجالاؤ کہ آج غلامان محمدؐ میں سے ایک جلیل القدر روحانی فرزند کو اللہ تعالیٰ نے غلام احمدؐ کے طور پر بھیجا ہے جو اپنے آقا و مولیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے نقوش پا کی برکت سے امام الزمان بنایا گیا۔ دیکھو اور سنو اور دنیا کو بتا دو کہ

برتر گمان و ہم سے احمدؐ کی شان ہے
جس کا غلام دیکھو مسیح الزمان ہے

روحانی خزائن

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک عظیم الشان کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے روحانی خزائن لٹائے۔ کیونکہ بموجب آیت کریمہ **ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون** (الصّف:10) کے مطابق یہ مقدر تھا کہ آنے والا موعود اسلام کو دیگر ادیان پر غلبہ عطا کرنے کا ذریعہ بنے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ یہ پیشگوئی بڑی عظمت اور شان کے ساتھ پوری ہوئی۔ اس کا ایک شاندار نمونہ جلسہ اعظم مذاہب تھا جو لاہور میں 1896ء میں منعقد ہوا۔ اس میں حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے مقررہ پانچ سوالوں کے جواب میں اسلامی اصول کی فلاسفی اس خوبصورتی سے بیان فرمائی کہ سب نے اس بات کا برملا اقرار کیا کہ یہ مضمون سب پہ بالا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنی جناب سے علوم و معارف عطا فرمائے اور ان کے بیان کرنے کا انتہائی دلکش اور مؤثر انداز بھی سکھایا۔ آپ کے الفاظ میں ایسی غیر معمولی تاثیر ہے کہ دلوں کو تسخیر کرتی چلی جاتی ہے۔ اس بات کا اعتراف مخالفین نے بھی کیا اور آپ کی وفات پر

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد نے تو آپ کو ایک فتح نصیب جرنیل قرار دیا۔

آپ کو عطا ہونے والا یہ علم دراصل وہ آسمانی حربہ ہے جو باطل کے سب قلعوں کو مسمار کرتا چلا جاتا ہے۔اس کی لاثانی تاثیرات کا یہ عالم ہے کہ آپ کے وصال کے بعد بھی یہ لازوال علم کلام غلبۂ اسلام کا ایک کامیاب ذریعہ ثابت ہورہا ہے۔معارف کے اس سمندر سے احمدی مبلغین تو فائدہ اٹھاتے ہی ہیں غیر احمدی علماء بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کو اپنے بیانات اور تحریرات میں بکثرت استعمال کرتے ہیں مگر حوالہ دینے کی جرأت نہیں رکھتے۔یہ ہے وہ زبردست علم کلام جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دنیا کو دیا۔جو ہر میدانِ مقابلہ میں فتح کی ضمانت ہے۔بالخصوص عیسائیت کے مقابل پر حضرت مسیح موعودؑ کے دلائل تو گویا ایسے پتھر ہیں جن کا جواب وہ ہرگز نہیں دے سکتے۔رسول پاک ﷺ نے آنے والے موعود کا ایک کام کسر صلیب بیان فرمایا تھا۔اس کا شاندار ظہور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی اور بعد میں ہر زمانہ میں بڑی شان سے نظر آتا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے باطن شکن دلائل سے پادری لیفرائے کو ایسا لاجواب کیا کہ مولوی نور محمد صاحب نے تسلیم کیا کہ آپ نے تو ''ہندوستان سے لے کر ولایت تک کے پادریوں کو شکست دے دی''۔(دیباچہ معجز نما کلام قرآن شریف مترجم مطبوعہ 1934ء صفحہ 30)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دنیا کو جو روحانی خزائن عطا فرمائے وہ 90 سے زائد کتب کی صورت میں شائع شدہ ہیں۔آپ کے بعد آپ کے خلفائے کرام نے اس سلسلہ کو جاری رکھا اور پر معارف کتب کی صورت میں نئے سے نئے علوم دنیا کو عطا کرتے رہے۔علمائے سلسلہ نے بھی اس شیریں چشمہ سے اکتسابِ فیض کرتے ہوئے عظیم الشان تصانیف کا تحفہ دنیا کو دیا۔57 زبانوں میں تراجمِ قرآن کی اشاعت، تفاسیر القرآن، احادیث کی تشریحات، مختلف اسلامی موضوعات پر تصانیف اور مسائل حاضرہ کے موضوعات پر کتابوں کی اشاعت، دنیا بھر کی زبانوں میں ان کتب کے تراجم، مرکز سلسلہ کے علاوہ مختلف ممالک سے شائع ہونے والے اخبارات ورسائل۔یہ سب احمدیت کے علمی و روحانی فیضان کے دھارے ہیں جو ہر سمت تیزی سے بہتے چلے جارہے ہیں۔علوم و معارف کی یہ عظیم دولت ہے جو احمدیت نے دنیا کو عطا کی اور یہ کتاب جو آپ پڑھ رہے ہیں اسی کام کی ایک کڑی ہے۔اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا خوب فرمایا ہے:-

''جو مجھے دیا گیا ہے وہ محبت کے ملک کی بادشاہت اور معارف الٰہی کے خزائن ہیں جن کو بفضلہٖ تعالیٰ اس قدر دوں گا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں گے''۔

(روحانی خزائن مطبوعہ لندن 1984ء جلد سوم صفحہ 566 ازالہ اوہام)

یہ ارشاد پڑھتے ہوئے ذہن فوراً اس حدیث نبوی کی طرف چلا جاتا ہے جس میں یہ پیشگوئی مذکور ہے کہ **یفیض المال حتی لایقبلہ احد** (بخاری کتاب بدء الخلق . باب نزول عیسیٰ بن مریم علیھما السلام) کہ آنے والا مسیح اس قدر مال تقسیم کرے گا کہ کوئی لینے والا نہیں ملے گا۔ آج یہ پیشگوئی کس شان سے پوری ہو چکی ہے۔ مسیح محمدی نے علوم و عرفان کے خزانے پانی کی طرف بہا دیئے اور دنیا کو سیراب و شاداب کر دیا۔ آپ نے کیا خوب فرمایا:

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے
اب میں دیتا ہوں اگر کوئی ملے امیدوار

خدمت خلق

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عظیم الشان کارناموں میں سے ایک عظیم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے بنی نوع انسان کی خدمت کرنے والی جماعت تیار کی اور تاریخ احمدیت اس بات پر گواہ ہے کہ جب بھی خدمت کا کوئی میدان نظر آیا جماعت احمدیہ کے سرفروش ہمیشہ بے لوث خدمت کے جذبہ سے، بلا امتیاز مذہب و ملت، اس میدان میں کود پڑے۔ جماعت کی تعداد کم اور وسائل محدود، مالی لحاظ سے جماعت کسی حکومت سے نہ کبھی کوئی مدد لیتی ہے نہ اس کی طالب۔ اس کی ساری پونجی تو وہ چندے ہیں جو اس جماعت کے جانثار بڑی محنت سے کمائی ہوئی آمد میں سے اپنا پیٹ کاٹ کر، اپنی ضروریات کو پس پشت ڈالتے ہوئے جماعت کی جھولی میں ڈالتے ہیں۔ اس کم مائیگی کے باوجود خدمتِ خلق کے میدان میں ہر جگہ یہی جماعت دن رات سرگرم عمل نظر آتی ہے۔ افریقہ کے کسی ملک میں فاقے اور قحط سالی کا امتحان ہو، گجرات میں زلزلہ کے متاثرین کو ضرورت ہو، پاکستان میں سیلاب زدگان کی امداد کا سوال ہو یا جاپان جیسے ترقی یافتہ ملک میں زلزلہ سے بے گھر ہونے والوں کو کھانا مہیا کرنے کا موقع ہو، جماعت احمدیہ کی عالمگیر رفاہی تنظیم Humanity First کسی جگہ پیاسے لوگوں کو پینے کا صاف پانی مہیا کرتی

ہے تو کسی جگہ آنکھوں سے معذور لوگوں کو نورِ بصارت کا تحفہ دیتی ہے۔ جن کے اعضاء کاٹ دیے گئے ان کو مصنوعی اعضاء مہیا کرتی ہے۔ بے خانماں لوگوں کے گھر بناتی ہے اور گھر گھر جا کر بھوکے افراد کو کھانا اور بچوں کو دودھ مہیا کرتی ہے۔ یہ ساری خدمت کسی شہرت کیلئے نہیں کرتی، نہ ہی کسی دنیوی جزا کیلئے۔ محض رضاء باری کی خاطر کہ یہی اسلام کی تعلیم اور یہی احمدیت کا شعار ہے۔

جماعت احمدیہ ایک دینی اور روحانی جماعت ہے۔ اس کا مقصد ساری دنیا والوں کو خدا تعالیٰ کی طرف بلانا، اسلام کی دعوت کو اکناف عالم تک پہنچانا اور بنی نوع انسان میں ایک پاکیزہ انقلاب برپا کرنا ہے۔ ان مقاصد عالیہ کے ساتھ ساتھ جماعت اپنے محدود وسائل کے ذریعہ حتی الامکان بنی نوع انسان کی علمی، سماجی اور جسمانی فلاح و بہبود کیلئے دن رات سرگرم عمل رہتی ہے کہ یہ بھی دین اسلام کا حصہ ہے اور خدا کی نظر میں پسندیدہ۔ دنیا کے وہ ممالک جن میں تعلیمی یا طبی سہولتوں کا فقدان یا کمی ہے ان ممالک میں جماعت احمدیہ نے اس خدمت کا علَم سالہا سال سے بلند کر رکھا ہے اور بلا امتیاز مذہب و ملت، بنی نوع انسان کی سچی اور بے لوث خدمت کے جذبہ سے سرشار، ہر میدان میں مصروفِ عمل ہے۔

جہاں تک اعداد و شمار کا تعلق ہے اس وقت دنیا کے 176 ممالک میں جماعت احمدیہ مستحکم طور پر قائم ہو چکی ہے۔ 13291 مساجد تعمیر ہو چکی ہیں۔ اس روحانی فیض رسانی کے ساتھ ساتھ اس وقت جماعت کی طرف سے ترقی پذیر ممالک میں 373 سکول اور 5 کالج جاری ہیں جو لاعلمی کی تاریکیوں میں علم کی روشنی پھیلا رہے ہیں۔ اسی طرح 36 ہسپتال جاری ہیں جہاں غرباء کو بلا معاوضہ طبی سہولتیں مہیا کی جاتی ہیں۔ خدمتِ خلق کے میدان میں ایک اور عظیم خدمت جو جماعت احمدیہ نے بالخصوص خلافتِ رابعہ کے دور میں سرانجام دی، وہ ہومیوپیتھی کے ذریعہ ساری دنیا میں اس مفید اور مؤثر ذریعہ علاج کے علم کا عام کرنا ہے۔ اس کا سہرا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے سر ہے۔ جنہوں نے رات دن ایک کر کے اس بارہ میں لیکچر بھی دیئے اور کتب بھی لکھیں اور عملی طور پر ساری دنیا اور بالخصوص غریب ممالک میں ہومیوپیتھی ڈسپنسریوں کا جال بچھا دیا۔ اس وقت 55 ممالک میں 632 ہومیوپیتھک شفاخانے قائم ہو چکے ہیں۔ غریب اور مفلوک الحال لوگوں کیلئے یہ غیر معمولی طور پر مؤثر ذریعہ علاج اتنی وسعت اور سہولت سے مہیا ہو گیا ہے کہ عملاً ہر احمدی گھرانہ ایک مرکز شفاء بن گیا ہے۔ جس کا فیضان صرف احمدیوں تک محدود نہیں بلکہ کل دنیا تک پہنچ رہا ہے۔

یہ عظیم کارنامہ، بےلوث خدمت انسانیت کی یہ سنہری مثال لا نرید منکم جزاء ولا شکورا (الدھر:10) کی زندہ تفسیر ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کے سامان

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:-

ایک عظیم الشان کام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ کیا کہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کے سامان پیدا کئے جو یہ ہیں۔

(۱) دعوتِ الی اللہ - حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کام کو جو مدتوں سے بند ہو چکا تھا جاری کیا۔ آپ کی بعثت سے پہلے مسلمان تبلیغ اسلام کے کام سے بالکل غافل ہو چکے تھے۔ اپنے اردگرد کے لوگوں میں کبھی کوئی مسلمان تبلیغ کر لیتا تو کر لیتا۔ لیکن تبلیغ کو باقاعدہ کام کے طور پر کرنا مسلمانوں کے ذہن میں ہی نہ تھا اور مسیحی ممالک میں تبلیغ کو تو بالکل ناممکن خیال کیا جاتا تھا۔ آپ نے 1870ء کے قریب اس کام کی طرف توجہ کی اور سب سے پہلے خطوط کے ذریعہ سے اور پھر اشتہار کے ذریعہ سے یورپ کے لوگوں کو اسلام کے مقابلہ کی دعوت دی اور بتایا کہ اسلام اپنے محاسن میں تمام مذاہب سے بڑھ کر ہے۔ اگر کسی مذہب میں ہمت ہے تو اس کا مقابلہ کرے۔ مسٹر الیگزینڈر روب مشہور امریکن مسلم مشنری آپ ہی کی تحریرات سے مسلمان ہوئے اور ہندوستان آپ ہی کی ملاقات کو آئے تھے کہ دوسرے مسلمانوں نے انہیں ورغلایا کہ مرزا صاحب سے ملنے سے باقی مسلمان ناراض ہو جائیں گے اور آپ کے کام میں مدد نہ دیں گے۔ امریکہ واپس جا کر انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور مرتے دم تک اپنے اس فعل پر مختلف خطوط کے ذریعہ ندامت کا اظہار کرتے رہے۔ اور آج دنیا کے مختلف ملکوں میں اسلام کی تبلیغ کیلئے آپ کی جماعت کی طرف سے مشن کام کر رہے ہیں۔

آپ نے جہاد کی صحیح تعلیم دی۔ لوگوں کو یہ دھوکا لگا ہوا ہے کہ آپ نے جہاد سے روکا ہے۔ حالانکہ آپ نے جہاد سے کبھی بھی نہیں روکا بلکہ اس پر زور دیا ہے کہ مسلمانوں نے حقیقت جہاد کو بھلا دیا ہے اور وہ صرف تلوار چلانے کا نام جہاد سمجھتے رہے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب مسلمانوں کو غلبہ

حاصل ہو گیا تو وہ مطمئن ہو کر بیٹھ گئے اور کفر دنیا میں موجود رہا۔ گو دنیا میں اسلام کی حکومت ہو گئی مگر دلوں میں کفر باقی رہا اور ان ملکوں کی طرف بھی توجہ نہ کی گئی جن کو اسلامی حکومتوں سے جنگ کا موقع نہ پیش آیا۔ اور اس وجہ سے وہاں کفار کی حکومت رہی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفر اپنی جگہ پر پھر طاقت پکڑتا گیا اور بعض قوموں کی سیاسی برتری کے ساتھ ہی اسلام کو نقصان پہنچنے لگا۔ اگر مسلمان جہاد کی یہ تعریف جانتے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کی ہے کہ جہاد ہر اس فعل کا نام ہے جسے انسان نیکی اور تقویٰ کیلئے قائم کرتا ہے اور وہ جس تلوار سے ہوتا ہے اسی طرح اصلاحِ نفس سے بھی ہوتا ہے اور اسی طرح تبلیغ سے بھی ہوتا ہے اور مال سے بھی ہوتا ہے اور ہر ایک قسم کا جہاد کا الگ الگ موقع ہے۔ تو آج روزِ بد نہ دیکھنا پڑتا۔ اگر اس تعریف کو سمجھتے تو اسلام کے ظاہری غلبہ کے موقع پر جہاد کے حکم کو ختم نہ سمجھتے۔ بلکہ انہیں خیال رہتا کہ صرف ایک قسم کا جہاد ختم ہوا۔ دوسری اقسام کے جہاد ابھی باقی ہیں اور تبلیغ کا جہاد شروع کرنے کا زیادہ موقع ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ نہ صرف اسلام اسلامی ممالک میں پھیل جاتا بلکہ یورپ بھی آج مسلمان ہوتا اور اس کی ترقی کے ساتھ اسلام کو زوال نہ آتا۔

غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جہاد کے مواقع بتائے ہیں اور فرمایا ہے کہ اس زمانہ میں شریعت کے مطابق کس جہاد کا موقع ہے اور خود بڑے زور سے اس جہاد کو شروع کر دیا اور تمام دنیا میں تبلیغ جاری کر دی ہے۔ اب بھی اگر مسلمان اس جہاد کو شروع کریں تو کامیاب ہو جائیں گے۔ اگر مسلمان سمجھیں تو آپ کا یہ فعل ایک زبردست خدمت اسلامی ہے اور اس کے ذریعہ سے آپ نے نہ صرف آئندہ کیلئے مسلمانوں کو بیدار کر دیا ہے اور ان کیلئے ترقی کا راستہ کھول دیا ہے بلکہ مسلمانوں کو ایک بہت بڑے گناہ سے بھی بچا لیا ہے۔ کیونکہ گو مسلمان یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ زمانہ تلوار کے جہاد کا ہے لیکن اسے فرض سمجھ کر بھی اس پر عمل نہیں کرتے تھے اور اس طرح اس احساس گناہ کی وجہ سے گناہگار بن رہے تھے۔ اب آپ کی تشریح کو جوں جوں مسلمان تسلیم کرتے جائیں گے اُن کے دلوں پر سے احساس گناہ کا زنگ اترتا جائے گا اور وہ محسوس کریں گے کہ وہ خدا اور اس کے رسول سے غداری نہیں کر رہے تھے۔ صرف نقص یہ تھا کہ صحیح جہاد کا انہیں علم نہ تھا۔

(3) تیسرا کام اسلام کی ترقی کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ کیا ہے کہ آپ نے جدید علم کلام پیدا کیا ہے۔ آپ کی بعثت سے پہلے مذاہب کی جنگ گوریلا وار سے مشابہ تھی۔ ہر ایک

شخص اٹھ کر کسی ایک بات کو لے کر اعتراض شروع کر دیتا اور اپنے خصم کو شرمندہ کرنے کی کوشش کرنے لگتا تھا۔ آپ نے اس نقص کو دور کیا اور اعلان کیا کہ مذاہب کی شان کے خلاف ہے کہ اس قسم کے ہتھیاروں سے کام لیں۔ نہ کسی کا نقص نکالنے سے مذہب کی سچائی ثابت ہوسکتی ہے اور نہ صرف ایک مسئلہ پر بحث کر کے کسی مذہب کی حقیقت ظاہر ہوسکتی ہے۔ مذاہب کی پرکھ مندرجہ ذیل اصول پر ہونی چاہیے۔

(الف) **مشاہدہ پر**۔ یعنی ہر مذہب جس غرض کیلئے کھڑا ہے اس کا ثبوت دے۔ یعنی یہ ثابت کرے کہ اس پر چل کر وہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے جس مقصد کو پورا کرنا اس مذہب کا کام ہے۔ مثلاً اگر خدا کا قرب اس مذہب کی غرض ہے اور ہر مذہب کی یہی غرض ہوتی ہے تو اسے چاہیے کہ ثابت کرے کہ اس مذہب پر چلنے والوں کو خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ یہ ثابت نہیں کر سکتا تو اس کے قیام کی غرض ہی مفقود ہو جاتی ہے اور وہ ایک جسم بے روح ہو جاتا ہے۔ چند اخلاقی یا تمدنی تعلیمیں یا فلسفیانہ اصول کسی مذہب کو سچا ثابت کرنے کیلئے کافی نہیں ہیں کیونکہ ان باتوں کو انسان دوسرے مذاہب سے چرا کر یا خود غور و فکر کر کے بغیر اس کے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام ہو پیش کر سکتا ہے۔ مذہب کا اصل ثبوت تو صرف یہی ہوسکتا ہے کہ جس مقصد کیلئے مذہب کی ضرورت ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب، وہ انسان کو حاصل ہو جائے اور اسی دنیا میں حاصل ہو جائے۔ کیونکہ اگر کوئی مذہب یہ کہے کہ وہ مرنے کے بعد نجات دلائے گا تو اس دعویٰ پر یقین نہیں کیا جا سکتا اور اس کی صداقت کو پرکھا نہیں جا سکتا۔ اور علاوہ ازیں اس دعویٰ میں سب مذاہب شریک ہیں۔ کوئی مذہب نہیں جو کہتا ہو کہ میرے ذریعہ نجات مل سکتی ہے۔ گو نجات کے مفہوم میں ان کو اختلاف ہو۔ پس بعد مرنے کے نجات دلانے کا دعویٰ نا قابل قبول ہے اور نہ مذہب کی غرض کو پورا کرتا ہے۔ جو چیز قابل قبول ہوسکتی ہے وہ یہی ہے کہ مذہب مشاہدہ کے ذریعہ ثابت کر دے کہ اس نے انسانوں کی ایک جماعت کو جو اس پر چلتی تھی خدا سے ملا دیا اور اس کا قرب حاصل کرا دیا۔ یہ دلیل ایسی زبردست ہے کہ کوئی شخص اس کی صداقت کا انکار نہیں کر سکتا اور پھر ساتھ ہی یہ بھی بات ہے کہ اس دلیل کے ساتھ تمام فضول مذہبی بحثوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور نیز سوائے اسلام کے کوئی مذہب میدان میں باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ یہ دعویٰ صرف اسلام کا ہے کہ وہ آج بھی اسی طرح فیوض ظاہر کرتا ہے جس طرح کہ پہلے زمانوں میں فیوض

ظاہر ہوتے تھے اور لوگوں کو خدا سے ملا دیتا ہے اور خدا تعالیٰ کے قرب کے آثار کا مشاہدہ کرا دیتا ہے۔ چنانچہ آپ کے اس اعلان کا یہ نتیجہ ہوا کہ غیر مذاہب کے پیروؤں کو آپ کا اور آپ کی جماعت کا مقابلہ کرنا مشکل ہو گیا اور وہ ہر میدان میں شکست کھا کر بھاگنے لگے۔

(ب) دوسرا اصل مذہبی مباحثات کے متعلق آپ نے یہ پیش کیا کہ دعویٰ اور دلیل دونوں الہامی کتاب میں موجود ہیں۔ آپ نے مذہبی دنیا کی توجہ اس طرف پھیری کہ اس زمانہ میں یہ ایک عجیب رواج ہو رہا ہے کہ ہر شخص اپنے خیالات کو اپنے مذہب کی طرف منسوب کر کے اس پر بحث کرنے لگ جاتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ اس کی فتح اس کے مذہب کی فتح ہوتی ہے اور نہ اس کی شکست اس کے مذہب کی شکست ہوتی ہے اور اس طرح لوگ فضول وقت مذہبی بحثوں میں ضائع کرتے رہتے ہیں، فائدہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ پس چاہیے کہ مذہبی بحثوں کے وقت اس امر کا التزام رکھا جائے کہ جس دعویٰ کو پیش کیا جائے اور اس کے متعلق پہلے یہ ثابت کیا جائے کہ وہ اس مذہب کی آسمانی کتاب میں موجود ہے اور پھر دلیل بھی اسی کتاب میں سے دی جائے۔ کیونکہ خدا کا کلام بے دلیل نہیں ہو سکتا۔ ہاں مزید وضاحت کیلئے تائیدی دلائل دیئے جا سکتے ہیں۔ آپ کے اس اصل نے مذہبی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا اور وہ کندہ ناتراش واعظ جو یونہی اٹھ کر کھڑے ہو جاتے تھے اور وہ علوم جدیدہ کے فریفتہ جو اپنی قوم کو اپنا ہم خیال بنانے کیلئے جدید علوم کو اپنا مذہبی مسئلہ بنا کر پیش کرنے کے عادی تھے، دونوں سخت گھبرا گئے۔ آریہ جو روح و مادہ کے انادی ہونے کے متعلق خاص فخر کیا کرتا تھا اس سوال پر آ کر بالکل ساکت ہو گیا۔ کیونکہ وید میں دلیل تو الگ رہی اس مسئلہ کا بھی کہیں ذکر نہیں۔ آج تک آریہ سماج کے علماء مشغول ہیں مگر وید کوئی شرتی نہیں نکال سکے جس سے ان کا یہ مطلب حل ہو۔ یہی حال دوسرے مذاہب کا ہوا۔ وہ اس اصل پر اپنے مذاہب کو سچا ثابت نہ کر سکے۔ لیکن اسلام کا ہر ایک دعویٰ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن کریم سے نکال کر دکھایا اور ہر دعویٰ کے دلائل بھی اس میں سے نکال کر بتا دیے۔ اس حربہ کو آج تک احمدی جماعت کے مبلغ کامیابی کے ساتھ استعمال کر رہے ہیں اور ہر میدان سے کامیاب آتے ہیں۔

(ج) تیسرا اصل آپ نے یہ پیش کیا کہ ہر مذہب جو عالمگیر ہونے کا دعویٰ رکھتا ہے اس کیلئے صرف یہ ضروری نہیں کہ وہ یہ ثابت کر دے کہ اس کے اندر اچھی تعلیم ہے بلکہ عالمگیر مذہب کیلئے

ضروری ہے کہ وہ یہ ثابت کرے کہ اس کی تعلیم ہر فطرت کو تسلی دینے والی اور ضرورتِ حقہ کو پوری کرنے والی ہے۔ اگر خالی اچھی تعلیم کسی مذہب کی صداقت کا ثبوت سمجھی جائے تو بالکل ممکن ہے کہ ایک شخص کہہ دے کہ میں ایک جدید مذہب لایا ہوں اور میری تعلیم یہ ہے کہ جھوٹ نہ بولو، ظلم نہ کرو، غداری نہ کرو۔ اب یہ تعلیم تو یقیناً اچھی ہے لیکن ہر ضرورت کو پورا کرنے والی نہیں اور اس وجہ سے باوجود اچھی ہونے کے مذہب کی صداقت کا ثبوت نہیں ہوسکتی۔ مذاہب موجودہ میں سے مسیحیت کی مثال لی جاسکتی ہے۔ مسیحیوں کے نزدیک مسیح کا سب سے بڑا کارنامہ اس کی وہ تعلیم ہے جس میں وہ کہتا ہے کہ اگر تیرے ایک گال پر کوئی تھپڑ مارے تو دوسرا بھی اس کے آگے پھیر دے۔ اب بظاہر یہ تعلیم بڑی خوبصورت نظر آتی ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو فطرت صحیحہ کے مخالف ہے۔ کیونکہ فطرت نیکی کا قیام چاہتی ہے اور اس تعلیم سے بدی بڑھتی ہے۔ اسی طرح ہر ضرورت کو بھی یہ نہیں پورا کرتی۔ کیونکہ انسان کو دشمن کا مقابلہ کرنے کی بھی ضرورت پیش آتی ہے اور اس ضرورت کا اس میں کوئی علاج نہیں۔ اس اصل کے ماتحت بھی دشمنان اسلام کو ایک بہت بڑی شکست نصیب ہوئی اور اسلام کو بہت سے میدانوں میں غلبہ حاصل ہوا۔

(4) چوتھا کام اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کیلئے آپ نے یہ کیا کہ سکھ جو ہندوستان کی پرجوش اور کام کرنے والی قوم ہے اسے اسلام کے قریب کردیا۔ آپ نے تاریخ سے اور سکھوں کی مذہبی کتب سے ثابت کرکے دکھادیا کہ باوانانک علیہ الرحمۃ سکھ مذہب کے بانی درحقیقت مسلمان تھے اور قرآن کریم پر ایمان رکھتے تھے اور نمازیں پڑھتے تھے اور حج کو بھی گئے تھے اور مسلمان پیروں سے عموماً اور باوافرید علیہ الرحمۃ سے خصوصاً بہت عقیدت اور محبت رکھتے تھے۔ یہ تحقیق ایسی زبردست اور یقینی ہے کہ مذہبی طور پر اس نے سکھوں کے دلوں میں بہت ہیجان پیدا کردیا اور اگر مسلمان اس تحقیق کی عظمت کو سمجھ کر آپ کا ہاتھ بٹاتے تو لاکھوں سکھ اس وقت تک مسلمان ہوجاتے۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں نے الٹی مخالفت کی اور اس کے عظیم الشان اثرات کے راستہ میں روکیں ڈالیں۔ مگر پھر بھی تسلی سے کہا جاسکتا ہے کہ ایک طبقہ کے اندر اس تحقیق کا گہرا اثر نمایاں ہے اور جلد یا بدیر یہ تحریک عظیم الشان نتائج پیدا کرنے کا موجب ہوگی۔

(5) پانچواں کام آپ نے اسلام کی ترقی کیلئے یہ کیا کہ عربی زبان کا ام الالسنہ ہونا ثابت

کیا اور اس بات پر زور دیا کہ مسلمانوں کو عربی زبان سیکھنی چاہیے۔ مسلمانوں نے ابھی تک اس بات کی عظمت کو سمجھا نہیں۔ بلکہ ابھی تک وہ اس کے برخلاف عربی کو مٹانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس تجویز میں مسلمانوں کے اتحادِ کامل کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ امید ہے کہ کچھ عرصہ تک خود بخود اس کی طرف متوجہ ہوں گے اور اس کی مذہبی اہمیت کے ساتھ اس کی سیاسی اور تمدنی عظمت کو بھی محسوس کریں گے۔

(6) چھٹا کام اسلام کی ترقی کیلئے آپ نے یہ کیا کہ ایک عظیم الشان ذخیرہ اسلام کے تائیدی دلائل کا جمع کر دیا اور آپ کی کتب کی مدد سے اب ہر مذہب اور ہر ملت کے لوگوں کا اور علوم جدیدہ کے غلط استعمال سے جو مفاسد پیدا ہوتے ہیں ان کا مقابلہ کرنے کیلئے ہر طرح کی آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں۔

(7) ساتواں کام آپ نے یہ کیا کہ امید جو مسلمانوں کے دلوں سے بالکل مفقود ہو گئی تھی اسے پھر پیدا کر دیا۔ آپ کے ظہور سے پہلے مسلمان بالکل ناامید ہو چکے تھے اور سمجھے بیٹھے تھے کہ اسلام دب گیا۔ آپ نے آکر بہ زور اعلان کیا کہ اسلام کو میرے ذریعہ ترقی ہوگی اور اسلام پہلے دلائل کے ذریعہ دنیا پر غالب ہوگا اور آخر تبلیغ کے ذریعہ سے طاقتور قومیں اس میں شامل ہو کر اس کی سیاسی طاقت کو بڑھا دیں گی۔ اس طرح آپ نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو باندھا۔ جھکی کمر کو سہارا دیا۔ بیٹھے ہوئے حوصلوں کو کھڑا کیا اور مردہ امنگوں کو زندہ کیا اور اس میں کیا شک ہے کہ جب امید اور زبردست امید پیدا ہو جائے تو سب کچھ کرا لیتی ہے۔ امید ہی سے قربانی وایثار پیدا ہوتے ہیں اور چونکہ مسلمانوں میں امید نہ تھی، قربانی بھی نہ رہی تھی۔ احمدیوں میں امید ہے، اس لیے قربانی بھی ہے۔ پھر قربانی بھی مرنے مارنے کی قربانی نہیں بلکہ سامانِ بقا کو پورا کرنے والی قربانی۔ جس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ہر ذرہ کو اس طرح ملایا جائے کہ اس سے ترقی کے سامان پیدا ہوں۔

امن عامہ کا قیام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک کام یہ کیا کہ آپ نے امن عامہ کو قائم کیا ہے۔ اس غرض

کیلئے آپ نے چند تدبیریں کی ہیں جن پر عمل کرنے سے دنیا میں امن قائم ہوسکتا ہے اور ہوگا۔

(۱) دنیا میں سب سے بڑی وجہ فساد کی یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے بزرگوں کو برا بھلا کہتے ہیں اور دوسرے مذاہب کی خوبیوں سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ حالانکہ عقل سلیم اسے تسلیم نہیں کرسکتی کہ خدا تعالیٰ جو رب العالمین ہے وہ کسی ایک قوم کو ہدایت کیلئے چن لے گا اور باقی سب کو چھوڑ دے گا۔ مگر عقل سلیم خواہ کچھ کہے دنیا میں یہ خیال پھیلا ہوا تھا اور اس کی وجہ سے سخت فسادات پیدا ہورہے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس صداقت کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور بڑے زور سے دعویٰ کیا کہ ہر قوم میں نبی گزرے ہیں اور اس طرح ایک عظیم الشان وجہ فساد کو بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ سے پہلے بھی بعض بزرگوں نے بعض قوموں کے بزرگوں کو یا بعض قوموں نے بعض غیر قومی بزرگوں کو خدا رسیدہ تسلیم کیا ہوا تھا۔ جیسے مثلاً ایک دہلوی بزرگ نے فرمایا کہ کرشن نبی تھے۔ اسی طرح توریت میں ایوب علیہ السلام کو نبی کر کے پیش کیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ بنی اسرائیل میں سے نہ تھے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس مسئلہ کو اور رنگ میں پیش کیا ہے۔ آپ کے دعویٰ سے پہلے مختلف اقوام کے ہدایت کے متعلق مختلف خیالات تھے۔ (1) بعض کا خیال تھا کہ باقی سب لوگ جہنمی ہیں صرف ان کی قوم نجات یافتہ ہے۔ یہود اور زرتشتی اس خیال کے تھے۔ (2) بعض کا خیال تھا کہ ان کے بانی کی آمد سے پہلے تو دنیا کی ہدایت کا دروازہ بند تھا۔ مگر اس کے آنے کے بعد کھلا ہے۔ مسیحی لوگ اس خیال کے پابند ہیں۔ ان کے نزدیک ہدایت عام حضرت مسیح ناصری کے ذریعہ سے ہوئی ہے۔

(3) بعض کا خیال تھا کہ ہدایت قومی تو ان کی قوم سے ہی مخصوص ہے لیکن خاص خاص افراد دوسری اقوام کے بھی نجات حاصل کرسکتے ہیں۔ مگر ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی اور مذہب کا خدا تعالیٰ کی محبت کو دل میں پیدا کر کے مجاہدہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر بھی رحم کرتا ہے۔ گویا اسے ایک ایسا راستہ مل جاتا ہے جو گو سیدھا منزل مقصود تک نہیں پہنچتا لیکن چکر کھا کر پہنچ جاتا ہے۔

مسلمانوں کے خیالات بھی باوجود اس کے کہ قرآن کریم نے اس مسئلہ کو حل کردیا تھا، غیر معین تھے۔ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ بنی اسرائیل کے نبیوں کے ذریعہ دنیا کی ہدایت ہوتی رہی ہے۔ حالانکہ

بنی اسرائیل کے نبی صرف اپنی قوم کی طرف تھے۔ نیز وہ ایک طرف تو یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہر قوم میں نبی آئے ہیں۔ دوسری طرف بنی اسرائیل کے سوا باقی اقوام کو غیر کتابی سمجھتے تھے اور ان کے نبیوں کو جھوٹا قرار دیتے تھے۔

اس قسم کے خیالات کا نتیجہ یہ تھا کہ مختلف اقوام میں صلح ناممکن ہو رہی تھی۔ اور ضد میں آ کر سب لوگ کہنے لگ گئے تھے کہ صرف ہم ہی نجات پائیں گے، ہمارے سوا اور کوئی نہیں نجات پا سکتا، ہمارا ہی مذہب اصل مذہب ہے۔ گویا ہر قوم خدا تعالیٰ کی اکلوتی بیٹی بننا اور اسی حیثیت میں رہنا چاہتی تھی۔ اور دوسری قوموں سے اگر کسی رعایت کیلئے تیار تھی تو صرف اس قدر کہ تم بھی ہمارے مذہب میں داخل ہو کر کچھ حصہ خدا کے فضل کا پا سکتے ہو اور دوسری اقوام کی قدیم قومی روایات اور احساسات کو مٹا کر ایک نئی راہ پر لانا چاہتی تھی۔ یعنی یہ امید رکھتی تھی کہ وہ اپنے بزرگوں کو جھوٹا اور فریبی قرار دیتے ہوئے اور اپنی ساری پرانی تاریخ کا ورق پھاڑتے ہوئے ان سے آ کر مل جائے اور نئے سرے سے ایک پنیری کی طرح جو نئی زمین میں لگائی جاتی ہے بڑھنا شروع کر دے۔ چونکہ یہ ایک ایسی بات تھی جس کے کرنے کیلئے بہت ہی کم انسان تیار ہو سکتا ہے۔ خصوصاً ایسا انسان جن کے آباء شاندار کام کر چکے ہوں اور علوم کے حامل رہ چکے ہوں۔ اس لیے قومی جنگ جاری تھی اور صلح کی کوئی صورت نہ نکلتی تھی۔

بعض لوگ دوسرے کے بزرگوں کو بھی تسلیم کر لیتے تھے۔ لیکن ایک مصلح یا معلم کی صورت میں نہیں بلکہ ایک بزرگ یا پہلوان کی صورت میں جس نے اپنے زور سے ترقی کی اور وہ اسی کی ذات تک محدود رہی۔ آگے اس کے ذریعہ سے دنیا پر ہدایت قائم نہیں ہوئی اور اس کا نور دنیا میں نہیں پھیلا۔ لوگوں نے اس کی دعاؤں سے یا اس کے معجزات وکرامات سے فائدہ اٹھایا لیکن وہ کوئی تعلیم اور اصلاحی سکیم لے کر نہیں آیا۔ جیسے ایوبؑ اور کرشنؑ کی نسبت یہود اور بعض مسلمانوں کا خیال تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آ کر اس نقطہ نگاہ کو ہی بالکل بدل دیا۔ آپ نے بعض شخصیت کو دیکھ کر بزرگ تسلیم نہیں کیا اور حضرت مظہر جان جاناں کی طرح یہ نہیں کہا کہ کرشن جھوٹا نہیں معلوم ہوتا وہ ضرور خدا کا بزرگ ہوگا۔ یا جیسے سناتنی کہتے ہیں کہ محمد (ﷺ) ایک بزرگ تھے مگر ہمارا ہی مذہب سچا ہے۔ بلکہ آپ نے اس مسئلہ پر اصولی طور پر نگاہ ڈالی۔ (۱) آپ نے سورج اور اس کی شعاعوں کو پانیوں اور ان کے اثرات، ہوا اور اس کی تاثیرات کو دیکھا اور کہا جس خدا نے سب انسانوں کو ان

چیزوں میں مشترک کیا ہے وہ ہدایت میں فرق نہیں کرسکتا اور اصولاً سب قوموں میں انبیاء کا ہونا لازمی قرار دیا۔ پس آپ نے مثلاً حضرت کرشن کو اس لئے نبی تسلیم نہ کیا کہ وہ ایک بزرگ ہستی تھے جنہوں نے ایک تاریکی میں پڑے ہوئے ملک میں استثنائی طور پر افرادی جدوجہد کے ساتھ خدا کا قرب حاصل کرلیا، بلکہ اس لیے کہ آپ نے خدا تعالیٰ کی صفات پر غور کر کے یہ نتیجہ نکالا کہ ایسا خدا ممکن نہ تھا کہ ہندو قوم کو بھلا دے اور اس کی ہدایت کا کوئی سامان نہ کرے۔

(۲) دوسرے آپ نے انسانی فطرت اور اس کی قوتوں کو دیکھا اور بے اختیار بول اٹھے کہ یہ جو ہر ضائع ہونے والا نہیں، خدا نے اسے ضرور قبول کیا ہوگا۔ اور اس کو روشن کرنے کے اسباب پیدا کئے ہوں گے۔

غرض آپ کا نقطہ نگاہ بالکل جداگانہ تھا اور آپ کا فیصلہ چند شاندار ہستیوں سے مرعوب ہونے کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور انسانی قابلیت اور پاکیزگی کی بنا پر تھا۔

اس سے صلح کا رستہ کھل گیا۔ کوئی ہندو یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگر میں اسلام قبول کروں تو مجھے اپنے بزرگوں کو برا سمجھنا پڑے گا۔ کیونکہ اسلام ان کو بھی بزرگ قرار دیتا ہے اور اسلام قبول کرنے میں وہ انہی کی تقلید کرے گا۔ یہی حال زرتشتیوں، کنفیوشس کے تابعین اور یہودیوں اور مسیحیوں کا ہوگا۔ پس ہر مذہب کا انسان اپنے آبائی فخر کو سلامت رکھتے ہوئے اسلام میں داخل ہوسکتا ہے اور اگر داخل نہ ہو تو صلح میں ضرور شامل ہوسکتا ہے۔

اس اصل کے ذریعہ سے آپ نے بندہ کی خدا تعالیٰ سے بھی صلح کرادی۔ کیونکہ پہلے مختلف اقوام کے لوگوں کے دل اس حیرت میں تھے کہ یہ کس طرح ہوا کہ خدا تعالیٰ میرا خدا نہیں ہے اور اس نے مجھے چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کی نسبت ان جذبات محبت کو پیدا نہیں کرسکتے تھے جو ان کے دل میں پیدا ہونے چاہئیں تھے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس زنگ کو بھی دور کرادیا۔ اور جہاں اپنی تعلیم کے ذریعہ سے بنی نوع انسان کے درمیان صلح کا راستہ کھولا وہاں خدا اور بندہ کے درمیان صلح کا بھی راستہ کھولا۔

(۲) دوسرا ذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے امن عامہ کے قیام کیلئے یہ اختیار کیا کہ آپ نے تجویز پیش کی کہ ہر مذہب کے لوگ اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کریں۔ دوسرے مذاہب پر

اعتراض نہ کریں۔ کیونکہ دوسرے مذاہب کے عیب بیان کرنے سے اپنے مذہب کی سچائی ثابت نہیں ہوتی بلکہ دوسرے مذہب کے لوگوں میں بغض وکینہ پیدا ہوتا ہے۔

(۳) تیسرا اصل امن عامہ کے قیام کیلئے آپ نے تجویز کیا کہ ملک کی ترقی فساد اور بغاوت کے ذریعہ سے نہ چاہی جائے بلکہ امن اور صلح کے ساتھ گورنمنٹ سے تعاون کر کے اس کیلئے کوشش کی جائے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت جب کہ عدم تعاون کا زور ہے لوگ اس اصل کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ تعاون سے جس سہولت سے حقوق مل سکتے ہیں عدم تعاون سے نہیں مل سکتے۔مگر تعاون سے مراد خوشامد نہیں۔خوشامد اور شے ہے اور تعاون اور شے ہے۔ جسے ہر شخص جو غور وفکر کا مادہ رکھتا ہو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔خوشامد اور عہدوں کی لالچ ملک کو تباہ کرتی ہے اور غلامی کو دائمی بناتی ہے مگر تعاون آزادی کی طرف لے جاتا ہے۔

(انوارالعلوم۔جلد 10 صفحہ 190 تا 199)

میں اُس (اللہ) کی طرف سے ہوں

''میرا خدا جو آسمان اور زمین کا مالک ہے میں اس کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں کہ میں اُس کی طرف سے ہوں۔اور وہ اپنے نشانوں سے میری گواہی دیتا ہے۔اگر آسمانی نشانوں میں میرا کوئی مقابلہ کر سکے تو میں جھوٹا ہوں۔اگر دعاؤں کے قبول ہونے میں کوئی میرے برابر اُتر سکے تو میں جھوٹا ہوں۔اگر قرآن کے نکات اور معارف بیان کرنے میں کوئی میرا ہم پلہ ٹھہر سکے تو میں جھوٹا ہوں۔اگر غیب کی پوشیدہ باتیں اور اسرار جو خدا کی اقتداری قوت کے ساتھ پیش از وقت مجھ سے ظاہر ہوتے ہیں ان میں کوئی میری برابری کر سکے تو میں خدا کی طرف سے نہیں ہوں''۔

(اربعین نمبر1۔روحانی خزائن،جلد 17 صفحہ 346-345)

علمی کارنامے

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علمی میدان میں قرآن کریم کی تفسیر اور تربیتی و اخلاقی کتب جو دلوں کو منور کرنے والی تھیں تحریر فرمائیں۔ جس کی فہرست ذیل میں درج ہے۔ علاوہ ان کتب کے سینکڑوں مضامین، اشتہارات تحریر فرمائے جو دنیا کے کونے کونے میں پہنچے۔ جنہوں نے دل کی کیفیات کو بدل دیا اور حضرت محمد ﷺ کے جھنڈے کے نیچے جمع کر دیا اور آج بھی یہ عمل جاری و ساری ہے۔ الحمدللہ علیٰ ذالک

ایں چشمہ رواں کہ بخلق خدا دہم
یک قطرہ زبحرہ کمال محمد است

ملفوظات کے نام سے پانچ جلدوں میں روزانہ کی ڈائری شائع کی گئی ہے۔

روحانی خزائن حضرت مسیح موعود علیہ السلام

جلد نمبر	نام کتب
1-	براہین احمدیہ ہر چہار حصص
2-	پرانی تحریریں۔ سرمہ چشم آریہ۔ شحنۂ حق۔ سبز اشتہار
3-	فتح اسلام۔ توضیح مرام۔ ازالہ اوہام
4-	الحق مباحثہ لدھیانہ۔ الحق مباحثہ دہلی۔ آسمانی فیصلہ۔ نشان آسمانی
5-	آئینہ کمالات اسلام
6-	برکات الدعا۔ سچائی کا اظہار۔ حجۃ الاسلام۔ جنگ مقدس۔ شہادت القرآن
7-	تحفہ بغداد۔ کرامات الصادقین۔ حمامۃ البشریٰ
8-	نور الحق ہر دو حصص۔ اتمام الحجۃ۔ سر الخلافہ
9-	انوار الاسلام۔ منن الرحمٰن۔ ضیاء الحق۔ نور القرآن۔ معیار المذاہب

10- آریہ دھرم۔ ست بچن۔ اسلامی اصول کی فلاسفی
11- انجام آتھم
12- سراج منیر۔ استفتاء۔ حجۃ اللہ۔ تحفہ قیصریہ۔ محمود کی آمین۔ سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب۔ جلسہ احباب
13- کتاب البریہ۔ البلاغ۔ ضرورۃ الامام
14- نجم الہدیٰ۔ رازِ حقیقت۔ کشف الغطاء۔ ایام الصلح۔ حقیقت المہدی
15- مسیح ہندوستان میں۔ ستارۂ قیصریہ۔ تریاق القلوب۔ تحفہ غزنویہ۔ روئیداد جلسہ دعا
16- خطبہ الہامیہ۔ لجۃ النور
17- گورنمنٹ انگریزی اور جہاد۔ تحفہ گولڑویہ۔ اربعین
18- اعجاز المسیح۔ ایک غلطی کا ازالہ۔ دافع البلاء۔ الہدیٰ۔ نزول المسیح
19- کشتی نوح۔ تحفۃ الندوہ۔ اعجاز احمدی۔ ریویو بر مباحثہ چکڑالوی بٹالوی۔ مواہب الرحمٰن۔ نسیم دعوت۔ سناتن دھرم
20- تذکرۃ الشہادتین۔ سیرۃ الابدال۔ لیکچر سیالکوٹ۔ لیکچر لاہور۔ لیکچر لدھیانہ۔ رسالہ الوصیت چشمہ مسیحی۔ تجلیات الٰہیہ۔ قادیان کے آریہ اور ہم
21- براہین احمدیہ حصہ پنجم
22- حقیقۃ الوحی
23- چشمۂ معرفت۔ پیغام صلح

حرفِ آخر

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سچائی کے اظہار کیلئے مجدد اعظم تھے۔ان کے چند غلاموں (جو آپ کے رنگ میں اپنی اپنی بساط کے مطابق رنگین تھے کے تجدیدی کارناموں) کا ایک اجمالی جائزہ گزشتہ صفحات میں پیش کیا گیا ہے۔کس طرح انہوں نے ظلماتِ کفر کی تیرہ و تاریک وادیوں میں نورایمان کے مصابیح فروزاں کیے جس سے کفر و بدعت کی تیرگی فروہوئی۔

———اِس سے یہ بات بپایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ یقیناً یہ وجود خدا کے فرستادہ تھے اور خدا کی ہستی، حضرت محمد ﷺ، اسلام اور قرآن کی صداقت کے زندہ ثبوت تھے۔حضرت المصلح الموعود فرماتے ہیں:-

''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس طرح رسول کریم ﷺ کے ذریعہ ایک زندہ خدا لوگوں کو نظر آیا...... ویسا ہی زندہ خدا حضرت حسن بصری، حضرت عمر بن عبد العزیز، حضرت شہاب الدین سہروردی، حضرت معین الدین چشتی اور سیّد عبدالقادر جیلانی وغیرہ کے ذریعے بھی نظر آتا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اسلام کے زندگی بخش اثرات کو برابر قائم رکھا''۔ ۲۸

خدا اُن کی روحوں پر بے شمار رحمتیں نازل کرے اور فردوس بریں میں جگہ دے۔آمین۔اور ہمیں ان سب کے نیک اقوال اور اعمال کا وارث بنائے اور آنحضرت ﷺ کی پیروی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت نصیب ہو۔آمین ثم آمین۔**اللھم صل علی محمد و علی آل محمد۔**

المراجع والمصادر

نمبر شمار	نام کتاب	مؤلف	ناشر	مطبع	سن اشاعت
۱	القرآن الحکیم				
۲	صحیح بخاری	محمد بن اسمٰعیل بخاری	قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی	اصح المطابع۔کراچی	1961ء
۳	جامع ترمذی	ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ	قرآن محل۔کراچی		
۴	سنن ابی داؤد	سلیمان بن اشعث	عبدالواحد محمد التازی	مکتبہ النازیہ۔مصر	
۵	مستدرک للحاکم	امام ابوعبداللہ نیشاپوری	مکتبہ النصر الحدیثہ ریاض		
۶	براہین احمدیہ	مرزا غلام احمد قادیانی	الشرکۃ اسلامیہ لمیٹڈ ربوہ	ضیاء الاسلام پریس ربوہ	
۷	حقیقۃ الوحی	// // //	// // //	// // //	
۸	چشمہ معرفت	// // //	// // //	// // //	
۹	حمامۃ البشریٰ	// // //	// // //	// // //	
۱۰	تحفہ گولڑویہ	// // //	// // //	// // //	
۱۱	شہادت القرآن	// // //	// // //	// // //	
۱۲	آئینہ کمالاتِ اسلام	// // //	// // //	// // //	
۱۳	آثار القیامۃ فی حج الکرامۃ	نواب صدیق حسن خان		مطبع شاہجہاں بھوپال	
۱۴	تاریخِ اسلام	شاہ معین الدین ندوی	ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور	حفیظ پریس لاہور	1948ء
۱۵	سیرت عمر بن عبدالعزیز	عبدالسلام ندوی	معارف اعظم گڑھ		1923ء
۱۶	مذاہب اسلام	مولوی نجم الغنی رامپوری	رضا پبلیکیشنز لاہور	مولا داد پرنٹرز لاہور	1978ء
۱۷	طبقات ابن سعد (اُردو ترجمہ)	علامہ عبداللہ العمادی مترجم: محمد بن سعد	نفیس اکیڈمی کراچی	ایجوکیشنل پریس کراچی	
۱۸	اُردو دائرہ معارف اسلامیہ	محمد شفیع (رئیس ادارہ)	دانش گاہ پنجاب لاہور	پنجاب یونیورسٹی پریس لاہور	1962ء
۱۹	تاریخ الخلفاء	مولانا جلال الدین سیوطی		المطبعۃ العربیہ لاہور	
	ترجمہ اُردو بیان الامراء	مولانا حکیم سعید احمد انصاری	مکہ پبلشنگ کمپنی لاہور		
۲۰	سیارہ ڈائجسٹ اولیاء کرام نمبر	ایڈیٹر علی سفیان آفاقی	ریواز گارڈن لاہور	اللہ والا پرنٹرز لاہور	اپریل 1988ء

نمبر شمار	نام کتاب	مؤلف	ناشر	مطبع	سن اشاعت
۲۱	کشف الظنون	اسمٰعیل پاشا ابن محمد البغدادی	دار الفکر		1982ء
۲۲	تجدید واحیائے دین	سیّد ابوالاعلیٰ مودودی	اسلامیہ پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور		مارچ 1961ء
۲۳	تبلیغ ہدایت	مرزا بشیر احمد صاحب	نظارت اشاعت لٹریچر و تصنیف ربوہ	ضیاء الاسلام پریس ربوہ	
۲۴	بستان المحدثین	شاہ عبدالعزیز صاحب	محمد عبدالاحمد پروپرائیٹرز	مطبع مجتبائی دہلی	1915ء
۲۵	عسل مصفیٰ	مرزا خدابخش قادیانی		مطبع وزیر ہند۔امرتسر	1913ء
۲۶	سیرت ائمہ اربعہ	رئیس احمد جعفری	شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ لاہور	غلام علی پرنٹرز لاہور	1968ء
۲۷	آثار امام شافعی اردو ترجمہ	ابوزہرہ رئیس احمد جعفری	// // //	علمی پرنٹنگ پریس لاہور	1968ء
۲۸	سیرۃ الشافعی	نجم الدین سیوہاروی	دارالاشاعت پنجاب	مطبع خان رفاہ عامہ لاہور	1899ء
۲۹	تاریخ دعوت وعزیمت	سیّد سلیمان ندوی	مجلس نشریات اسلام کراچی	عظیمی پرنٹرز کراچی	1983ء
۳۰	مقالات اسلامیین اُردو ترجمہ	علامہ ابوالحسن اشعری مولانا محمد حنیف ندوی	ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور	اشرف پریس لاہور	
۳۱	حیات جاودانی	مولوی عبدالستار	ککے زئی تاجران کتب لاہور	گوگل چند پرنٹرز لاہور	
۳۲	دس ولی	بشیر احمد سعدی	لطیف پبلشرز لاہور	الجدہ پرنٹرز لاہور	
۳۳	رودِ کوثر	شیخ محمد اکرم	فیروز سنز لمیٹڈ لاہور	عبدالحمید خان پرنٹرز پبلشرز	
۳۴	البدر الطالع	علامہ شوکانی		قاہرہ	1348ھ
۳۵	الاتقان فی علوم القرآن	جلال الدین سیوطی	المکتبہ التجاریہ الکبریٰ مصر	مطبع حجازی قاہرہ	
۳۶	الدر المنثور	// // //	دار المعرفۃ الطباعۃ والنشر بیروت	استقلال پریس لاہور	1978ء
۳۷	تاریخ تفسیر ومفسرین	غلام احمد حریری	ملک سنز پبلشرز فیصل آباد	مشہور آفسٹ پریس کراچی	1970ء
۳۸	مکتوبات مجدد الف ثانی	مولانا محمد سعید احمد نقشبندی	مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی		

نمبرشمار	نام کتاب	مؤلف	ناشر	مطبع	سن اشاعت
۳۹	مجدد الف ثانی	ترجمہ: نظام الدین مجددی توکل	سنگِ میل پبلیکیشنز لاہور	چاندرت پرنٹرز	
۴۰	سوانح عمری معین الدین چشتی	سیّد الیاس رضوی	شیخ برکت علی اینڈ سنز 〃	اتحاد پریس۔لاہور	
۴۱	〃 〃 〃	عبدالرحمٰن شوق	ملک دین محمد اینڈ سنز 〃	دین محمدی پریس لاہور	
۴۲	ابن تیمیہ	محمد ابوزہرہ	دارالفکر العربی	مطبعہ احمد مخیمر	1958ء
۴۳	ابن تیمیہ	غلام جیلانی برق	مکتبہ اُردو لاہور	مرکنٹائل پریس لاہور	1938ء
۴۴	عجالہ نافعہ	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی		مطبع مجتبائی دہلی	1348ھ
۴۵	فوائد جامعہ	مولانا محمد عبدالحلیم چشتی	نور محمد کارخانہ تجارت کتب۔کراچی	مشہور آفسٹ پریس کراچی	1964ء
۴۶	تفہیمات الٰہیہ	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	المجلس العالمی داھبیل (ہند)	مدینہ برقی پریس کراچی	1936ء
۴۷	تذکرہ شاہ ولی اللہ	مولانا مناظر احسن گیلانی	نفیس اکیڈمی کراچی	انٹرنیشنل پریس کراچی	1959ء
۴۸	حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	دارالکتب الحدیثہ۔قاہرہ	مطبعہ الاستقلال الکبریٰ	
۴۹	سیّد احمد شہید	غلام رسول مہر	کتاب منزل۔کشمیری بازار لاہور	منصور پرنٹنگ پریس لاہور	1952ء
۵۰	سیرت سیّد احمد شہید	سیّد ابوالحسن ندوی	یونائیٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ	باہتمام سیّد توسل حسین	1941ء
۵۱	تواریخ عجیبیہ (سوانح احمد)	مفتی محمد جعفر تھانیسری	محمد معظم طبع شد	مطبع فاروق دہلی	1309ھ
۵۲	عمر بن عبدالعزیز	رشید اختر ندوی	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور		1957ء
۵۳	انوارِ اصفیا	مرتبہ ادارہ تصنیف وتالیف		علمی پرنٹنگ پریس لاہور	
۵۴	فتوح البلدان	احمد بن یحییٰ البغدادی	دار صادر بیروت	مطبع الموسسات مصر	1319ھ
۵۵	طبقات الکبریٰ	ابن سعد	المکتبہ التجاریہ مصر	مطبعہ الاستقامۃ قاہرہ	1939ء
۵۶	تاریخ طبری	محمد بن جریر الطبری	محکمہ اوقات حکومت پنجاب لاہور	مکتبہ جدید پریس لاہور	1972ء
۵۷	دعوتِ اسلام (ترجمہ)	ٹی۔ڈبلیو۔آرنلڈ			
۵۸	انفاس العارفین اُردو ترجمہ	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سیّد محمد فاروق القادری	اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور	بختیار پرنٹنگ پریس لاہور	1978ء
۵۹	فیوض الحرمین، اردو ترجمہ	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	المطبع الاحمدی دہلی	مدرسہ عزیزی	
۶۰	رواح ثلاثہ (امیر الروایات)	محمد اشرف علی	مطبع امداد الغرباء	مطبع امداد الغرباء سہارنپور	1307ھ

نمبر شمار	نام کتاب	مؤلف	ناشر	مطبع	سن اشاعت
۶۱	حیات ولی	حافظ محمد ابراہیم بخش دہلوی	المکتبہ السّلفیہ لاہور	دین محمد پریس لاہور	1352ھ
۶۲	الدر الثمین	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	ظہیر الدین	مطبع احمدی دہلی	
۶۳	ضرورۃ الامام	مرزا غلام احمد قادیانی	الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ	ضیاء الاسلام پریس ربوہ	1955ء
۶۴	کتاب البریہ	// // //	// // //	// // //	1899ء
۶۵	سیرۃ المہدی	مرزا بشیر احمد ایم۔اے			
۶۶	تحفۃ الملوک	مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ			
۶۷	الحکم	شیخ یعقوب علی تراب احمدی	شیخ یعقوب علی اینڈ سنز قادیان	انوار احمدیہ پریس قادیان	
۶۸	ماہنامہ خالد	ایڈیٹر خالد مسعود	مبارک احمد خالد	ضیاء الاسلام پریس ربوہ	فروری
۶۹	کتاب الخراج	امام ابو یوسف		طبعہ بولاق	1904ء
۷۰	تفسیر کبیر	مرزا بشیر الدین محمود احمد	نظارا شاعت ربوہ	ضیاء الاسلام پریس ربوہ	1982ء
۷۱	منہاج السنۃ النبویۃ	ابن تیمیہؒ		مطبعہ کبری۔مصری	1032ھ
۷۲	مجموعی رسائل الکبریٰ	ابن تیمیہؒ	شرکۃ الطبع الکتب العلمیہ مصر	الطبعہ العامرہ الشافیہ مصر	1321ھ
۷۳	المنجد	لوئیس مولوف		بیروت لبنان	1323ھ
۷۴	ملفوظات (حضرت مسیح موعودؑ)		تالیف واشاعت قادیان	اللہ بخش سٹیم پریس قادیان	
۷۵	انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا		انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا انشورنس		1936ء
۷۶	شاہکار اسلامی	سیّد قاسم محمود	شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی	بشیر سنز پرنٹر کراچی	1972ء
۷۷	انسائیکلوپیڈیا				
۷۸	مفتاح الکنوز السنۃ (عربی)	محمد فواد عبد الباقی	شرکۃ مساھمۃ مصریہ	مطبعہ مصر	
۷۹	نقض المنطق	امام ابن تیمیہؒ			
۸۰	المحد ثین المتقین	نواب صدیق حسن خان		مطبع نظامی، کانپور	1934ء
۸۱	نزھۃ النظر فی نخبۃ الفکر	علامہ ابن حجر عسقلانی	فاروقی کتب خانہ ملتان	صابر پریس لاہور	
۸۲	گلدستہ کرامات	مفتی غلام سرور	سیّد محمد عبد الحلیم	المطبع العلمی دہلی	1946ء